ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے
(یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے

مستطاب کتاب

جلد اول

فیضان الرحمٰن

فی تفسیر القرآن

از افادات عالیہ

مفسر قرآن حجۃ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر والزمان مد ظلہ العالی
آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب ــــــــــ فیضان الرحمٰن

جلد ــــــــــ جلد اوّل

مصنف ــــــــــ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہٗ

ترتیبِ نو ــــــــــ قلب علی سیال فون: 0333-4031233

پروف ریڈنگ ــــــــــ آفاق حسین جاوید ملانہ

کمپوزنگ ــــــــــ فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

سال اشاعت ــــــــــ 2014ء

ناشر ــــــــــ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ ــــــــــ

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔ 042-37314311,0321-4481214

اظہارِ تشکّر

بحمد اللہ ! انتہائی سپاس گزار ہیں

”حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی“

کے جنہوں نے ادارہ ھذا کو 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ”**فیضان الرحمٰن**“ کی کمپوزنگ، سیٹنگ اور اشاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب کی ترتیبِ نو، ڈیزائننگ، اور سیٹنگ کا کام قلب علی سیال نے کیا ہے۔ پروف ریڈنگ آفاق حسین جاوید ملانہ نے کی ہے۔ جبکہ پوری کتاب میں قرآنِ مجید کے عربی متن کو حافظ قاری عطاء اللہ (رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ مذہبی امور واوقاف حکومتِ پنجاب لاہور) نے پڑھا ہے۔

ادارہ نے کتاب ھذا کی ترتیب وتدوین میں پوری توجہ سے کام لیا ہے، تاہم ابھی تک غلطیوں کا امکان ہوسکتا ہے۔ قارئین کرام سے اُمید ہے کہ غلطیوں کی نشان دہی فرما کر اس کتاب کی آئندہ اشاعت کو مزید بہتر بنانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ غلطیوں کی نشان دہی کیلئے قلب علی سیال سے ”فون نمبر 0333-4031233 پر رابطہ کریں

مزید برآں کتاب کو پاکستان کی عوام کے پسندیدہ فونٹ میں نیٹ پر ”اَپ لوڈ“ کر دیا گیا ہے۔

آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ہماری ویب سائٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

www.misbahulqurantrust.com

کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔ کتابوں کی سائیٹس پر ”اَپ لوڈنگ“ کرنے والے حضرات ہم سے کتابِ ھذا کی ”پی ڈی ایف فائل“ طلب کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔والسلام

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائیدواعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان، رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار،فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔ جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرند و پرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں،صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لٰہذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں،وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں،وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوجاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بے کراں کے سامنے بے فیض ہو کر اپنے مستقبل سے بے خبر،مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس، پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ کر معمول کی گہری نیند سوجاتے ہیں۔

''انسان''، جسم وروح سے مرکب،عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ وصفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔جبکہ صفات

جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفایابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور و فکر کرنا، ان کے رموز و حقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی و کامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہٗ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب و روز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور انہیں طاقت و صحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم و تحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی و عملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز و آراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد اوّل

عنوانات	نمبر شمار
گفتارِ اولین	٢٥
ایضاح	٢٦
مقدّمات تفسیر قرآن	٢٨
پہلا مقدمہ	٢٨
لفظ قرآن کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی توضیح:	٢٨
قرآن وحدیث قدسی اور عام حدیث میں فرق	٢٩
دوسرا مقدّمہ	٢٩
قرآن مجید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ خالدہ ہے	٢٩
معجزہ کی تعریف	٣٠
قرآن کے وجوہِ اعجاز	٣٢
تیسرا مقدمہ	٣٤
قرآن ایک جامع کتاب	٣٤
چوتھا مقدمہ	٣٥
سرکار محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرآنی علوم کے حقیقی عالم ہیں	٣٥
پانچواں مقدمہ	٣٧
نزول قرآن اور اس کی تاریخ کا بیان:	٣٧
چھٹا مقدمہ	٣٩
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد جمع قرآن کا بیان	٣٩
ایک غلط نقطۂ خیال کا ابطال	٤١
ساتواں مقدمہ	٤٢
مقدار قرآن اور مسئلہ تحریف قرآن کا بیان	٤٢

تحریف کے حقیقی مطلب ومفہوم کی تعیین ۴۳
موجودہ قرآن کی توثیق از ائمہ اہل بیت علیہ السلام ۴۵
ایک اشکال کا ابطال ۴۸
بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت کی زبانی ہمارے مومن بالقرآن ہونے کی تصدیق ۴۹
شیعہ روایات تحریف کا الزامی جواب ۵۰
روایات اہل سنت سے قرآنی سوروں میں تحریف: ۵۰
روایات اہل سنت سے قرآنی آیات میں تحریف ۵۲
دوٹوک فیصلہ ۵۴
ایک تاویل علیل کا ابطال ۵۴
بعض علماء کے قائل تحریف ہونے سے پورے مذہب کا قائل ہونا لازم نہیں آتا ۵۶
قائلین تحریف کی پہلی دلیل ۵۶
دوسری دلیل ۵۶
تیسری دلیل ۵۷
چوتھی دلیل ۵۸
پانچویں دلیل ۵۸
نظریہ تحریف کے ابطال پر دو آیتوں کے ساتھ غلط استدلال ۵۸
ایک وہم کا ازالہ ۶۱
آٹھواں مقدمہ ۶۲
قرآن کے سات حرفوں پر نازل ہونے کی تشریح اور اس کا ابطال ۶۲
نواں مقدمہ ۶۳
تمسک بالقرآن اور اختلاف روایات کے وقت ان کو قرآن پر پیش کرنے کا حکم ۶۳
دسواں مقدمہ ۶۶
قرآن اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم اور اس بات کی وضاحت کہ مذہب وہ صحیح ہے ۶۶
گیارہواں مقدمہ ۶۸

ایمان وعمل کے لازم وملزوم ہونے کا بیان ____ ۶۸
بارہواں مقدمہ ____ ۶۹
محکم ومتشابہ آیات کا بیان اوران کی تشریح ____ ۶۹
محکم ومتشابہ کی تعریف ____ ۶۹
تیرہواں مقدمہ ____ ۷۱
تفسیر بالرائے کی حرمت اوراس کی تشریح ____ ۷۱
چودھواں مقدمہ ____ ۷۲
تفسیر قرآن کا مفہوم اوراس کے طریقہ کار کا بیان ____ ۷۲
پندرھواں مقدمہ ____ ۷۵
تلاوت قرآن کے اجروثواب کا بیان ____ ۷۵
سولہواں مقدمہ ____ ۷۶
تلاوت قرآن کے آداب ومستحبات کا بیان ____ ۷۶
سترہواں مقدمہ ____ ۷۷
رموز وعلامات وقف کا بیان ____ ۷۷
اٹھارہواں مقدمہ ____ ۷۹
قرآن مجید کے متعلق بعض مفید معلومات کا بیان ____ ۷۹
انیسواں مقدمہ ____ ۸۰
بیسواں مقدمہ ____ ۸۵
طریقہ آداب قرأت باعتبار مخارج ____ ۸۵

سُوۡرَةُ الۡفَاتِحَةِ

اس سورہ مبارکہ کا زمانۂ نزول ____ ۸۸
سورہ الحمد کے مختلف نام ____ ۸۸
یہ سورہ اور بسم اللہ تعلیم المسئلہ ہے ____ ۹۱
اس سورہ کی آیات کی تعداد ____ ۹۱

بسم اللہ کے فضائل ۹۱
بسم اللہ سے کام کی ابتداء کرنے کے فوائد ۹۲
سورہ برائت کے سوا بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے ۹۳
بسم اللہ کے فقہی احکام؟ ۹۴
بسم اللہ کی نحوی ترکیب ۹۵
استغاذہ کا بیان ۹۵
سورہ الحمد کی سات آیتیں کونسی ہیں؟ ۹۶
سورہ الحمد کے مطالب کا خلاصہ ۹۶
اس اجمال وتفصیل کا ایک اور منظر ۹۶
دین حق کا حاصل اور سورۂ فاتحہ! ۹۸
سورہ فاتحہ کی تفسیر ۹۸
یہ عالم کس قدر ہیں؟ ۱۰۰
رحمن ورحیم کا باہمی فرق ۱۰۲
روز جزا کی ملکیت کی خصوصیت ۱۰۴
چند فقہی مسائل ۱۰۵
استعانت کے احکام ۱۰۶
وسیلہ اختیار کرنے کا حکم اور اس کا طریقہ کار ۱۰۷
اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ میں جمع کے صیغے استعمال کرنے کی حکمتیں ۱۰۸
ہدایت کے معنی اور اس کے اقسام ۱۰۹
ایک سوال اور اس کا جواب ۱۱۰
صراط مستقیم کیا ہے؟ ۱۱۱
صراط مستقیم کی مزید وضاحت ۱۱۲
یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں؟ ۱۱۲
یہ مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ اور ضَّآلِّيۡنَ کون ہیں؟ ۱۱۳

ایک ایراداوراس کا جواب ۱۱۴
سورہ فاتحہ کی تعلیمی روح ۱۱۵

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

اس سورہ کی وجہ تسمیہ ۱۱۷
یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ۱۱۷
اس سورہ کے مضامین کا خلاصہ ۱۱۷
اسلوب خطاب وانداز بیان ۱۱۹
سورہ بقرہ کے فضائل ۱۲۱
اس سورہ کے آیات، رکوعات اور الفاظ وحروف کی تعداد: ۱۲۱
حروف مقطعات کے مکررات کے حذف کے بعد ایک لطیف استخراج ۱۲۳
قرآن طبعی علوم کی کتاب نہیں ہے ۱۲۵
ایک سوال اوراس کا جواب: ۱۲۶
تقویٰ کا لغوی واصطلاحی مفہوم ۱۲۷
تقویٰ کی پہچان کے علامات: ۱۲۷
(الف)ایمان بالغیب ۱۲۷
(ب)اقامۃ صلوٰۃ ۱۲۸
(ج)انفاق فی سبیل اللہ ۱۲۹
(د)ایمان بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۱۳۰
یہ آیت ختم نبوت کی بیّن دلیل ہے ۱۳۰
(ح)ایمان بالاخرۃ۔ ۱۳۰
کفر کیا ہے اور کن چیزوں کے انکار سے آدمی کافر بنتا ہے؟: ۱۳۲
اسلام میں منافقوں کے وجوداوران کی ضرررسانیوں کا تذکرہ ۱۳۵
منافقین کی مختلف اقسام کا بیان ۱۳۶
پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت منافقین موجود تھے: ۱۳۷

منافق کسے کہا جاتا ہے؟: ____ ۱۳۷
ایک ضروری وضاحت ____ ۱۴۶
قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ خالدہ ہے ____ ۱۴۸
قرآن کے وجوہ اعجاز ____ ۱۵۱
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزہ خالدہ عطا کرنے کی وجہ ____ ۱۵۱
اچھی چیز کا شوق اور بری چیز کا خوف انسانی فطرت میں داخل ہے ____ ۱۵۱
اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور اچھے کام پر ہے ____ ۱۵۲
نجات کے سلسلہ میں ایمان اور نیک کام کا باہمی فرق ____ ۱۵۳
جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ ____ ۱۵۴
دین میں جبر وتفویض نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ ان کے بین بین ہے ____ ۱۵۸
موہم جبر آیات کی دو معقول تاویلیں ____ ۱۵۹
فاسق کا مفہوم ____ ۱۵۹
یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ____ ۱۶۰
چیزوں میں اصل اباحت پر استدلال ____ ۱۶۲
آسمان کے ٹھوس ہونے یا صرف حد نظر ہونے کا بیان: ____ ۱۶۳
سات آسمانوں کا تذکرہ ____ ۱۶۳
۱۔لفظ ''اذ'' کی تحقیق ____ ۱۶۵
۲۔لفظِ ''ملائکہ'' کی تحقیق ____ ۱۶۶
(۳) فرشتوں پر ایمان کے جزءِ ایمان ہونے اور ان کی حقیقت کا بیان: ____ ۱۶۶
۴۔ملائکہ کی کثرت تعداد ____ ۱۶۷
۵۔فرشتوں کے مختلف اقسام ____ ۱۶۷
۶۔فرشتے معصوم ہیں ____ ۱۶۸
۷۔خدا نے فرشتوں سے یہ گفتگو کس عنوان سے کی تھی کہ ''میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں''؟ ____ ۱۶۸
۸۔فرشتوں نے کس بنا پر کہا تھا تو اسے پیدا کر رہا ہے اور خلیفہ بنا رہا ہے جو خون ریزی۔۔ ____ ۱۶۹

۹۔اب رہی اس بات کی تحقیق کہ آیا فرشتوں کی یہ بات بطور اعتراض تھی یا بطور استفہام؟ ۱۷۰
قرآنی معیار خلافت ۱۷۱
یہ سجدہ کس قسم کا تھا؟ ۱۷۵
ایک شبہ کا ازالہ ۱۷۷
عصمت انبیاء کا بیان ۱۷۸
عصمت انبیاء کی ایک عقلی دلیل ۱۷۹
عصمت انبیاء کی ایک شرعی دلیل ۱۷۹
وہ آیات جن سے جناب آدم علیہ السلام کا گنہگار رہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ ۱۸۰
ان ایرادات کے مختصر مگر جامع جوابات ۱۸۰
ضروری وضاحت ۱۸۲
فائدہ ۱۸۳
بنی اسرائیل کا تذکرہ اوران کے عروج وزوال کی داستان ۱۸۶
بنی اسرائیل پر خدا کے حسانات کا اجمالی تذکرہ ۱۸۸
ان احسانات کے چند تقاضے ہیں؟ ۱۸۸
اس عہدو پیمان سے کیا مراد ہے؟ ۱۸۸
وعدہ کی وفا واجب ہے ۱۸۸
دوسروں کی نیکی یا گناہ کا سبب بننے والا اس نیکی یا برائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے ۱۸۹
دین فروشی حرام ہے ۱۹۰
قرآن میں تکرار کی حکمت ۱۹۵
فرعون کے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سبب ۱۹۷
لفظ آل کی تشریح ۱۹۸
بداء کا مختصر بیان ۱۹۹
اس واقعہ کے نتائج: ۲۰۳
فائدہ ۲۰۸

دعا اور حدیث وغیرہ میں الفاظ کے اندر ردوبدل کرنے کا شرعی حکم؟ ۲۰۸
یہود کی ذلت ومسکنت کا تذکرہ ۲۱۰
ایک ایراد اور اس کا جواب ۲۱۴
یوم السبت کی حرمت پائمال کرنے کے نتیجہ میں ایک قوم کے مسخ ہونے کا تذکرہ ۲۱۶
ضروری وضاحت ۲۱۹
تحریف کا مفہوم اور اس کی قسمیں ۲۲۳
منافقین یہود کی بعض کارستانیوں کا تذکرہ ۲۲۴
ماں باپ سے احسان کرنے کا حکم ۲۲
اس امت کے یہود کا تذکرہ ۲۳۵
قرآن کے مصدق کتب ہونے کا مفہوم ۲۴۰
درس عبرت ۲۴۳
جادو کے دو مراکز کا تذکرہ ۲۴۸
ایک اشتباہ کا ازالہ ۲۴۹
سحر یعنی جادو کی حقیقت؟ ۲۵۰
ایضاح ۲۵۱
جادو کے فقہی احکام ۲۵۱
اذن اللہ کا مفہوم ۲۵۱
بعض ناسخ ومنسوخ آیات کا تذکرہ ۲۵۵
نسخ وانساء میں فرق؟ ۲۵۶
قرآن میں ناسخ ومنسوخ کے وجود میں اختلاف کا بیان ۲۵۶
مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ۲۶۱
ایک سوال اور اس کا جواب ۲۷
امام کا مقام ۲۷۱
جناب خلیل کی وہ دعائیں جو بیوی بچہ کو چٹیل میدان میں چھوڑتے وقت کیں ۲۷۴

وہ امت مسلمہ کون ہے؟: ۲۷۷
پیغمبر اسلام کے آباء واجداد حقیقی مسلمان تھے ۲۷۷
تحویل قبلہ کا بیان ۲۸۹
تحویل قبلہ کی غرض وغایت ۲۹۰
امت وسط کی وضاحت: ۲۹۰
ایک غلط استدلال کا ابطال ۲۹۱
ذکر خدا کے اقسام اور ذکر خدا کا مفہوم ۳۰۱
شہداء کی حیات جاوید کا تذکرہ ۳۰۳
ہمیں حیاتِ شہداء کا شعور نہیں ہے ۳۰۳
دنیوی مصائب وشدائد کا فلسفہ ۳۰۴
صبر کی تعریف اور اس کا مفہوم ۳۰۵
حق وحقیقت کو چھپانے کی مذمت ۳۰۹
لعنت کا صحیح مفہوم ۳۱۰
توبہ کا مفہوم ۳۱۰
معرفت توحید بدیہی ہے یا نظری؟ اور توحید کی کچھ نشانیوں کا تذکرہ ۳۱۱
قیامت کے دن جھوٹے پیر ومرید ایک دوسرے پر تبرا کریں گے ۳۱۴
جائز وناجائز کی حدود کا خیال رکھ کر حلال لذائذ کا استعمال جائز ہے ۳۱۶
اسلام میں اسلاف کی کورانہ تقلید کرنا روا نہیں ہے ۳۱۷
بعض حرام جانوروں کا بیان ۳۲۰
غیر اللہ کے نام جانور نامزد کرنے کا حکم؟ ۳۲۲
علماء سوء کے کردار پر تنقید ۳۲۳
علماء حق کے کردار کی تعریف ۳۲۳
ظاہری اعمال اور اصل مقاصد کا تذکرہ ۳۲۵
زندہ قومیں اصل مقاصد پر زیادہ توجہ دیتی ہیں ۳۲۵

اسلامی قصاص اور دور جاہلیت والے قصاص میں موازنہ؟ ۳۲۶
اسلام میں وصیت کرنے کی اہمیت ۳۳۰
روزہ کا وجوب اور اس کا فلسفہ ۳۳۳
ماہ رمضان کی فضیلت اور نزول قرآن کی کیفیت ۳۳۵
دعا نہ صرف عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے ۳۳۸
بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے وجوہ ۳۳۸
ماہ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کرنا جائز ہے ۳۳۹
مرد و عورت میں چولی دامن کا تعلق ہے ۳۳۹
روزہ کا وقت ۳۴۰
اعتکاف کا بیان ۳۴۰
شرعی جواز کے بغیر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے ۳۴۲
چاند کے گھٹنے بڑھنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ ۳۴۳
شریعت میں شمسی سال مقرر کرنا جائز نہیں ہے ۳۴۳
جہاد کے اقسام اور ان کے احکام ۳۴۵
اسلامی جہاد کے خصوصیات ۳۴۷
اسلام جارحیت کی اجازت نہیں دیتا ۳۴۷
فتنہ پردازی قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے ۳۴۸
اسلامی جہاد کا فلسفہ ۳۴۸
اشہر حرام اور ان کے احکام ۳۵۰
اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے ۳۵۱
احسان کی وضاحت ۳۵۲
حج کے اقسام اور حج و عمرۂ تمتع کے ارکان کا اجمالی بیان ۳۵۲
منیٰ میں حاجی کی قربانی کا بیان ۳۵۴
اشہر حج میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں ہے ۳۵۵

رفث وفسوق وغیرہ کی وضاحت ۳۵۶

بہترین زادسفر تقویٰ ہے ۳۵۶

من پسند طریقہ سے عبادت جائز نہیں ہے ۳۵۸

عبادت اسی طرح کرنی چاہیے جس طرح خدااور ہادیان برحق ہمیں تعلیم دیں ۳۶۰

دعاؤں میں خدا سے کیا طلب کرنا چاہیے؟ ۳۶۱

بعض منافقین کی روش ورفتار کا تذکرہ ۳۶۴

ایک تفسیر بالرائے کا تذکرہ ۳۶۶

اسلام میں دوغلی روش جائز نہیں ہے ۳۶۷

تنبیہ ۳۶۷

اللہ تعالی کے سفید بادلوں کے سایہ میں آنے کا مطلب ۳۷۰

دنیوی نعمتوں کی فراوانی محبوب خدااور تہی دامنی دشمن خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے ۳۷۱

آغاز میں سب لوگ ''ملت واحدہ'' پر تھے تو پھر اختلاف کیسا؟ ۳۷۳

خدانے انبیاء کو اختلاف رفع کرنے کے لئے بھیجا ۳۷۴

دین کے علمبرداروں کی حالت زار ۳۷۵

صدقہ اوراس کا مصرف ۳۷۸

دشمنان اسلام کے غلط پروپیگنڈہ کا جواب ۳۷۹

مرتد کی تعریف اوراس کی سزا؟ ۳۸۱

مرتد کی سخت سزا کا فلسفہ ۳۸۱

احباط وتکفیر اور موازنہ کا تذکرہ ۳۸۲

شراب اور جوا کی حرمت اوراس حرمت کے تدریجاً نازل ہونے کا بیان ۳۸۴

شراب اور جوا کی بعض برائیوں کا تذکرہ ۳۸۵

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ۳۸۶

اہل اسلام اور کفار کے باہمی عقد وازدواج کی حرمت کا بیان ۳۸۷

حائض کے احکام ۳۹۱

عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں............کا صحیح مفہوم	۳۹۲
اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ	۳۹۳
لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہے	۳۹۴
''ایلاء'' کا شرعی مفہوم اوراس کے احکام	۳۹۵
عدّت گزارنے کا بیان	۳۹۶
عدت گزارنے کی حکمتیں	۳۹۷
زن وشوہر کے باہمی حقوق کا تذکرہ اوراسلام سے پہلے عورت کی حیثیت	۳۹۷
طلاق رجعی کی حدود وقیود	۳۹۷
طلاق خلع کا بیان اوراس کے احکام	۳۹۹
طلاق رجعی کے بارے میں کچھ ہدایت	۴۰۱
بچہ کو دودھ پلانے کی مدت اوراس کے متعلقہ احکام	۴۰۳
بچہ کے معاملہ میں اس کے ماں باپ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔	۴۰۵
عدت وفات اوراس کے متعلقہ مسائل	۴۰۶
عقد کے خواہشمند کو عدت کے اندر عورت سے صراحتاً کوئی قول وقرار نہیں کرنا چاہیئے	۴۱۰
مہر ومباشرت کے اعتبار سے طلاق کے اقسام اوران کے احکام	۴۱۲
صلوٰۃ وسطیٰ سے کون سی نماز مراد ہے؟	۴۱۳
قنوت کے مفہوم کی وضاحت	۴۱۴
نماز خوف کا تذکرہ	۴۱۶
بیوہ کے بارے میں ایک منسوخ شدہ حکم	۴۱۶
طلاق کی وہ قسم جہاں مطلقہ کو کچھ مال ومتاع دیناواجب ہے؟	۴۱۷
موت سے ڈر کر گھروں سے نکلنے والی قوم کا تذکرہ اور پھراس کے مرنے اور جینے کا قصہ	۴۱۷
درسِ عبرت	۴۱۹
رجعت کا ثبوت	۴۱۹
ایسا کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے؟	۴۲۳

جناب شموئیل نبی اور جناب طالوت وجالوت کا قصہ ۴۲۴
اس واقعہ سے حاصل شدہ نتائج ونصائح ۴۲۹
انبیاء کے فرق مراتب کا بیان ۴۳۱
خدائے حکیم نے کوئی بھی دو چیزیں ہر لحاظ سے برابر پیدا نہیں کیں ۴۳۱
اسلام میں معیار فضیلت علم، شجاعت، ایمان اور تقویٰ ہے: ۴۳۱
معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے ۴۳۲
روح القدس کی حقیقت کا بیان ۴۳۲
انسان اپنے افعال میں مختار ہے۔ ۴۳۲
کچھ قیامت کی سختی اور سفارش کے بارے میں؟ ۴۳۶
آیت الکرسی کی تفسیر ۴۳۸
جناب خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ۴۴۲
درس عبرت ۴۴۶
حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مردہ کو زندہ کر کے دکھانے کی استدعا کیوں کی؟ ۴۴۸
نیچریوں کے ایک خیال کا ابطال ۴۴۹
راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا بے پایاں ثواب ۴۵۰
صدقہ وخیرات دے کر احسان جتانے سے اجر ضائع ہو جاتا ہے ۴۵۱
خیرات کر کے احسان جتلانے اور سائل کا دل دکھانے والوں کی مثال ۴۵۳
خلوص نیت کے ساتھ راہ خدا میں مال خرچ کرنے والوں کی مثال: ۴۵۴
خلاف شرائط مال خرچ کرنے والوں کی مثال ۴۵۷
راہ خدا میں حلال و پاکیزہ مال خرچ کرنے کا حکم اور حرام اور ردی مال خرچ کرنے کی ممانعت ۴۵۸
شیطان کی کج رفتاری و ناہنجاری کا تذکرہ ۴۶۰
خیر کثیر والی حکمت کا مفہوم؟ ۴۶۲
نذر کی حقیقت اور اس کے احکام ۴۶۲
واجبی زکوۃ وغیرہ کا علانیہ اور مستحبی صدقات کا خفیہ دینا افضل ہے ۴۶۲

اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے کا حقیقی مفہوم؟ ____ ۴۶۳
اس آیت کی شان نزول ____ ۴۶۳
واجبی زکوٰۃ اور مستحبی صدقات کے صحیح حقدار کون ہیں؟ ____ ۴۶۵
رات دن، خفیہ وعلانیہ خیرات کرنیوالے سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں ____ ۴۶۶
سود کی حرمت ان ضروریات اسلام میں سے ہے جن کا منکر خارج از اسلام متصور ہوتا ہے ____ ۴۶۷
حرمت سود کے بعض علل واسباب ____ ۴۶۸
ایک ایراد کا جواب ____ ۴۶۹
تنگدست مقروض کو مہلت دینے کا درس ____ ۴۷۵
کاروبار اور لین دین کے تفصیلی احکام ____ ۴۷۵
وثیقہ نویسی کا حکم ____ ۴۷۵
رہن رکھنے کی ہدایت اور اس کے بعض احکام ____ ۴۷۹
گواہی کا چھپانا گناہ کبیرہ ہے ____ ۴۸۱
خدا ہر چیز کا محاسبہ کرے گا: ____ ۴۸۱
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان خدا کے تمام انبیاء پر اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں ____ ۴۸۳

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَان

وجہ تسمیہ ____ ۴۸۶
سورۂ آل عمران کی فضیلت کا بیان ____ ۴۸۵
اس سورہ مبارکہ کے مضامین عالیہ کی اجمالی فہرست ____ ۴۸۶
شان نزول ____ ۴۸۸
قرآن میں محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی ____ ۴۹۳
محکم ومتشابہ کی تعریف ____ ۴۹۳
اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا ____ ۴۹۵
وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کون ہستیاں ہیں؟: ____ ۴۹۶
اہل ایمان کو استقامت اور ثابت قدمی کی دعا کرنی چاہیے ____ ۴۹۸

اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اولاد اور جائیداد پر اعتماد روا نہیں ہے ____ ۴۹۹
خدا بلا سبب کسی قوم یا فرد پر عذاب نازل نہیں کرتا ____ ۵۰۰
یہود کے لئے انجام بد کی دھمکی ____ ۵۰۲
جنگ بدر کے واقعہ کا بیان ____ ۵۰۲
زندگانی دنیا کی زیب وزینت اشیاء کا تذکرہ ____ ۵۰۳
اخروی نعمتوں کا تذکرہ ____ ۵۰۶
خدا ٔ ملائکہ اور سب اہل علم گواہ ہیں کہ خدا ایک ہے اور عادل ہے ____ ۵۰۸
اللہ کے نزدیک برحق دین صرف اسلام ہے ____ ۵۱۰
تین قسم کے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ____ ۵۱۱
یہود کی سرکشی کا اصلی سبب ____ ۵۱۵
بروز قیامت ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا ____ ۵۱۵
خدا ہی مالک الملک ہے اس لیے عطا ومنع اور عزت وذلت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے ____ ۵۱۶
مقام تقیہ کے سوا کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے ____ ۵۲۰
محبت وتعلق کے اقسام ____ ۵۲۱
پہلی قسم ____ ۵۲۱
دوسری قسم ____ ۵۲۱
تیسری قسم ____ ۵۲۲
اس مطلب کی وضاحت کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنی بھلائی وبرائی سامنے پائے گا؟ ____ ۵۲۴
محبت خداوندی کا معیار ''اتباع رسولؐ'' ہے ____ ۵۲۸
خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے روگردانی کرنا کفر ہے اور اسکی توجیہ ____ ۵۲۹
سنت نبویہ کی اتباع کے بغیر احکام قرآنی کا اتباع ممکن نہیں ____ ۵۳۰
حضرت آدم حضرت نوح آل ابراہیم اور آل عمران علیہم السلام کا اصطفاء وانتخاب ____ ۵۳۱
جناب مریم علیہا السلام کی مادر گرامی کی منت کا تذکرہ ____ ۵۳۱
جناب زکریاؑ کی کفالت اور جناب مریم کے لیے بے موسم کے پھلوں کا آنا ____ ۵۳۴

اس واقعہ پر تبصرہ ______ ۵۳۵
ایک ضروری وضاحت ______ ۵۳۶
حصول اولاد کے لئے دو عمل: ______ ۵۳۶
جناب مریم کی برگزیدگی ______ ۵۳۸
جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عالمین کی عورتوں پر افضلیت کا اثبات ______ ۵۳۹
خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کو بعض غیبی امور پر مطلع فرماتا ہے ______ ۵۴۲
قرعہ کا شرعی حکم ______ ۵۴۲
کسی مخلوق کے حق میں یہ عقیدہ رکھنا باطل ہے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ______ ۵۴۳
جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ اللہ'' کہنے کی وجہ اور ان کے دوسرے خصوصیات کا اجمالی تذکرہ ______ ۵۴۵
حضرت عیسی علیہ السلام کے پنجگاہ معجزات کا بیان: ______ ۵۴۸
معجزہ کی تعریف ______ ۵۴۹
معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے ______ ۵۹۴
ولایت تکوینی کا مغالطہ ______ ۵۵۱
ایک ضروری وضاحت ______ ۵۵۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین کا ذکر ______ ۵۵۶
لفظ ''مکر'' کے معنی کی صراحت اور جب یہ لفظ خدا کی طرف منسوب ہو تو اسکے مفہوم کی وضاحت ______ ۵۵۶
حیات و وفات مسیح کے متعلق خدائی فیصلہ ______ ۵۵۸
امتِ مرزائیہ کا دام ہمرنگِ زمین ______ ۵۶۰
بعض ایرادات کے جوابات ______ ۵۶۱
قیامت تک جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے منکرین پر غالب رہنے کی پیشین گوئی: ______ ۵۶۲
مباہلے کا مفہوم؟ ______ ۵۶۵
واقعۂ مباہلہ کی تفصیل ______ ۵۶۵
مسلمانوں کی حالت پر اظہار افسوس ______ ۵۷۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ خالص مسلمان تھے ______ ۵۷۳

جناب ابراہیم سے زیادہ مناسبت نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی امت کو ہے ______ ۵۷۴
مسلمان کے مرتد بنانے کیلئے احبار ورھبان کی ایک گہری سازش کا بیان ______ ۵۷۷
امانت ادا کرنے کے سلسلہ میں اہل کتاب میں دو قسم کے لوگ ہیں ______ ۵۸۰
اس آیت کی شان نزول ______ ۵۸۲
خدا کے عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟ ______ ۵۸۲
اہل کتاب کی تحریف کا تذکرہ ______ ۵۸۴
خدا کے کسی نمائندہ کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ بنائے۔۔ ______ ۵۸۵
خدا کے نمائندے معصوم ہوتے ہیں ______ ۵۸۶
نبی ہوں یا امام وہ کبھی لوگوں کے غلو آمیز نظریہ پر راضی نہیں ہوسکتے ______ ۵۸۶
حضرت امام رضا علیہ السلام کی دعا ______ ۵۸۷
خداوند عالم کا تمام انبیاء اوران کی امتوں سے عہد و پیمان لینا کہ آخری عظیم الشان پیغمبر پر ایمان لائیں اوران کی نصرت بھی کریں ______ ۵۹۰
اس ایمان ونصرت کا حقیقی اظہار امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہوگا ______ ۵۹۱
سب اہل زمین وآسمان کا طوعاً یا کرھاً ایمان لانا ______ ۵۹۲
مسلمان جماعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سب انبیاء پر اجمالی ایمان رکھتی ہے ______ ۵۹۳
جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے گا اس کا دین قبول نہیں ہوگا ______ ۵۹۵

❀❀❀❀❀

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

خالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی نوالہ والصلاۃ والسلام علی النبی وآلہ

گفتار اولین

خداوند عالم کے اس خصوصی لطف وکرم کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اس بندہ گنہگار بلکہ ذرّہ بے مقدار کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ بیان وکلام کے علاوہ قلم وتحریر کے ذریعہ اس کے دین مبین کے تمام شعبوں اور اسلامی علوم کے تمام گوشوں کی بقدر وسعت واستطاعت خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرسکوں۔ علم کلام وعقائد ہو یا علم حدیث واخبار، علم فقہ ومسائل ہو یا اسلامی سیرت وسوانح وتاریخ، علم الاخلاق ہو یا علم مناظرہ وجدال احسن۔ الغرض سب اسلامی علوم وفنون پر اس راقم آثم کی کئی کئی کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ قبول عام کی سند پا چکی ہیں اور ان کی وجہ سے اندرون ملک وبیرون ملک ایک ذہنی وفکری انقلاب رونما ہو چکا ہے والحمد للہ علی احسانہ

البتہ اب تک اسلامیات کے ایک اہم شعبہ پر کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور وہ ہے قرآن، اس کا ترجمہ، تفسیر اور اس کے معارف وحقائق اور اسرار ورموز کی نشر واشاعت، مدت سے اپنی بھی تمنا تھی اور چند مخلص زندہ ومرحوم علماء کرام اور دیگر دانشوران عظام کا بھی حد سے زیادہ اصرار تھا کہ اس موضوع پر کام کیا جائے لیکن اس اہم کام کو ہاتھ لگانے کی کچھ اپنی عدم الفرصتی کی وجہ سے اور کچھ اپنی بے مائیگی کی وجہ سے جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر ایک تو اس کام کی اہمیت وافادیت دوسرے مخلص اعزاء واحباب کے اصرار اور تیسری اپنی شرعی ذمہ داری کے احساس سے متاثر ہو کر اب یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ اس کام کا آغاز کر دیا جائے اور بہ توفیق ایزدی دس جلدوں میں ایک ایسی جامع ومانع اور مکمل ومفصل تفسیر قرآن پیش کی جائے جو جدید وقدیم علوم کا حسین امتزاج ہو جس میں نہ طول ممل ہو اور نہ اختصار مخل۔ بلکہ ان کے بین بین ہو اور اسلامی اعتدال کی مظہر ہو اور قدیم و جدید علوم کی روشنی میں دنیا ودین کے تمام تقاضوں کو پورا کرے اور جیسے دوسرے اسلامی مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام ومفسرین عظام کی لکھی ہوئی اعلیٰ قسم کی تفسیروں کے مقابلہ میں مکتب اہل بیتؑ کی ترجمانی کے سلسلہ میں بڑے حوصلہ وجرأت مندی اور فخر ومباہات کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

بارگاہ رب العزت میں دعا واستدعا ہے کہ وہ رحیم وکریم حسب سابق اس عظیم کام سے عہدہ برآ ہونے کی مجھے توفیق مرحمت فرمائے۔ اور اسے قبول عام وبقائے دوام کے عظیم اعزاز سے نوازے۔ اور اسے جہاں

میرے لئے فلاح کونین کا ذریعہ بنائے وہاں اسے رشد وہدایت کا وہ ابدی سرچشمہ بنائے کہ جس سے تمام دنیا و جہاں کے لوگ رہتی دنیا تک سیر وسیراب ہوں اور فیض پاتے رہیں۔آمین۔یارب العالمین بجاہ النبی وآلہ الطاہرینؑ۔

ایضاح

قرآن مجید چونکہ علوم وفنون اور معارف وحقائق کا وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اور مختلف اسرار ورموز اور دقائق کا وہ دریا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے اس لئے قدیم الایام سے اب تک برابر ہر مفسر نے اپنے علم وذوق وشوق کے مطابق اس بحر ناپیدا کنار میں شناوری کر کے اس سے آبدار موتی وموںگے برآمد کئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے نحوی وادبی نکات کو مطمع نظر قرار دے کر ان سے اپنی تفسیر کو بھر دیا ہے جیسے علامہ طبرسی اور فاضل زمخشری۔کسی کے ہاں علم کلام وجدال کی بھر مار ہے جیسے علامہ فخر الدین رازی اور فاضل ابوالفتوح کسی نے قصص وحکایات اور تاریخی واقعات پر زیادہ توجہ دی ہے اور اپنی تفسیر کو ان سے لبریز کر دیا ہے جیسے علامہ طبری کی تفسیر ابن جریر و تفسیر ثعلبی اور سید ہاشم بحرانی کی البرہان۔کسی نے ہر قسم کے صحیح وسقیم اخبار وآثار سے اپنی تفسیر کو بھر دیا ہے جیسے علامہ سیوطی کی درمنثور اور فاضل بحرانی کی البرہان۔کسی نے اپنی توجہ کا مرکز طبعی علوم کو قرار دے کر اپنی تفسیر کو فلکیات وارضیات اور دیگر طبیعات سے پر کر دیا ہے جیسے فاضل طنطاوی اور ان کی تفسیر جواہر۔

اور کسی نے علم تصوف سے متاثر ہو کر قرآن کو تصوف کی کتاب بنا ڈالا جیسے ابن عربی کی تفسیر القرآن اور ملا کاشی کی تفسیر اور کسی نے قرآن کو اپنے خیالات کے سانچہ میں ڈھال کر اسے تفسیر بالرائے کا مجموعہ بنا دیا جیسے سرسید احمد خان اور جناب پرویز اور ان کی تفسیریں۔ہم نے ہر قسم کے افراط وتفریط سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے سب سے پہلے تو تفسیر قرآن میں خود قرآن اور تمام اسلامی علوم کی سرسبز روشوں سے فیض حاصل کرتے ہوئے قرآنی مطالب ومعانی کی تشریح اس کے اجمالی حقائق کی توضیح اور اس کے بیان کردہ عقائد واحکام اور اوامر ونواہی کی تفسیر پر اکتفا کی ہے۔

دامان نگاہ تنگ و گل چین تو بسیار
گل چین تو از تنگی دامان گلہ دارد

ہاں البتہ چونکہ میرا ذاتی رجحان ومیلان زیادہ تر عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کی طرف ہے کیونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے جیسا کہ نازل کرنے والے کا ارشاد ہے۔ھٰذَا بَیَانٌ

لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ۝ (آل عمران۔۱۳۸) اس لئے ناظرین کو اس چیز کی جھلکیاں اس تفسیر میں نمایاں نظر آئیں گی ویسے ضرورت کی کسی بھی چیز کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس لئے امید کامل ہے کہ سب لوگ اس تفسیر میں اپنے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان موجود پائیں گے اور اس سے اپنے علمی شوق کی پیاس بجھائیں گے۔انشاء اللہ العزیز۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

وانا الاحقر
محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہٖ

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء سیٹلائٹ ٹاون سرگودہا۔

نوٹ: یہ گفتار اولین لکھنے اور سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی بعض آیات کا ترجمہ وتفسیر لکھنے کے بعد بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر یہ سلسلہ یک دم بند ہو گیا اور اڑھائی سال کے انقطاع کے بعد اب ۷۔اکتوبر ۱۹۹۹ء سے پھر اس سلسلہ جلیلہ کو شروع کیا جا رہا ہے۔

اللّٰھم وفقنا للا تمام بجاہ النبی وآلہ علیھم السلام
۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء

مقدّمات تفسیر قرآن

کلام اللہ الحمید کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے یہاں بڑے اختصار کے ساتھ بطور مقدمہ چند امور کی وضاحت کر دینا انسب معلوم ہوتی ہے۔ جن کا اصل مقصد سے گہرا ربط و تعلق ہے اور آئندہ تفسیر قرآن کے دوران قرآنی مطالب و معانی کے سمجھنے سمجھانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے انشاء اللہ۔

پہلا مقدمہ

لفظ قرآن کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی توضیح:

لفظ قرآن کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

سو واضح ہو کہ لفظ قرآن' قرأت اور باب قرء یقرء بروزن نصر ینصر و ، فتح یفتح کا مصدر ہے۔ جس کے لغوی معنی جمع کرنے اور پڑھنے کے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قرأ الکتاب۔ کتاب کو پڑھا۔ اور کہا جاتا ہے قرءَ قرءً و قرآناً الشئی یعنی اسے ملایا' جمع کیا۔

کتابت و کتاب کے عام مروجہ طریقہ سے پہلے کسی کلام منظوم و منثور کے جمع کرنے کا طریقہ کا راسے یاد کر لینا اور ازبر کر لینا اور سینہ میں محفوظ کر لینا تھا اور چونکہ کسی تحریر کو جمع کرنے کا ایک سہل طریقہ اس پر نظر ڈالنا یا اس کا زبان پر جاری کرنا بھی ہے۔ اس لئے قرآت کے ایک معنی پڑھنا بھی ہیں اور چونکہ پہلی وحی کی ابتداء ''اقرأ'' سے ہوئی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کتاب خداوندی کے قرآن کہلانے کا تعلق اسی ''اقرأ'' سے ہو۔ تو جس طرح کتاب بمعنی مکتوب اور بیان بمعنیٰ مبین کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے اسی طرح قرآن بھی بمعنی مقروٴ اور محفوظ ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں قرآن کا اطلاق اس کلام الٰہی پر ہوتا ہے جسے خدائے رحمن نے بطور وحی بتوسط جبرئیل' بحیثیت معجزہ حضرت پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ

"ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ" (سورہ بقرہ۔۲) یہ قرآن بھی ہے۔ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ "(سورہ بنی اسرائیل...۹) "تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ"(سورہ فرقان...۱) یہ فرقان بھی ہے۔ ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"(سورہ

مائدہ...۱۵) یہ نور بھی ہے، اور کتاب مبین بھی ہے۔ "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ "(سورہ حجر...۹) یہ ذکر بھی ہے۔ "هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ "۔(بقرہ۔ ۲) یہ کتاب ہدایت ایسی کتاب ہے جو نہ عام دنیا کی کتابوں کی طرح کی کوئی کتاب ہے اور نہ دنیا کے عام دستوروں کی طرز کا کوئی دستور ہے۔ اس کا انداز ترتیب ہے تو ساری کائنات کی کتابوں سے جدا اور اس کے اصول و معارف اور حقائق و اسرار ہیں تو دنیا جہاں کی کتابوں سے ممتاز و منفرد۔ بنا بریں جس طرح اس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جملہ قرآن ہے۔ اسی طرح اس پورے مقدس مجموعہ کا نام بھی قرآن ہے۔

"اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ۝ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ۝ "(سورہ واقعہ،، تا۹،) یہ خالق کلام کا کلام حق ترجمان ہے۔

"نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۝ عَلٰى قَلۡبِكَ "(سورہ شعراء۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴)۔ اس کے مطالب و معانی بھی منجانب اللہ ہیں اور الفاظ وکلمات بھی منجانب اللہ ہیں جو فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز تک پہنچے ہوئے ہیں۔

قرآن وحدیث قدسی اور عام حدیث میں فرق

اسی مذکورہ بالا بیان سے قرآن اور حدیث قدسی اور عام حدیث کا باہمی فرق بھی اہل دانش و بینش پر واضح و عیاں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ حدیث قدسی میں بھی الفاظ وکلمات اور ان کے مطالب و معانی دونوں منجاب اللہ ہوتے ہیں۔ مگر وہ بطور معجزہ و دلیل نبوت نازل نہیں ہوتے بخلاف قرآن کے کہ اس کے الفاظ و عبارات اور ان کے مطالب و معانی بطور معجزہ اور دلیل نبوت کے نازل کئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک عام حدیث کا تعلق ہے تو اس میں گو مطالب و معانی منجاب اللہ ہوتے ہیں مگر اس کے الفاظ وکلمات نبیؐ و امام علیہ السلام کے اپنے ہوتے ہیں۔

(از مقدمہ کواکب مضیئہ در احادیث قدسیہ۔ مولفہ ایں احقر)

دوسرا مقدّمہ

قرآن مجید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ خالدہ ہے

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن مجید پیغمبر اسلامؐ کی نبوت ورسالت کی صحت وصداقت کا وہ معجزہ خالدہ ہے جو آپؐ کے اعلان نبوّت سے آج تک برابر معجزہ تھا اور آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک معجزہ رہے گا۔

معجزہ کی تعریف

معجزہ اعجاز سے مشتق ہے اور اعجاز عجز سے ہے۔ جس کے لغوی معنی عاجز کرنے والا کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں خدائے قدیر کے اس خارق عادت (مجرائے طبیعی اور نیچر کے خلاف) فعل کا نام ہے جسے وہ اپنے کسی نبی یا اس کے وصیؑ کے دعوائے نبوت و وصایت کے وقت بطور سند ان کی نبوت و وصایت کی صداقت ثابت کرنے کی غرض سے ان کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے (تمام کتب کلامیہ)۔ یہی وجہ ہے کہ معجزہ کی نسبت خدائے عظیم کی طرف بھی ہوتی ہے اور معجزہ نما (نبیؑ و امامؑ) کی طرف بھی۔ ہاں البتہ فرق یہ ہے کہ یہ نسبت خدا کی طرف حقیقی ہوتی ہے کیونکہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے یہ معجزہ ظاہر کرتا ہے اور نبیؑ و امامؑ کی طرف مجازی ہوتی ہے کیونکہ ان کی دعا و استدعا پر ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔

خداوند عالم جہاں قادر ہے وہاں علیم بھی ہے اور جہاں علیم ہے وہاں حکیم بھی ہے۔ اس لئے اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مختلف اعصار و ادوار میں ہر ہر نبی کو وہ معجزہ دیا (ظاہر فرمایا) جس کی اس دور میں ضرورت تھی۔ الغرض جس عہد میں جس چیز کا زیادہ چرچا تھا اور جس پر لوگ زیادہ فخر و ناز کرتے تھے اس دور کے نبی کو اسی قسم کا معجزہ دے کر ان لوگوں کا غرور و پندار خاک میں ملا دیا۔ چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سحر و ساحری کا بڑا زور تھا تو خدائے علیم و حکیم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کے اژدھا بننے کا معجزہ دے کر سب جادوگروں کو عاجز کر دیا۔ جناب عیسیٰؑ کے زمانے میں طب و حکمت کا بڑا چرچا تھا تو خدائے خبیر و قدیر نے ان کو نابینے کو بینا اور مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ دے کر سب طبیبوں اور حکیموں کو عاجز اور درماندہ کر دیا۔ اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کے عہد معدلت انگیز میں لوگوں کو اپنی فصاحت و بلاغت، طاقت لسانی اور قادر الکلامی پر بڑا فخر و ناز تھا اور اسے ہی سرمایہ افتخار قرار دیا جاتا تھا حتیٰ کہ عرب اپنے مقابلہ میں کل کائنات کو اعجم (گونگا) سمجھتے تھے تو قادر و قیوّم خدا نے آنحضرتؐ کو فوق العادہ فصاحت و بلاغت کا وہ شاہکار (قرآن) عطا فرمایا جس نے تمام فصحاء بلغاء کی زبانوں پر تالے لگا دیئے۔

چنانچہ خداوند عالم نے تمام منکرین رسالت کو عموماً اور عالم عرب کو خصوصاً چیلنج کیا کہ اگر تمہیں پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک ہے تو اس جیسی کوئی کتاب بنا کر لاؤ "فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ"۔ (سورہ الصافات۔ ۱۵۷)

جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے باوجود ایسی کتاب نہ لا سکے تو قرآن نے یہ کہہ کر ان کی غیرت و حمیت پر تازیانہ لگایا کہ

''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ''(سورہ اسراء......۸۸)

(کہہ دیجئے کہ اگر تمام انس وجن متحد ہو کر بھی کوشش کریں کہ اس جیسی کتاب لائیں تو ہرگز نہیں لا سکیں گے)

مگر اس کے باوجود جب وہ ایسا نہ کر سکے تو قرآن نے اپنے چیلنج میں قدرے نرمی کرتے ہوئے دوسرا اعلان فرمایا:

فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ(ہود ۱۳): یعنی اگر پورے قرآن جیسی کتاب نہیں لا سکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لاؤ یہ دوسرا تازیانہ تھا جو ان کے جوادِ طبع کو مہمیز کرنے کیلئے لگایا گیا مگر وہ اسے بھی شیر مادر کی طرح پی گئے۔تو جب خداوند عالم نے بموجب دروغگو را باید تا خانہ اش رسانید اس چیلنج کو یہاں تک نرم کر دیا کہ فرمایا:

"وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ''(سورہ بقرہ...... ۲۳)

جو کچھ ہم نے اپنے (بندہ خاص) پر نازل کیا ہے۔(اس کے کلام اللہ ہونے میں) اگر تمہیں کچھ شک ہے تو اس کے مانند ایک سورہ ہی لے آؤ یہاں خدا نے ان کو ایک اور تازیانہ عبرت رسید کیا کہ فرمایا:

''ایک اللہ کو چھوڑ کر اپنے سب حمایتیوں اور ہم نواؤں کو بھی بلا لو۔اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے''۔

مگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے لہٰذا جب تم انفرادی و اجتماعی کوشش و کاوش سے بھی ایسا نہ کر سکو تو پھر تسلیم کرلو کہ یہ کسی فوق البشر طاقت کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض سورتیں تو دوسو چھیاسی (286) آیتوں پر مشتمل ہیں جیسے سورہ بقرہ اور بعض صرف چار (۴) آیتوں پر مشتمل ہیں جیسے سورہ العصر تو مخالف اسلام طاقتوں کیلئے کتنا ہی آسان طریقہ تھا کہ کم از کم چار آیتوں کی کوئی سورہ بنا کر پیش کر دیتے تو اس طرح جہاں قرآن کے اس چیلنج کا جواب ہو جاتا وہاں اسلام و قرآن کی صداقت کا خاتمہ بھی ہو جاتا۔مگر مشاہدہ شاہد ہے کہ مشرق و مغرب کے دشمنان اسلام وقرآن چودہ سو سال کی مسلسل جدوجہد اور کدوکاوش کے باوجود آج تک جبکہ پندرھویں صدی کا بیسواں سال بھی قریب الاختتام ہے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ ہی آئندہ قیامت تک دے سکیں گے۔انشاءاللہ

تو آیا اس کے بعد بھی قرآن کے کلام اللہ ہونے، اسلام کے دین برحق ہونے اور پیغمبر اسلامؐ کے برحق نبی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟ اور کسی بھی منصف مزاج شخص کیلئے انکار کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اس لئے خدا ایسے لوگوں کو یہ دھمکی دینے میں حق بجانب ہے کہ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔(بقرہ آیت ۲۴)

قرآن کے وجوہِ اعجاز

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ قرآن مجید کن وجوہ کی بنا پر معجزہ ہے؟ اس سلسلہ میں علماء اعلام میں اختلاف فکر ونظر پایا جاتا ہے۔ اور اس موضوع پر بہت سے علماء اسلام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ وجوہ اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ بعض وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلی وجہ قرآن کی فوق العادہ فصاحت وبلاغت ہے جس نے فصحائے عرب اور بلغائے عالم کو اس کا مقابلہ ومعارضہ کرنے سے عاجز و درماندہ کر دیا۔ جس پر ابھی کچھ پہلے بقدر ضرورت تبصرہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ اس کے بے پایاں علوم ومعارف ہیں۔ باوجودیکہ پیغمبر اسلامؐ ایسے ماحول میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے اور پروان چڑھے جو علمی ماحول نہ تھا۔ اور نہ ہی عرب کے لوگ کوئی پڑھے لکھے لوگ تھے۔ وہاں نہ کوئی مدرسہ نہ کالج اور نہ کوئی یونیورسٹی اور نہ ہی آنحضرتؐ نے کسی مدرسہ وجامعہ میں کوئی تعلیم حاصل کی مگر اس کے باوجود ایک ایسی کتاب لائے جو تمام کائنات کے علوم وفنون کی جامع اور انسان کی تمام انفرادی واجتماعی ضروریات معاش ومعاد پر حاوی ہے اور ایک ایسا مکمل دستور العمل اور ضابطہ حیات ہے کہ جس کی گرفت سے انسان کی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ باہر نہیں ہے۔ کیا یہ اس بات کی ناقابل ردّ دلیل نہیں ہے کہ یہ کسی بندہ کا کلام نہیں بلکہ خالق دوجہاں کا کلام حق ترجمان ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کا وہ معجزہ خالدہ ہے جس کا رہتی دنیا تک اعجاز باقی رہے گا۔ انشاءاللہ۔

۳۔ تیسری وجہ اس کی اخبار غیبیّہ ہیں۔ قرآن مجید میں ماکان کی بہت سی ایسی واضح اور تفصیلی خبریں دی گئی ہیں جو اس دور کے احبار ورہبان کو بھی تفصیل کے ساتھ معلوم نہ تھیں جو گذشتہ آسمانی کتابوں کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس طرح ''مایکون'' کے متعلق بعض ایسے واقعات کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جو حرف بحرف وقوع پذیر ہوئیں جیسے کہ روم، فارس کے مقابلہ میں پہلے رومی مغلوب ہوں گے اور اہل فارس غالب آئیں گے مگر دس سال کے اندر اندر اہل فارس مغلوب ہوں گے اور رومی غالب آجائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ بات اس کی قطعی

دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ۔ اس کی غیر معمولی تاثیر ہے۔ بعض علماء نے قرآن مجید کی غیر معمولی عجیب تاثیر کو اس کی وجہ اعجاز قرار دیا ہے۔ جس نے عرب وعجم کی مختلف قوموں کے مزاج بدل دیئے۔ اخلاق بدل دیئے۔ کج خلق گنواروں کو معلم اخلاق بنا دیا۔ بھیڑ بکریاں چرانے والوں کو حکمران بنا دیا۔ اور جاہلوں کی کایا پلٹ کر انہیں عالم انسانیت کا استاد بنا دیا۔

قرآن مجید کی ان انقلابی تاثیرات نے ثابت کر دیا کہ یہ روحانی تاثیر قادر مطلق کی قوت قاہرہ کا نتیجہ ہے یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ قرآن مجید کی اس حیرت انگیز تاثیر کا اقرار یورپ کے سینکڑوں مستشرقین نے بھی کیا ہے بطور نمونہ از خروارے یہاں صرف ڈاکٹر گستاولی بان (Dr.Ghustawali Bann) کا وہ بیان نقل کیا جاتا ہے جو اس نے اپنی کتاب تمدن عرب میں درج کیا ہے موصوف کے بیان کا ترجمہ یہ ہے۔

''اس پیغمبر اسلامؐ اس نبیؐ امیؐ کی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے جس کی آواز نے ایک ناہنجار قوم کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا۔ اور اسے اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا اور اس وقت بھی وہی نبی امیؐ اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔''

بہر حال قرآن کی یہ بے مثال تاثیر اس بات کی قاطع دلیل ہے کہ قرآن کسی بندہ کا کلام نہیں بلکہ خالق کون ومکان کا کلام حق ترجمان ہے اور پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ خالدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بار بار پڑھنے اور سننے سے دل نہیں اکتاتا۔ بلکہ ہر بار دل ودماغ پر اس کا نیا اثر ہوتا ہے۔ اور نئی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

۵۔ پانچویں وجہ۔ صرفہ ہے۔ بعض علماء صرفہ کی حیثیت سے قرآن کے معجزہ ہونے کے قائل ہیں۔ یعنی جب کوئی شخص قرآن کی مثل لانے کی کوشش کرتا ہے تو قادر مطلق اپنی قوت قاہرہ سے اس کی قوت معارضہ کو سلب کر لیتا ہے اور وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ برآمد ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے دنیا جہاں کے مخالفین قرآن کا مثل لانے سے عاجز اور بے بس ہیں یہ محض خدائے قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے لیکن حقیقت الامر اس کے خلاف ہے اور مذکورہ بالا علل واسباب کی وجہ سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی علمی وعملی سطح اس قدر بلند وبالا ہے کہ اس کا مقابلہ ومعارضہ کرنا انسانی دل ودماغ کے بس کا روگ نہیں ہے۔

تیسرا مقدمہ

قرآن ایک جامع کتاب

قرآن تمام علوم وفنون کی جامع کتاب ہے بلکہ اس میں کائنات کی ہر خشک وتر چیز کا تذکرہ ہے باوجودیکہ قرآن چھوٹے سے حجم کی مختصر سی کتاب ہے مگر جامعیت کے لحاظ سے محیر العقول حد تک اس قدر جامع و کامل بلکہ اکمل کتاب ہے کہ کائنات کا کوئی ایسا علم وفن نہیں ہے جو اس میں مذکور نہیں ہے۔

فاضل رازی نے ''ستّینی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ساٹھ علوم وفنون کا تذکرہ موجود ہے۔ جن میں سے ہر علم وفن کی اصل قرآن میں موجود ہے جیسے علم الحدیث، علم الرجال، علم الفرائض، علم القصص، علم التذکیر بالاء اللہ، علم التذکیر، علم التذکیر بالموت ومابعدہ، علم الاحکام، علم الکائنات، علم صرف ونحو، معانی و بیان، کلام ومناظرہ، علم الفقہ، اصول الفقہ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری مرحوم نے ''علوم القرآن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں قریباً بہتر ۷۲ علوم وفنون کا تذکرہ کیا گیا ہے اور سب کی اصل قرآن سے ماخوذ ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

''لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝۵۹ '' دنیا جہان میں کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب مبین میں مذکور نہیں ہے۔ (انعام۔۵۹)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ''(سورہ نحل......۸۹) قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

متعدد اخبار وآثار میں مذکور ہے۔ ''ان للقرآن ظهر ا و بطنا وللبطن بطنا الى سبعة ابطن '' قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور پھر باطن کا ایک باطن ہے یہاں تک کہ سات بواطن ہیں۔ (مرآۃ الانوار وغیرہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''خداوند عالم نے قرآن مجید میں ہر چیز اس طرح بیان کردی ہے کہ اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش فلاں چیز قرآن میں ہوتی۔ کیونکہ خدا نے وہ بات بھی بیان کردی ہے'' (الکافی)

انہی جنابؑ سے مروی ہے فرمایا:

''کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے۔مگر یہ کہ اس کی اصل قرآن مجید میں مذکور ہے۔مگر عام لوگوں کے عقول وافہام کی وہاں تک رسائی نہیں ہے''۔(الکافی)۔

نیز انہیں جنابؑ سے منقول ہے فرمایا:

''قرآن مجید میں ابتداء خلقت سے قیامت تک کے واقعات وحالات مذکور ہیں اور اس میں زمین و آسمان، جنت ونار اور ''ماکان ومایکون'' کے سب اخبار موجود ہیں اور میں یہ سب باتیں کتاب خدا سے جانتا ہوں''(البرھان)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''ہر چیز کا تذکرہ قرآن وسنت میں موجود ہے''۔(البرھان)

لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا: (سورہ کہف......۱۰۹)

چوتھا مقدمہ

سرکار محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرآنی علوم کے حقیقی عالم ہیں

اس بات میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ حضرت رسول خداؐ جن کو خدائے علیم وحکیم نے معلم قرآن بنا کر بھیجا تھا جیسا کہ متعدد قرآنی آیات سے واضح ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲

(سورہ جمعہ۔آیت ۲)

''وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ''(سورہ نحل۔آیت ۴۴)

بتعلیم اللہ تمام قرآنی علوم وفنون، اس کے حقائق ودقائق اور اسرار ورموز سے کما حقہ واقف وآگاہ تھے جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ (سورہ الرحمٰن) عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (النساء۔۱۱۳) وغیرہ آیات سے واضح وآشکار ہے۔ورنہ ظاہر ہے کہ اگر آپ قرآن کے تمام علوم واسرار اور اس کے ظواہر وبواطن سے واقف وآگاہ نہ ہوں تو پھر اس کے معلّم ربّانی کس طرح ہوسکتے ہیں؟ جو کچھ بحث ہے وہ اس میں ہے کہ

آیا پیغمبر اسلامؐ کے پڑھانے سے تمام امت مسلمہ عالم علوم قرآن بن گئی ہے؟

یا کم از کم آنحضرتؐ کے دور کے سب مسلمان تمام قرانی مطالب ومعانی اور اس کے اسرار ورموز

سے آگاہ ہو گئے تھے؟

کچھ مسلمانوں کا یہی خیال ہے مگر قرآنی آیات، معصومی روایات اور تاریخی واقعات سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ تکذیب ہوتی ہے ارشاد قدرت ہے

"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ‌ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا" (سورہ محمدؐ......آیت ۱۴) ان بزم نشینوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیری بزم سے باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے کہتے ہیں جن کو علم دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی کیا کہا ہے؟

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں بیٹھنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو اول سے آخر تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے تھے۔ مگر پھر بھی پلے کچھ نہ پڑتا تھا اور کچھ مخصوص اہل علم سے پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا فرمایا؟ اسی لئے خدائے حکیم نے فرمایا:

"ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا" (سورہ فاطر......آیت ۳۲) ہم نے (علم) کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا ہے جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ وہ اللہ کے منتخب کردہ بندے کون ہیں؟ ان کی نشاندہی پیغمبر اسلامؐ نے اپنی مشہور بلکہ متواتر حدیث ثقلین میں فرمائی ہے۔

"انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهلبیتی"۔ (متفق علیہ)۔ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ (قرآن) اور دوسری اپنی عترت اہل بیتؑ۔

معلوم ہوا کہ قرآن مسلمانوں کا نصاب تعلیم ہے اور پڑھانے والے عترت اہل بیت۔ ہیں یا قانون اسلام قرآن ہے اور اس قانون کے جاننے والے اور نافذ کرنے والے عترت اہلبیت علیہم السلام ہیں۔

"اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ‌ؕ" (سورہ عنکبوت......آیت ۴۹)

سلیم بن قیس ہلالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرمار ہے تھے۔

"ما نزلت آیة علی رسول الله لا اقرانیها و املاء علی فکتبتها بخطی و علمنی تاویلها و تفسیرها و ناسخهاو منسوخها ومحکمها و متشابهها و دعا الله لی ان یعلمنی فهمها و حفظها فما نسیت آیة من کتاب الله ولا علما املاه اعلی فکتبته منذ دعا لی

بما دعا و ما ترك شئياً علمه الله من حلال و حرام ......الی الآخر‘‘۔

جو آیت بھی حضرت رسول خداؐ پر نازل ہوئی ہے۔آپ نے وہ مجھے پڑھائی اور لکھوائی جسے میں نے اپنے خط کے ساتھ لکھا ہے اور پھر مجھے اس کی تاویل وتفسیر پڑھائی ہے اور اس کے ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ سے آگاہ فرمایا ہے اور خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے اس کے سمجھنے اور یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پس جب سے آنحضرتؐ نے میرے لئے دعا فرمائی ہے میں نہ کوئی آیت بھولا ہوں اور نہ کوئی ایسا علم بھولا ہوں جو آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔(الکافی۔العیاشی۔اکمال الدین)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

’’ما يستطيع احد ان عنده جميع القران كله ظا هره وبا طنه غير الا و صيا ‘‘

ائمہ اہل بیتؑ کے سوا اور کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس پورے قرآن یعنی اس کے ظاہر و باطن کا علم ہے۔(الکافی)

’’علی مع القرآن و القرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض‘‘

علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔جب تک حوض کوثر پر دونوں اکٹھے وارد نہیں ہوں گے تب تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔(حدیث نبوی) و لنعم ماقیل۔

محکم کہیں، کہیں متشابہ تیرا کلام
یا رب عجیب راز یہ قرآن میں بھر دیا
اب تک مفسروں کا الجھنا دلیل ہے
دنیا کو اہل بیتؑ کا محتاج کر دیا

پانچواں مقدمہ

نزولِ قرآن اور اس کی تاریخ کا بیان:

قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ میں موجود تھا ’’بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ‘‘وہاں سے ایک بار بیت المعمور پر اور دوسری بار وہاں سے قلب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

’’شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ‘ (سورہ بقرہ...۱۸۵)

ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

اس آیت سے اجمالاً اس قدر تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید بارہ مہینوں میں سے ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ''۔

ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا (دخان......آیت ۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان کی کسی خاص رات میں ہوا ہے تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ '' ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا (سورہ قدر......آیت ۱)۔

اس سے نزول قرآن کی مکمل تاریخ کا علم ہو گیا کہ پورا قرآن شب قدر میں لوح محفوظ سے بیت المعمور پر اترا تھا پھر وہاں سے موقع ومحل کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق جبرائیل امین کبھی ایک آیت، کبھی چند آیات اور کبھی پورا سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاتے رہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝۱۹۳ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝۱۹۴ (شعراء......آیات ۱۹۳، ۱۹۴)

جبرائیل نے اسے آپ کے قلب پر اتارا

اور یہ سلسلہ برابر تئیس سال تک جاری وساری رہا۔ مگر اعلان نبوت کے بعد ابتدائی تین سال تک تبلیغ چونکہ سرسری ومخفی تھی۔ اس لئے اس دور میں نزول قرآن برائے نام تھا۔ اور بعد ازاں جہری دور تھا جس میں بکثرت قرآن نازل ہوا۔ اس لئے بعض احادیث میں مدت نزول بیس سال اور بعض میں تئیس سال مذکور ہے۔ اس لئے ظاہری نزول کی کوئی ایک تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ وہ تئیس ۲۳ سال کی مدت میں تدریجاً اترا ہے (اصول کافی، عیاشی، صافی) اگرچہ روایات کے مطابق اکثر وبیشتر جبرائیل امین وحیہ کلبی کی شکل میں مجسم ہو کر وحی لاتے تھے۔ مگر ان کا ہمیشہ اس طرح آنا لازم نہ تھا بلکہ مشاہداتی شکل کے علاوہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل ودماغ تک کلام الٰہی پہنچاتے تھے اس طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ زمین پر سب سے پہلا سورہ کونسا نازل ہوا؟ مشہور ومنصور قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقراء نازل ہوا ہے۔ واللہ العالم۔

چھٹا مقدمہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد جمع قرآن کا بیان

یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند و بالا ہے کہ قرآن مجید یکبارگی نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تیئس سال کی مدت میں مختلف حالات وواقعات کی مناسبت سے تدریجاً حضرت رسول خداؐ پر نازل ہوا۔ کبھی ایک آیت نازل ہوتی۔ کبھی چند آیات اور کبھی پورا سورہ نازل ہوتا۔ کبھی حضر میں کبھی سفر میں، کبھی دن کے اجالے میں اور کبھی رات کی تاریکی میں، کبھی مکہ کے ریگزاروں میں اور کبھی مدینہ کے سبزہ زاروں میں۔ آنحضرتؐ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی آیت یا سورہ نازل ہوتی تو آپؐ اس کی تلاوت کردیتے، تبلیغ فرمادیتے اور اگر کوئی کاتب وحی موجود ہوتا تو اس کو لکھوا بھی دیتے۔ مگر چونکہ وہاں کاغذ کمیاب تھا لہٰذا یہ آیات پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں اور اگر کاغذ مل جاتا تو اسے استعمال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ آنحضرتؐ آیت، آیات یا سورہ کے نزول کے وقت فرمادیتے تھے کہ یہ آیت یا آیات فلاں سورہ میں فلاں مقام پر لکھی جائیں۔ مگر اس طرح آنحضرتؐ کے حکم سے جو کتابت ہوتی تھی۔ وہ مرتب شکل میں نہیں تھی۔ بلکہ متفرق اجزاء کی صورت میں ہوتی تھی۔ جب حضرت رسول خداؐ کی وفات حسرت آیات واقع ہوئی۔ تو قرآن مجید اس طرح متفرق اجزاء کی صورت میں متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے وقت جناب امیرؑ سے فرمایا:

یا علی ان القرآن خلف فر اشی فی الصحف وا لحر یر و القر اطیس فخذوہ وا جمعوا ولا تضیعرہ کما ضیعت الیھو د التوراۃ

(یاعلی! قرآن میرے فرش خواب کے پیچھے ورقوں، ریشم اور کاغذوں پر لکھا ہوا موجود ہے۔ اسے حاصل کرو، جمع کرو اور اسے اس طرح ضائع نہ کرو جس طرح یہود نے توراۃ کو ضائع کیا)

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے بڑھ کر ان اجزاء کو زرد رنگ کی چادر میں اکٹھا کیا اور قسم کھائی کہ آپ کی وفات کے بعد جب تک قرآن جمع نہیں کرلینگے۔ تب تک کاندھوں پر چادر نہیں اوڑھیں گے۔ چنانچہ آپ۔ نے ایسا ہی کیا چنانچہ اس اثنا میں اگر کوئی شخص آپ سے ملنے کیلئے آتا تو آپ چادر اوڑھے بغیر اس سے ملاقات کرتے

تھے............''(تفسیر عیاشی صافی)

چنانچہ آپ نے تنزیلی ترتیب کے مطابق قرآن مجید جمع فرمایا اور بعض اخبار و آثار کے مطابق اس میں جا بجا تفسیر کی مفید معلومات بھی درج فرمائے۔ جبھی تو ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ 'لو اصیب ذلك الکتاب لکان فیه العلم '' اگر وہ کتاب دستیاب ہو جاتی تو علم قرآن کا ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ مل جاتا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۷۴ طبع مصر)

اور جب اس اہم اسلامی فریضہ کی ادائیگی سے فارغ ہو چکے تو اتمام حجت کی خاطر اسے ارباب حکومت کے سامنے پیش کیا مگر انہوں نے اپنی مخصوص سیاسی مصلحتوں کے تحت اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہمیں آپ کے جمع کردہ قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور آپ خاموشی سے اپنا جمع کردہ قرآن واپس لائے اور اپنے ذخیرۂ خاص میں رکھ دیا۔ صرف اتنا فرمایا کہ آج کے بعد تم اس قرآن کو نہیں دیکھو گے (احتجاج طبرسی وغیرہ)

اے کاش کہ سب سے عظیم عالم قرآن شخصیت کی خدمت سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ اور اسے مخصوص سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ نہ چڑھایا جاتا۔ اس طرح اتنے بڑے علمی خسارہ کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اس طرح جہاں ناسخ و منسوخ کی شناخت مشکل ہوگئی۔ وہاں آیات کی تقدیم و تاخیر سے اور سیاق و سباق کے بدل جانے سے بعض آیات کی تفسیر و تاویل بھی دشوار ہوگئی۔ لیکن یہ خود معنوی طور پر قرآن مجید کے اسلوب کا معجزہ تھا کہ غیر مرتب شکل میں یکجا ہونے کے بعد بھی اس کی آیات کی افادیت برقرار رہی اور اسکی معجزانہ شان فصاحت و بلاغت کو صدمہ نہیں پہنچا۔ (مقدمہ فصل الخطاب)۔

موجودہ قرآن مجید کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے طلحہ کے سوال پر فرمایا:

"ان اخذ تم بما فیه نجو تم من النا ر و د خلتم الجنة فان فیه حجتنا وبیان حقنا و فرض طاعتنا "۔

اگر تم اس پر عمل کرو گے تو جہنم سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اس میں ہماری حجت کا بیان، ہمارے حق کا بیان اور ہماری اطاعت کے فرض ہونے کا بیان موجود ہے۔ (احتجاج طبرسی)

اسی لئے حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے جمع کردہ قرآن کی اشاعت ضروری نہیں سمجھی۔ بہر حال ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے جامع قرآن اور حافظ قرآن علیؑ ہیں دوسری طرف ارباب اقتدار کی جانب

سے یہ کاروائی کی گئی کہ جب جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن مارے گئے۔ تو کچھ لوگوں نے دربار خلافت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اگر جنگوں کا یہی سلسلہ جاری رہا اور اس طرح حفاظ قرآن مارے جاتے رہے تو کہیں ہم قرآن سے محروم ہی نہ ہو جائیں۔ لہٰذا قرآن کو کتابی شکل میں یکجا جمع کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت کو حکم دیا گیا اور انہوں نے خاص انداز سے قرآن مجید کو یکجا جمع کیا۔ (بخاری شریف وتفسیر قرطبیؔ وغیرہ)۔

وہ خاص طریقہ کار یہ تھا کہ اعلان عام کیا گیا کہ جس کے پاس قرآن کی کچھ آیات لکھی ہوئی ہیں وہ زید کے پاس لائے۔ لہٰذا جب کوئی شخص ایسی آیات لاتا تو چند طریقہ سے ان کی تصدیق کی جاتی تھی۔

۱۔ اپنی یادداشت سے۔

۲۔ دو معتبر آدمی گواہی دیتے کہ یہ آیتیں آنحضرتؐ کے سامنے لکھی گئیں۔

۳۔ ان مجموعوں سے مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہ نے تیار کئے ہوئے تھے۔ (البرھان فی علوم القرآن)۔

مگر جب تیسرا دور خلافت آیا تو اسلام عرب سے نکل کر روم وایران وغیرہ کے ممالک تک پہنچ چکا تھا۔ اور جب نئے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اختلاف قرات کی وجہ سے باہمی اختلاف رونما ہوا اور جھگڑے پیش آنے لگے۔ تو بعض لوگوں کے مشورہ سے دور اول کا جمع کردہ نسخہ جناب حفصہ سے منگوایا گیا اور دوسرے مختلف صحیفے اکٹھے کر کے ایک چار رکنی کمیٹی کے سپرد کئے گئے۔ جس کے ایک رکن وہی زید بن ثابت بھی تھے۔ انہوں نے سورتیں بھی یکجا مرتب کیں (جب کہ پہلے اس طرح مرتب نہیں تھیں بلکہ الگ الگ لکھی ہوئی تھیں) اور پھر سب نسخوں کی ایک قرات متعیّن کی گئی۔ اس طرح اس نئے مرتب شدہ مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں جنہیں مختلف علاقوں میں بھیجا گیا اور لوگوں کو اسی مصحف کے مطابق پڑھنے کا حکم دیا گیا اور اس کے علاوہ سب نسخوں کو پہلے پھاڑا گیا۔ پھر جلایا گیا۔ (بخاری شریف مع حاشیہ سہارنپوری)۔

معارف القرآن کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں۔ ''قرآن کریم کے متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش فرما دیئے جو مختلف صحابہ کے پاس موجود تھے تاکہ رسم الخط، مسلمہ قرائتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے''۔ (مقدمہ معارف القرآن)۔

ایک غلط نقطۂ خیال کا ابطال

آج کل کچھ شیعہ وسنی جدید فلکار اس بات پر بہت زور دے رہے ہیں کہ موجودہ قرآن پیغمبر اسلامؐ

کے عہد کا اور انہی کے زیر نگرانی مرتب کردہ ہے۔ یہ ایک ایسا دعوی ہے جس کی صحت پر سینہ زوری کے سوا اور کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب کوئی بھی دعویٰ دلیل و برھان کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا تو پھر یہ اتنا بڑا دعویٰ بلا دلیل کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ تمام شیعہ و سنی محقق مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن جس ترتیب اور جس طریقہ سے مرتب شکل میں موجود ہے یہ تیسرے دور خلافت کا کارنامہ ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں اس وضع و قطع اور اس شکل وصورت کے ساتھ ہرگز موجود نہیں تھا اور بھلا ہو بھی کس طرح سکتا تھا جبکہ وہ تدریجاً نازل ہوا تھا اور یہ سلسلۂ نزول آپ کے آخری لمحات حیات تک برابر جاری و ساری رہا۔ فاضل کاشانی مقدمہ سادسہ تفسیر صافی میں اس موضوع کے متعلق رقمطراز ہیں:

''فاما کونه مجموعا فی عهد النبی صلی الله علیه و آله و سلم علی ما هو الان فلم یثبت و کیف کان مجموعا انما کان ینزل نجوما و کان لایتم الا بتمام عمره''

یعنی موجودہ قرآن کا موجودہ شکل وصورت میں پیغمبر اسلامؐ کے عہد میں جمع شدہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اور بھلا اس طرح جمع ہو بھی کس طرح سکتا تھا جبکہ وہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا۔ اور آنحضرتؐ کی عمر مبارک کے اختتام کے ساتھ یہ سلسلہ ختم ہوا۔

(فتدبّر و تشکّر و لا ینبئك مثل خبیر)

ساتواں مقدمہ

مقدار قرآن اور مسئلہ تحریف قرآن کا بیان

قال الشیخ اعتقادنا ان القرآن الذی انزل الله علی نبیه محمد هو ما بین الدفتین وهو مافی ایدی النّاس لیس باکثر من ذلك الی ان قال ومن نسب الینا انا نقول انه ، اکثر من ذلك فهو کاذب

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ ''مقدار قرآن کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد قرآن کے قائل ہیں تو وہ جھوٹا ہے۔''

مسلمانوں میں ایسے مسائل کی کوئی کمی نہیں ہے جن پر نیک نیتی سے غور وفکر نہ کرنے یا تجاہل عارفانہ سے کام لینے کی وجہ سے انہیں اختلاف امت کی آماجگاہ بنادیا گیا۔ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ تحریف قرآن بھی ہے جس کی وجہ سے مذہب شیعہ خیرالبریہ کو دل کھول کر بدنام کیا جاتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔ ہر چند کہ علماء شیعہ ہزاروں مرتبہ اس قبیح نسبت سے اپنی برأت و بیزاری ظاہر کر چکے ہیں۔ مگر برادران یوسف کی بارگاہ میں کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ اور برابر یہی رٹ لگائی جاتی ہے کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' اور ''تجلیات صداقت'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔ یہاں بھی اختصار کے ساتھ چند حقائق پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ خدا کرے کہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہوجائے۔ اور قرآن مجید کے بارے میں مدتوں سے جو یہ لایعنی بحث جاری ہے اس کا خاتمہ ہو جائے وما ذلك على الله بعزيز۔

تحریف کے حقیقی مطلب و مفہوم کی تعیین

قبل اس کے کہ اصل مطلب پر دلائل پیش کئے جائیں پہلے ''تحریف'' کا مطلب واضح کردینا ضروری ہے سو مخفی نہ رہے کہ ''تحریف'' باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا مادہ ''حرف'' بمعنی طرف و کنارہ ہے لہٰذا تحریف کے لغوی معنی ہوں گے۔ ''الاخذ بالطرف'' کسی چیز کو ایک طرف اور ایک کنارہ سے پکڑنا اور اسے پوری طرح حاصل نہ کرنا اور اصطلاح میں تحریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی کلام کو متغیر و متبدل کردینا خواہ یہ تغیر و تبدل کلام کے اجزاء کو مقدم و موخر کرنے کی وجہ سے ہو۔ یا زیادتی اور کمی کے سبب سے۔ نیز اس میں یہ بھی کوئی قید نہیں یہ تحریف و تغیر فقط لفظوں میں واقع ہو۔ یا صرف معانی و مطالب میں یا الفاظ و معانی دونوں میں۔ تحریف کی ان مختلف اقسام وانواع میں سے بعض اقسام کے وقوع اور بعض کے عدم وقوع پر سب کا اتفاق ہے اور بعض کے متعلق شدید اختلاف ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تحریف بمعنی اول یعنی تقدیم و تاخیر کے وقوع پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کیونکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن میں مکی سورہ موخر اور مدنی مقدم ہیں۔ اور یہ تقدیم و تاخیر فقط سوروں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ آیات قرآنیہ میں بھی واقع ہے کہ بعض سوروں کی آیات دوسرے بعض سوروں میں شامل ہوگئی ہیں۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین السیوطی وغیرہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد ۴ طبع مصر ص ۴۲۔ راجع بسورہ رعد۔ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۸ راجع بسورہ رعد۔ تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۶۹ راجع بسورہ ابراہیم۔ تفسیر درمنثور جلد چہارم ص ۳۴۲ راجع بسورہ حج۔ کذا فی التفسیر الکبیر جلد ۶ ص ۳۰۶۔ تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۸۲ راجع بسورہ شعراء۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۹۷ راجع بسورہ لقمان وغیرہ۔ حاشیہ قرآن مجید

مترجم مولانا عبدالماجد دریا آبادی حصہ اول ص ۲ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور پر مکی و مدنی سورتوں کی وجہ تسمیہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھا دی ہیں یا اس کے برعکس۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر ولطیف تر احساس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کو ہوسکتا ہے؟ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اسکے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ حزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں کوئی درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں محض مفید ظن ہیں۔ مفید یقین نہیں ہیں۔ اس وقت ہمیں اس امر کے متعلق بحث کرنا مقصود نہیں کہ آیتوں کا یہ اختلاط و امتزاج حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے عمل میں لایا گیا یا خلیفہ سوم کے ایماء سے ایسا کیا گیا۔(وان كان الحق هو الثانی) بلکہ یہاں پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مکی سوروں کے آیات کا مدنی سوروں کے آیات میں اور اس کے برعکس مدنی سوروں کے آیات کا مکی سوروں کے آیات میں داخل ہونا عند الکل مسلم ہے۔

اسی طرح دوسری قسم یعنی تحریف بمعنی زیادتی کے عدم وقوع پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مجمع البیان اور مقدمہ تفسیر بتیان پر علامہ طبرسی اور علامہ طوسیؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ اما الزیادة فیه فمجمع علی بطلانها یعنی قرآن مجید میں زیادتی کے بطلان پر تمام اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے۔ ہاں اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ تحریف بمعنی سوم میں ہے۔ یعنی کمی کے واقع ہونے یا واقع نہ ہونے میں برادران اسلامی شیعیان حیدر کرار۔ کو ہمیشہ مطعون کرتے رہتے ہیں کہ وہ موجودہ قرآن میں کمی کے قائل ہیں۔ لہٰذا ان کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اور اس قسم کے بہت سے بے جا الزامات و اتہامات کا انہیں مورد قرار دے کر اپنی آتش غیظ و غضب کو بجھاتے ہیں۔

ملحد و کافر و زندیق ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا حب حیدرؑ میں رکھا یا ہم نے

حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ ہم اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اسی کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور اسی کی تفسیریں لکھتے ہیں۔ اور اسی کے اکرام واحترام کو واجب ولازم اور اس کی ہتک حرمت کو ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ ائمہ ہدیٰؑ نے صحیح اور غلط حدیث معلوم کرنے کا معیار اسی قرآن کی مطابقت کو قرار دیا ہے۔ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں:

"کل شئی مردود الی الکتاب و السنة و کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف"

ہر چیز کو کتاب وسنت کی طرف لوٹا یا جائے گا۔اور ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق نہ ہووہ باطل ہے۔(اصول کافی)

نیز انہی حضرتؑ سے مروی ہے فرمایا:

''مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف''

جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہووہ باطل ہے۔(اصول کافی)

اور اسی قرآن کی تلاوت کے ثواب بیان فرمائے ہیں۔جن کا تھوڑا سا تذکرہ بعدازیں کیا جائے گا۔انشاءاللہ العزیز۔

موجودہ قرآن کی توثیق از ائمہ اہل بیت علیہ السلام

حضرات ائمہ طاہرین علیہ السلام نے بھی اسی قرآن کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ ارشادفرماتے ہیں:

''ما بین الدفتین کتاب اللہ'' جو کچھ دودفتیوں کے درمیان موجود ہے' یہ اللہ کی کتاب ہے۔(نہج البلاغہ)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اقرو اکما یقرئه النا س'' اسی طرح قرآن پڑھوجس طرح مسلمان پڑھتے ہیں (مقدمہ تفسیر صافی)

جناب امام علی نقیؑ فرماتے ہیں:

''اجمعت الامته قا طبة علی ان القرآن حق لاریب فیه القرآن حق لا اختلاف بینهم فی تنز یله و تصدیقه فاذ اشهد القرآن بتصدیق خبر و تحقیقه فانکم الخبر طائفة من الا مة الز مهم الا قرار به ضرورة''(احتجاج طبرسی)

''تمام امت اسلامیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے کہ جس میں ہرگز کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔قرآن برحق ہے' مسلمانوں کے اندراس کی تنزیل وتصدیق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔پس جب قرآن کریم کسی حدیث کی صحت کی شہادت دے اور باایں ہمہ امت کا کوئی گروہ اس حدیث کا انکار کرے تو

اس کے لئے یہ روا نہیں ہے بلکہ اسے اس کی صحت کا اعتراف کرنا لازم ہے''۔

ائمہ معصومینؑ نے اس قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس کی مخالفت کو کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''من خالف کتاب اللہ وسنة محمد فقد کفر ''جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔(اصول کافی)

اگر چہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ان فرمائشات کے بعد اس سلسلہ میں علماء اعلام کی تصریحات کی ضرورت تو نہیں رہتی۔ مگر منکرین کے اطمینان قلب کیلئے بعض اعلام کی تصدیقات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کا توضیحی بیان ہے جو انہوں نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں دیا ہے۔ جس میں سرکار موصوف نے بڑے پرزور طریقہ پر موجودہ قرآن کو کامل و مکمل اور منزل من اللہ بتایا ہے اور عقیدہ تحریف کی شدت کے ساتھ رد فرمائی ہے۔

دیگر شیعہ علمائے اعلام کی تصدیق

شیخ الفرقه المحقه جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ اپنے رسالہ اوائل المقالات میں رقمطراز ہیں:

"وقد قال جماعة من اهل الامامة انه لم ينقص من كلمة ولامن سورة و لكن حذف ما كان ثيتاً فى مصحف اميرالمومنين من تأويله و تفسير معانيه على حقيقة تنزيله..و عندى ان هذا القول اشبه من مقال من ادعى نقصان كلمه من نفس القرآن على الحقيقة دون التاويل واليه اميل ....واما الزيادة فيه فمقطوع على فسادها"

یعنی فرقہ امامیہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن میں کسی سورہ اور آیت بلکہ ایک حرف کی بھی کمی نہیں ہاں البتہ مصحف امیر المومنین علیہ السلام میں اس قرآن کی جو تفسیر و تاویل مذکور تھی۔ اسے حذف کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ قول اس قول سے بہتر ہے جس میں اصل قرآن سے بعض کلمات کا کم ہونا بیان کیا گیا ہے اور میرا میلان اسی کی طرف ہے اور قرآن میں کسی قسم کی زیادتی کے باطل ہونے کا تو قطعی یقین حاصل ہے۔

حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ کی اصل کتاب ہمارے پیش نظر نہیں ہے مگر ان کے تلمیذ رشید حضرت شیخ

الطائفہ طوسی نیز مفسر جلیل علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے ان کے نظریہ کی تفسیر بتیان اور مجمع البیان میں تصریح فرمائی ہے(و کفی بھما شاھدین عا دلین) کہ انہوں نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن میں کمی بیشی والے نظریہ کو باطل فرمایا ہے۔اسی ضمن میں فرمایا ہے:

" ان العلم بصحة نقل القرآن کا لعلم با لبلدان والحو ا دث الکبا ر وا لو قائع العظام والکتب المشھو رہ وا شعا ر العرب المسطورة"

موجود قرآن کی نقل کی صحت کا اسی طرح علم ویقین حاصل ہے جس طرح بعض دور دراز شہروں اور بڑے بڑے گذشتہ واقعات اور مشہور کتب اور عربوں کے لکھے ہوئے اشعار کا علم ویقین حاصل ہے''۔

حضرت شیخ الطائفہ اپنی تفسیر بتیان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اما الکلام فی زیادۃالقرآن و نقصانه فمما لا یلیق به لان الزیادۃ فیه مجمع علی بطلانھا واماالنقصان منه فالظاھر ایضاً من مذ ھب المسلمین خلافه و ھو الالیق بالصحیح من مذھبنا و ھو الذی نصرہ المرتضی و روایاتنا متناصرۃ بالحث علی قرائته والتمسك به ورد ما یرد من اختلاف الاخبار الیه۔ "

قرآن میں کمی بیشی کے متعلق کلام کرنا ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے(کیونکہ یہ فقط قرآن کی تفسیر ہے)اس لیے کہ قرآن میں زیادتی کے باطل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔باقی رہی کمی۔بظاہر مسلمانوں کا مذہب اس کے خلاف ہے۔اور یہی ہمارا مذہب ہے اور حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے بھی اسی نظریہ کی نصرت کی ہے۔

سرکار علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اما الز یادۃ فمجمع علی بطلانه اما لنقصان منه فقد روی جماعة من اصحابنا وقوم من حشویة العامة ان فی القرآن تغیراً ونقصاناً وا لصحیح من مذھب اصحابنا خلافه وھو الذی نصرہ المر تضی قدس سرہ و استوفی الکلام فیه غایة الاستیقاء فی

جواب المسائل الطرا بلسیات "۔

اس عبارت کا مطلب وہی ہے جو حضرت شیخ طوسیؒ کی عبارت کا ہے۔اسی طرح دیگر بہت سے علمائے اعلام مثل علامہ بلاغیؒ (درالاءلرحمن)۔علامہ السید ابوالقاسم الخوئی النجفی (مقدمہ تفسیر البیان) علامہ السید ابوالقاسم الرضوی القمیؒ وعلامہ السید علی الحائری (در تفسیر لوامع التنزیل)' علامہ السید علی نقی النقوی (در مقدمہ تفسیر قرآن) وغیرھم نے اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات رائقہ سے اس مطلب کو محقق و مبرہن فرمایا ہے شکر اللہ سعیھم۔ بہرحال شیعہ خیر البریہ تو ہمیشہ سے ببانگ دہل یہ کہتے آئے ہیں۔

جمال و نور قرآن نور جان ہر مسلمان ہے
قمر ہے چاند تاروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

ایک اشکال کا ابطال

مخالفین کی عیاری و مکاری بھی قابل تردید ہے۔جب انہیں ان اساطین مذہب کی تصریحات دکھائی جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اسلامی اصول کے مطابق اپنی افتراء پردازی سے دست بردار ہو جائیں اور اپنی غلط بیانی کا اقرار کرکے بارگاہ الٰہی میں تائب ہوں۔ الٹا وہ یہ راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں کہ علمائے شیعہ کے بیانات تقیہ پر مبنی ہیں۔ورنہ درحقیقت وہ تحریف کے قائل ہیں۔سبحان اللہ ھذا ابھتان عظیم۔

یہ بیان عقل ودانش اور عدل وانصاف سے کس قدر دور ہے۔اس امر کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جن کی نظریں ہمارے علمائے اعلام کی ان کتب پر ہیں جن میں انہوں نے یہ تصریحات فرمائی ہیں۔بھلا وہ علماء جو انہی کتب میں اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے ابطال پر دلائل و براہین کا انبار لگا رہے ہیں۔جنہوں نے مذہب شیعہ کی تائید اور دیگر مذاہب کی رد میں متعدد کتب لکھی ہیں۔وہ اور تو کسی مسئلہ میں تقیہ سے کام نہیں لیتے۔بس اگر انہیں تقیہ یاد آتا ہے تو صرف مسئلہ تحریف قرآن میں کہ اس میں اپنے حقیقی نظریات سے دست بردار ہو کر جمہور اہل سنت کی ہمنوائی اختیار کر لیتے ہیں۔اگر تقیہ کرتے تو مسئلہ خلافت میں کرتے اور ثلاثہ کی خلافت کا اقرار کر لیتے تاکہ باہمی چپقلش ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی۔یہ کیا الٹی منطق ہے کہ سب سے بڑے مہم اور نازک مسئلہ میں تو تقیہ کرتے نہیں اور اگر تقیہ کرتے ہیں تو بعض خفیف اور غیر اہم مسائل میں؟ یہی وہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔کہ شیعہ علماء محققین تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔اور نہ ہی ان علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان تقیہ پر مبنی ہے۔

بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت کی زبانی ہمارے مومن بالقرآن ہونے کی تصدیق

حافظ محمد اسلم صاحب جے پوری اپنی کتاب تاریخ القرآن صفحہ ۶۲ تا ۶۷ بذیل ''شیعہ اور قرآن'' شیعہ اکابر واساطین کے فرامین نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یہ ان علمائے شیعہ کے اقوال ہیں۔ جو اہل تشیع میں مقبول ومستند ہیں۔ اور ان اقوال میں نہ تاویل کی گنجائش ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جنہوں نے علمائے اہل سنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں۔ ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ اور ابو جعفر قمی کی کتاب الاعتقاد اور ملا محسن کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔ اس سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دیتے ہیں۔''

اسی طرح فاضل جلیل شیخ رحمت اللہ ہندی اپنی مشہور تصنیف اظہار الحق جلد ۲ صفحہ ۹۸ طبع بمبئی میں بعض اعلام شیعہ کا کلام حق ترجمان نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

" فظهر ان المذ هب المحقق عند علماء الفر قة الا ما مية الا ثنا عشر ية ان القرآن الذى انزله الله على نبيه هو ما بينالد فتين و هو ما فى ايد ى الناس ليس با كثرمن ذا لك وا نه كان مجمو عا مؤلفاً فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و حفظه و نقليه الوف من الصحا بة (الى قال) و بعض الا خبار الضعيفة التى رويت فى مذ هبهم لا ير جع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحته"۔

یعنی ان حقائق کے پیش نظر ثابت ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے علماء اعلام کے نزدیک جو نظریہ مسلم ہے وہ یہی ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ وہ یہی ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں کتابی شکل میں موجود ہے۔ اور یہ کہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن جمع ہو چکا تھا۔ جسے ہزاروں صحابہ نے حفظ ونقل کیا اور بعض ضعیف روایات جو ان (شیعہ) کے مذہب میں (تحریف کے سلسلہ میں) مروی ہیں

ان کی وجہ سے ایک ثابت شدہ حقیقت سے دست برداری اختیار نہیں کی جاسکتی۔ ع

خو شتر آں با شد کہ سر دلبر اں
گفتہ آید در حدیث دیگر اں

و ا لفضل ما شهدت به الا عد اء (فضیلت وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرے)۔ لیکن بایں ہمہ متعصب ملاعوام کالانعام میں ہمیشہ شب وروز یہی ڈھنڈورا پیٹا کرتے ہیں کہ شیعوں کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے؟ بلکہ وہ تحریف کے قائل ہیں۔

آہ کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

ہمیں معلوم ہے کہ ان کے اس اتہام وافتراء کے باطنی علل واسباب تو کچھ اور ہیں۔ لیکن اس کا ظاہری سبب وہ بعض روایات ہیں جو ہماری بعض کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہیں۔ اور بظاہر تحریف کا وہم پیدا کرتی ہیں۔

شیعہ روایات تحریف کا الزامی جواب

اگرچہ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور خود ہم اپنے بعض علمی مضامین میں اس کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہماری ان روایات کی وجہ سے ہمیں قائل تحریف اور منکر قرآن قرار دینا صحیح ہے؟ تو پھر کسی طرح بھی خود برادران اسلامی اس الزام سے اپنی گلوخلاصی نہیں کراسکتے۔ اور نہ وہ ہرگز مومن بالقرآن کہلاسکتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی بکثرت روایات ان کے ہاں بھی موجود ہیں۔ ہم ذیل میں بطور نمونہ مشتے از خروارے۔ ان کی بعض روایات کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہیں تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آجانے کے بعد باانصاف ناظرین کرام کو حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے میں کوئی دقت وزحمت نہ ہو اور یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

روایات اہل سنت سے قرآنی سوروں میں تحریف:

تفسیر اتقان مولفہ علامہ جلال الدین سیوطی ج ۲ ص ۲۵ مطبع ازہر مصر میں ام المومنین عائشہ سے مروی ہے:

" قالت كا نت سورة الا حز اب تقر أ فی زمن النبی ماً یتی ایةٍ فلما
كتب عثمان المصا حف لم نقدر منها الا علی ماهو الان........"

''سورہ احزاب کی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوسو آیتیں پڑھی جاتی تھیں۔مگر جب عثمان نے قرآن لکھے تو ہمیں صرف اسی قدر آیتیں دستیاب ہوئیں۔۔۔جواب موجود ہیں۔ جوکل تہتر ہیں باقی ایک سوستائیس آیات غائب ہیں''۔(کذا فی تفسیر الدّ رالمنثو رجلد ۵ صفحہ ۱۸۰ طبع مصر میں بھی اسی طرح ذکر ہے)۔

اسی طرح تفسیر اتقان کے صفحہ ۲۵ جلد ۲ ذر بن حبیش سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب نے مجھ سے دریافت کیا''کا ین تعد سورة الا حز اب''۔آج کل موجود قرآن میں سورہ احزاب کی کس قدر آیات شمار ہوتی ہیں؟

میں نے کہا اثنتین و سبعین آیة او ثلا ثه و سبعین آیته۔بہتر یا تہتر آیتیں ہیں۔

اس پرانہوں نے کہا''ان كا نت لتعدل سورة البقرة''۔کہ(عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں)یہ سورۃ بقرہ کے برابر ہوتی تھی۔ و انا كناّ لنقر افیها اية الرجم اور ہم اس میں آیت رجم بھی پڑھتے تھے۔

قلت وما آیة الر جم؟ میں نے کہا وہ آیت رجم کیا تھی؟

کہا وہ یہ ہے'اذازلی الشیخ وا لشیخة فارجموهما البتة نكالا من الله والله عز یز حكیم ''۔

تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۰۸ طبع مصر میں بحوالہ کتب معتبرہ جناب حذیفہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"قال التی تسمون سورة التوبة هی سورة العذاب والله ما ترك
احد ا الا نالت منه ولا تقرأون منها مما كنا نقرأ الا ربعها "۔

فرمایا وہ سورہ جسے تم سورہ توبہ کہتے ہو۔وہ تو سورہ عذاب ہے۔بخدا اس نے ہم میں سے کسی کو بھی سلامت نہیں چھوڑا۔اس میں ہر شخص کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور نازل ہوا۔جس قدر ہم اس کی مقدار پڑھتے تھے تم تو اس کا صرف چوتھا حصہ پڑھتے ہو۔

روایات اہل سنت سے قرآنی آیات میں تحریف

برادران اسلامی کی کتب تفسیر وحدیث میں بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے آیات قرآنیہ میں تحریف وتغیر ثابت ہوتی ہے۔ بطور نمونہ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) موجوہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (سورہ بقرہ آیت۔۲۳۸)

مگر حضرات کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ درمنثور جلد اول صفحہ ۳۰۲ میں کتب متعددہ کے حوالہ سے علامہ سیوطی نے عمرو بن رافع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

''کنت اکتب مصحفا لحفصة زوج النبی فقالت اذا بلغت هذه الآية فاذنی حافظوا علی الصلوات والصلواة الوسطی فلما بلغتها اذنتها فاملت علی حافظوا علی الصلوات و الصلواة الوسطی و صلواة العصر و قوموا لله قانتين وقالت اشهد انی سمعتها من رسول الله''۔ میں جناب حفصہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کی کتابت کرتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تم آیت حافظو علی الصلواۃ پر پہنچو تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ جب اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو اطلاع دی انہوں نے اس آیت کو اس طرح لکھوایا حا فظو اعلی الصلوات وا لصلوة الو سطی وصلوة العصر اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ سے اس آیت کو اسی طرح سنا ہے لیکن موجودہ قرآن میں ''وصلوۃ العصر'' کی لفظ موجود نہیں ہے۔

کتاب مذکور کے مذکورہ بالا صفحہ پر جناب عائشہ کے کاتب قرآن ابی یونس سے بھی بعینہ یہی روایت منقول ہے۔

۲۔ موجودہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ''(سورہ مائدہ ۶۷)

مگر ان حضرات کی کتب تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تحریف واقع ہوئی ہے چنانچہ تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ طبع مصر پر علامہ سیوطی نے جناب ابن مسعود سے روایت کی ہے فرمایا:

''کنا نقرء علی عهد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلمیا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك ان علیا مو لی المو منین وان لم تفعل فما بلغت رسالته''۔ لیکن آج کل جملہ ''ان علیا مولی المومنین'' ندارد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے ساقط کر دیا گیا ہے۔

۳۔ تفسیر اتقان جلد ۲ ص ۲۵ طبع مصر اور تفسیر درمنشور ج ۵ ص ۱۸۰ پر متعدد روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے آیۃ رجم خارج کردی گئی۔

ابی بن کعب کہتے ہیں۔''كنا نقرأ فيها آيةالر جم قلت و ما آية الر جم قال اذ ا ز انی الشيخ وا لشيخة فارجمو هما البتة نكا لا من الله و الله عزيز حكيم ''۔یعنی ہم اس سورہ (احزاب) میں آیت رجم بھی پڑھتے تھے۔

میں (ذر بن حبیش) نے کہا آیت رجم کون سی آیت ہے؟

کہا ''اذا زانی الشیخ والشیخة'' جس وقت بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کرے تو انہیں سنگسار کر دو۔ یہ خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے ان کے اس جرم کی پاداش ہے۔لیکن موجودہ قرآن مجید میں آیت رجم کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا''۔

۴۔ موجودہ قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ اس طرح ہے''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؀ ''(سورہ احزاب ۵۶)

لیکن روایات اہل سنت سے مترشح ہوتا ہے کہ اس آیت میں تحریف ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۵ اور تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۰ پر کئی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عائشہ و حفصہ کے مصاحف میں اس آیت کا تتمه قبل ان يغيّر عثمان المصاحف قبل اس سے کہ جناب عثمان مصاحف کو متغیر کریں یوں تھا۔والذین یصلون الصفوف الاول۔مگر آج یہ تتمہ ندارد ہے۔

۵۔ موجودہ قران میں یہ آیت اس طرح ہے''وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ'' (سورہ احزاب ۲۵)

لیکن حضرات کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت اصل میں یوں تھی كفى الله المو منين القتال بعلى ابن ابی طالب (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۹۲) مگر موجودہ قرآن میں اس آیت کے اندر حضرت امیر علیہ السلام کا اسم گرامی موجود نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عمداً حذف کر دیا گیا ہے یہاں اسی مختصر مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اند کے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم کہ
دل آز ر دہ شوی ور نہ سخن بسیا را ست

ان حقائق کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو جاتا ہے کہ برادران اسلامی کے

نزدیک قرآن مجید محرف ومبدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے:'' لا یقولن احد قد اخذت القران کله و ما یدریه ماکله قد ذهب منه قرآن کثیر '' ہرگز کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن حاصل کرلیا ہے۔ اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا؟ قرآن کا اکثر حصہ تو تلف ہوگیا۔ (تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۵) لیکن بایں ہمہ ان حضرات کے شرم وحیا کی داد دینی چاہیے کہ بایں ہمہ وہ پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن ناقص ہے اوران کا اس پر ایمان نہیں ہے۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ

این چہ بو العجبی است

دوٹوک فیصلہ

یہ حضرات ہماری چند روایات دیکھ کر ہمیں تحریف قرآن کا الزام دیتے ہیں۔ اب ہم ان کی ان روایات کی روشنی میں ان کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ جو جواب تم اپنی روایات کا دوگے۔ وہی جواب ہماری طرف سے ہماری روایات کا سمجھ لو۔ اگر تم اپنی روایات پر ضعیف الاسناد ہونے کا فتوی صادر کرکے انہیں ناقابل اعتماد قرار دو تو ہماری روایات کو بھی ایسا ہی سمجھو۔ اور اگر ان اضافوں کی جو ان روایات میں مروی ہیں تفسیری وتوضیحی بیانات پر محمول کرو تو ہماری روایات کا بھی یہی مفہوم سمجھو۔ جیسا کہ حضرت شیخ صدوقؒ نے رسالہ اعتقادیہ میں ان روایات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ ع

بس اک نگاہ پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا ؟

ایک تاویل علیل کا ابطال

متعصب ملاؤں کا یہ پرانا وطیرہ ہے کہ جب ان کے بے بنیاد اعتراض کے جواب میں الزامی طور پر ان کی مذکورہ بالا یا ان جیسی دیگر روایات پیش کرکے ان کا ناطقہ بند کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان سے ان روایات کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑتا۔ تو وہ فوراً نسخ کا سہارا لیتے ہوئے اپنی گلوخلاصی کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات منسوخ ہوچکی ہیں اور یہ روایات نسخ پر محمول ہیں ان کی یہ تاویل چندوجہ سے ناقابل قبول اور علیل ہے۔

اولاً ۔ اس لئے کہ خود ان کی روایات میں ایسی ایسی تصریحات موجود ہیں۔ جو نسخ والی تاویل کا قلع قمع کرتی ہیں۔ کیونکہ ''نسخ'' فقط عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نزول قرآن کے وقت ہی متصور ہوسکتی ہیں۔

کمالا یخفی ۔چنانچہ تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۶ طبع مصر پر لکھا ہے۔''غیر جائز نسخ شئی من القرآن بعد و فاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''یعنی آنحضرت کی وفات کے بعد نسخ قرآن جائز نہیں ہے۔ مگران روایات کے اندر تصریح موجود ہے کہ جناب عائشہ وحفصہ فلاں آیت کو اس طرح پڑھتی تھیں اور اسی طرح اپنے مصاحف میں لکھواتی تھیں۔اور شہادت دیتی تھیں کہ عہد رسالت میں اسی طرح یہ آیات پڑھی جاتی تھیں اسی طرح بعض صحابہ کرام کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ فلاں آیت جناب عثمان کے تغیر وتبدیل سے پہلے اس طرح پڑھی جاتی تھی اہل انصاف بتائیں کہ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے''نسخ'' والا سہارا کس طرح مفید مطلب ہو سکتا مگر سچ ہے الغریق یتشبث بکل حشیش۔یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

ثانیاً ۔اس لئے کہ''نسخ '' کے چند قواعد وضوابط ہیں۔جب تک وہ نہ پائے جائیں کسی آیت کے منسوخ ہونے کا نظریہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔یہ دھاندلی کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ جس آیت کے متعلق چاہا''نسخ '' کا فتوی صادر کر دیا۔علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تفسیر اتقان جلد ۲ ص ۲۴ طبع مصر میں نسخ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''انما یر جع فی النسخ الی نقلٍ صر یح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوعن صحابی یقول انہ کذ انسخت کذ ا''یعنی نسخ کے سلسلہ میں فقط جناب رسول خدا کی کسی صریح حدیث یا کسی صحابی کے ایسے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ جس میں اس نے وضاحت کی ہو کہ فلاں آیت نے فلاں آیت کو منسوخ کیا ہے''

پھر فرماتے ہیں:

'' ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتہا د المجتھدین غیر نقل صحیح والا معا ر ضۃ بینۃ لان النسخ یتضمن رفع حکم واثبات حکم تقرر فی عھدہ صلی اللہ علیہ و سلم والمعتمد فیہ النقل والتا ریخ دون الرائے والا جتھاد''۔یعنی نسخ کے سلسلہ میں عام مفسرین کے قول بلکہ مجتہدین کے اجتہاد کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔جب تک اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا اس آیت کے معارض کوئی بینہ موجود نہ ہو کیونکہ نسخ ایک حکم کے اٹھنے اور عہد نبوی میں اس کی جگہ دوسرے حکم کے مقرر ہونے کا نام ہے لہٰذا اس سلسلہ میں فقط نقل صریح اور تاریخ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔نہ رائے واجتہاد پر۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ جب تک کسی آیت کے منسوخ ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی صحیح السند حدیث پیش نہ کی جائے۔ اس وقت تک فقط بعض مفسرین ومناظرین بلکہ مجتہدین کے اقوال پر بھی ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اگر ہماری پیش کردہ ان الزامی روایات کے متعلق یہ حضرات مدعی ہیں کہ وہ منسوخ ہیں تو وہ اس سلسلہ میں کوئی صریح وصحیح حدیث نبوی پیش کریں۔ ثالثاً۔ ارشاد قدرت ہے ”مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا“ (سورہ بقرہ......۱۰۶) جب بھی ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لاتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص ظاہر ہے کہ جس قدر آیتیں منسوخ ہوں اتنی ہی ناسخ موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا نسخ کے دعویداروں پر لازم ہے کہ اگر وہ دعوائے نسخ میں سچے ہیں تو ناسخ آیات پیش کریں۔ ہمیں گو ہمیں میدان۔ لیکن اگر وہ یہ ثابت نہ کرسکیں اور نہ ہی کرسکتے ہیں۔ تو پھر انہیں اپنے دعوی بلا دلیل سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔

بعض علماء کے قائل تحریف ہونے سے پورے مذہب کا قائل ہونا لازم نہیں آتا

ہاں یہ درست ہے کہ ہمارے بعض علماء کرام تحریف کے قائل ہیں۔ لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ کسی اختلافی مسئلہ میں کسی مذہب کے بعض علماء کا نظریہ خصوصاً جب کہ وہ اکابر علماء مذہب کے نظریہ سے متصادم ہو۔ اسے پورے مذہب کا نظریہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور جو علماء کرام اس نظریہ کے قائل ہیں وہ بھی اپنے اس نظریہ کی صحت پر دلائل رکھتے ہیں۔ ذیل میں ان کے چند ادلہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

قائلین تحریف کی پہلی دلیل

اس سلسلہ میں ان کی پہلی اور محکم دلیل وہ روایات ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق کتب فریقین میں موجود ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جمع قرآن کے وقت اس میں فی الجملہ ضرور کچھ کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ روایات اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان سب کا انکار کرنا مشکل ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے مراۃ العقول میں ان کے تواتر کا ادعا فرمایا ہے اور اس قدر صریح الدلالہ ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی گنجائش کم ہے۔

دوسری دلیل

جمع قرآن کی وہ کیفیت جو کتب سیر وتواریخ میں مذکور ہے کہ پہلے پہل مسلمانوں کے پہلے خلیفہ کے حکم سے یہ اہم کام زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا۔ اور اسے حکم دیا گیا کہ مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھا کریں اور

لوگوں میں اعلان کرایا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو۔ وہ زید کے پاس لائے اور شرط یہ مقرر کی گئی کہ جو شخص دو گواہ پیش کردے۔ اس کے لائے ہوئے اجزاء لے کر قرآن میں درج کرلئے جائیں۔ چنانچہ اسی التزام کے مطابق قرآن کریم جمع کیا گیا اور کچھ اجزاء جو ہڈیوں' کھجوروں کی شاخوں' گتوں اور کاغذوں پر لکھے ہوئے تھے وہ جمع کرلئے گئے۔ (تفسیر اتقان ج ا ص ٦٠)

اسی طرح خلیفہ سوم کے عہد میں اس جمع کردہ قرآن میں معمولی تقدیم وتاخیر اور قرأت میں اصلاح کے بعد اسے دوبارہ مرتب کیا گیا۔ جو غیر جانبدار شخص بھی جمع وترتیب کی یہ کیفیت ملاحظہ کرے گا اسے ظن غالب بلکہ یقین کامل ہوجائے گا کہ اس طرح کچھ نہ کچھ حصہ ضرور جمع ہونے سے رہ گیا ہوگا۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی کے پاس جمع شدہ کچھ مقدار ہو۔ مگر اس نے اپنا جمع کردہ حصہ ان حضرات کے حوالہ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو جس طرح جناب عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا اپنا قرآن دینے سے انکار کرنا ثابت ہے اسی طرح ام المومنین عائشہ نے بھی اپنے مصحف نہیں دیئے تھے نیز ممکن ہے کسی کے پاس کچھ اجزا قرآن مجید ہوں۔ مگر اسکی قرآنیت پر اس کے پاس دو گواہ موجود نہ ہوں۔ اسلئے اس کا لایا ہوا جز قبول نہ کیا گیا ہو۔

اسی طرح تفحص وتلاش کا جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا قرین عقل ہے کہ اس سے قرآن کے بعض اجزاء باوجود تلاش وتتبع کے دستیاب نہ ہوئے ہوں۔ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے مواقع پر ایسا ہوتا ہے بالخصوص جب کہ وہ شخص جو اس جمع وترتیب کا متصدی ہے غیر معصوم ہو۔

تیسری دلیل

کسی شخص کی جمع کردہ چیز پر اسی وقت یہ وثوق ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوگا جب کہ اس کے جامع کا ایمان وایقان ایسا مسلم ہو کہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو اور اس شخص کی اس جمع وترتیب سے سوائے دین اسلام کی خدمت کے اور کوئی غرض وغایت وابستہ نہ ہو۔ لہٰذا جن لوگوں کو ان جامعین قرآن کے ایمان میں ہی کلام ہے اور ان کے مساعی وجہود کو کسی جذبہ دینی پر محمول کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ وہ اس جمع وترتیب کو ان کے دنیوی اغراض ومقاصد پر محمول کرتے ہیں۔ اگر وہ اس میں کچھ کمی کے قائل ہوں بھی تو وہ معذور ہیں۔

باقی رہا یہ خیال کہ اس طرح موجودہ قرآن سے اعتماد اٹھ جائے گا تو یہ خیال غلط ہے کیونکہ یہ اعتماد اس لئے ختم نہیں ہوتا کہ حقیقی محافظان اسلام وقرآن یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس کے قرآن ہونے کی تصدیق کردی ہے اور جہاں جہاں جامعین نے مزعومہ تحریف کی تھی ان مقامات کی نشاندہی بھی فرمادی ہے۔ لہٰذا اس نظریہ کے قائل بھی موجودہ قرآن پر دوسرے مسلمانوں کی طرح ایمان رکھتے ہیں۔

چوتھی دلیل

چونکہ پہلی امتوں میں آسمانی کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ ''جو کچھ بھی پہلی امتوں میں واقع ہوا ہے۔ بعینہ وہ میری امت میں بھی واقع ہو گا۔'' (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۴۔۵۶، در منثور جلد ۵ صفحہ ۴، نہایہ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۰ وغیرہ) لہٰذا اس عمومی مشابہت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس امت میں بھی آسمانی کتاب میں کچھ تحریف واقع ہو۔

پانچویں دلیل

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کے خلیفہ اوّل ودوم اور بالخصوص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مجید موجود تھا۔ تو اس کی موجودگی میں جناب خلیفہ ثالث کو از سر نو اس کے جمع کرنے کی کیا ضرورت در پیش آئی تھی؟ اور اپنے جمع کردہ مصحف کو رائج کرنے میں اس قدر مبالغہ سے کام کیوں لیا تھا کہ باقی تمام جمع کردہ نسخے (سوائے حضرت امیر علیہ السلام کے نسخے کے) نذر آتش کرا دیئے تھے (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۷۴۶ طبع دہلی تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۱) اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جامع قرآن کی کوئی خاص غرض پوشیدہ تھی جس کے تحت اس قدر اہتمام کیا گیا تھا اور وہ غرض قانون شریعت کی کتاب میں تحریف وتغییر کر کے دین اسلام کو متغیر ومتبدل کرنا ہی ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی دلیلیں یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یہاں ان دلائل کی صحت وسقم سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کے یہاں ذکر کرنے سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جو حضرات اس نظریہ کے قائل ہیں وہ بھی کچھ دلائل رکھتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ محض بے دلیل نہیں ہے اور یہ کہ ان کے اس نظریہ سے کسی اسلامی مسلمہ عقیدہ کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی۔ کما لا یخفی۔

نظریہ تحریف کے ابطال پر دو آیتوں کے ساتھ غلط استدلال

نظریہ تحریف کے ابطال پر دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں آیت یہ ہے

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (سورہ حجر آیت۔۹)

(ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

جب خداوند عالم قرآن کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے تو کون شخص اس میں کچھ تحریف اور تغیر کر سکتا ہے؟

تحریف کے ابطال پر قطع نظر تحریف والے نظریہ کے غلط صحیح ہونے کے اس آیت مبارکہ کے ساتھ تمسک کرنا چند وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

اوّلاً ۔ قرآنی اصطلاح میں ''ذکر'' کا اطلاق جس طرح قرآن پر ہوا ہے ''اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (سورہ انعام ...... ۹۰)'' اسی طرح اس کا اطلاق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات پر بھی ہوا ہے ''قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا ...... (سورہ طلاق ۱۰، ۱۱)'' لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں ذکر سے مراد پیغمبر اسلامؐ کی ذات والا صفات ہو کہ خداوند عالم شرِ اعداء سے ان کی حفاظت وحراست کا وعدہ فرمارہا ہے ۔ (وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورہ مائدہ آیت ۔ ۶۷) اسی بنا پر آیت مبارک ''فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ '' (سورہ نحل آیت ۔ ۴۳) میں وارد شدہ لفظ ''اَهْلَ الذِّكْرِ '' سے مراد اہل رسولؐ لئے جاتے ہیں ۔ بنابریں اس آیت کو ہمارے متعلقہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہتا ۔ اور وہ موضوع سے بالکل اجنبی قرار پاتی ہے ۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۷ ۲۵۷ طبع مصر) میں مذکور ہے کہ بعض علماء اہل سنت مثل فراء اور ابن انباری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ۔

ثانیاً ۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہاں ''ذکر'' سے مراد قرآن مجید ہی ہے تو غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس سے مراد قرآن مجید کے تمام افراد ہیں؟ یا اس سے مراد مطلق قرآن ہے؟ (جو کہ ایک فرد کے ضمن میں بھی متحقق ہو سکتا ہے) پہلی شق تو یقینا غلط ہے ۔ کیونکہ جناب عثمان کا قرآن کے نسخوں کو جلانا (بخاری شریف وغیرہ) اور ولید کا قرآن کے نسخوں کو تیروں کا نشانہ بنانا (ادب والدین والدنیا وغیرہ) مسلمات میں سے ہے ۔ اسی طرح طباعت واشاعت میں اغلاط کا رہ جانا بھی بالمشاہدہ ثابت ہے ۔ نیز کئی دفعہ قرآن اتفاقاً جل بھی جاتے ہیں کسی اور طریقہ سے تلف بھی ہو جاتے ہیں ۔ اگر قدرت کاملہ نے ہر ہر فرد کی حفاظت کا وعدہ کیا ہوتا تو پھر کوئی شخص کسی قرآن کے ساتھ بے ادبی نہ کر سکتا اور نہ خود بخود ایسا ہوتا ۔

پس ماننا پڑے گا کہ اس امر سے مراد مطلق قرآن (قرآن کلی) ہے لہٰذا اگر قرآن کا ایک فرد بھی اس تحریف سے محفوظ ہے تو وعدہ خداوندی پورا ہے اور قائل تحریف کہہ سکتا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن اس وعدۂ الٰہیہ کی عملی تصویر ہے جو موجود ہے اور ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے ۔ ہاں البتہ جو تحریف کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن مجید اور موجودہ قرآن کریم میں صرف اس قدر فرق تھا کہ آنجنابؑ کا جمع کردہ کلام پاک ترتیب نزول کے مطابق تھا جب کہ موجودہ کلام پاک اس کے مطابق جمع نہیں کیا گیا ۔ دوسرے یہ کہ اس قرآن میں تنزیل کے ساتھ ساتھ اس کی تاویل بھی مذکور تھی جو کہ موجودہ قرآن میں نہیں ہے ۔ اسی بنا پر ابن سیرین کہا کرتا تھا کہ ''اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مجید دستیاب ہو جاتا تو علم کا ایک ذخیرہ مل جاتا ۔'' (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۴ طبع مصر) واللہ العالم ۔

ثالثاً۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس حفاظت خداوندی سے مراد کیا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ کوئی شخص دلائل وشبہات سے قرآن کی حقانیت وصداقت کو نہیں جھٹلا سکے گا کیونکہ الحق یعلو ولا یعلی علیہ اور بفضلہ تعالیٰ یہ امر عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔ کہ صدیاں گذر گئیں اور باوجود قرآن کے چیلنج کے آج تک کوئی شخص بھی اس کی ایک آیت کا مثل نہیں لا سکا پس بموجب اذا قام الا حتما ل بطل الاستدلال اس آیت کے ساتھ تحریف قرآن کے ابطال پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس کا اعتراف کرلیا ہے۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی نے قاضی باقلانی کے اس آیت کے ساتھ نفی تحریف پر کئے ہوئے استدلال کو بایں الفاظ ''احتج القاضی بقولہ انا نحن علی فساد قول بعض الامامیۃ'' ذکر کرکے اس استدالال کی رکاکت وکمزوری پر ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ کی ہے:

''و ھذ ا الا ستد لال ضعیف لا نہ یجری اثبات الشئی بنفسہ''۔ یہ استدلال ضعیف ہے کیوں کہ یہ مصادرہ علی المطلوب یعنی دعویٰ کو دلیل قرار دینے کو مستلزم ہے جو کہ باطل ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۵۸ طبع مصر)

بعدازیں اس استدلال میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟

دوسری آیت یہ ہے ''وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝۴۲ (سورہ حٰم سجدہ) اور یہ قرآن تو یقینی ایک عالی رتبہ کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے ہی پھٹک سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے اور خوبیوں والے دانا خدا کی بارگاہ سے نازل ہوئی ہے (ترجمہ فرمانؒ)

اس سلسلہ میں اس آیت مبارکہ سے بھی تمسک کرنا صحیح نہیں ہے۔

اولاً ۔اس لئے کہ اس پر بھی وہی ایراد وارد ہوتا ہے جو پہلی آیت پر دوسرے نمبر میں وارد کیا گیا ہے کہ اس سے مراد قرآن کے تمام افراد ہیں یا بعض؟ تمام افراد تو مراد لئے نہیں جا سکتے ہیں۔لہٰذا بعض مراد لینے پڑیں گے تو وہ ایک قرآن کے صحیح ہونے کی صورت میں بھی صادق ہے۔

ثانیاً ۔اس باطل سے مراد کیا ہے جو اس قرآن میں راہ نہیں پا سکتا اگرچہ تحریف بھی امر باطل ہے۔لیکن عین ممکن ہے کہ قرآن کے آگے پیچھے سے باطل کے نہ آنے کا یہ مطلب ہو کہ اس کی گذشتہ یا آنے والی اخبار میں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جو قرآن کیلئے موجب بطلان ہو۔ (مجمع البیان وکذا فی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۸۴ طبع ایران)

اور ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ نہ پہلی آسمانی کتب اس کتاب کی تکذیب کرتی ہیں اور نہ بعد میں کوئی ایسی کتاب وشریعت آئے گی جو اسے جھٹلائے اور اس کے احکام کو منسوخ قرار دے۔جیسا کہ تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

"لايأيته الباطل من قبل التورة ولا من قبل الانجيل والزبور و لا من خلفه اى لا ياتيه من بعده كتاب يبطله"۔

لہٰذا ان وجوہ سے معلوم ہو گیا۔کہ یہ آیت مبارک بھی تحریف کی نفی پر قطعی دلالت نہیں کرتی (ایسا ہی تفسیر کبیر رازی جلد ۷ صفحہ ۶۳ ۳ طبع مصر پر بھی مذکور ہے)۔

ایک وہم کا ازالہ

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس طرح تحریف کا قول اختیار کرنے سے قرآن سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور تمام قرآن مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔اس وہم کا اوپر بھی اجمالاً ازالہ کیا جا چکا ہے۔اور ایک بار پھر واضح کیا جاتا ہے کہ اگر تحریف کا اس طرح اعتقاد رکھا جائے جس میں مقامات تحریف کی تعیین ونشاندہی نہ کی گئی ہو تو بے شک اس طرح یہ اعتقاد پوری کتاب کو مشکوک اور غیر معتبر بنانے کا سبب بن سکتا ہے۔لیکن اگر یہ نظریہ اس طرح اختیار کیا جائے کہ موارد تحریف اور تحریف کی نوعیت کا کسی طرح علم ہو جائے تو اس سے باقی ماندہ حصص واجزاء کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اور جو بعض علماء تحریف کے قائل ہیں ان کے نظریہ کی یہی کیفیت ہے۔

روایات تحریف دو قسم کی ہیں۔ایک وہ جن میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے اور دوسری قسم میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ کن سورتوں اور آیتوں میں کس قسم کی تحریف کی گئی ہے مثلاً یہ کہ فلاں جگہ سے فلاں نام ساقط کیا گیا اور فلاں جگہ سے فلاں جملہ حذف کیا گیا وعلی ہذا القیاس۔

اس طرح باقی ماندہ حصہ پر اعتماد بحال رہتا ہے۔خصوصاً جب کہ موجودہ قرآن کی تصدیق وتوثیق ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی کر دی ہو جیسا کہ اس مبحث کی ابتداء میں ان کی توثیق وتصدیق پیش کی جا چکی ہے۔اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ (سورہ مزمل آیت۔۱۹)۔

آٹھواں مقدمہ

قرآن کے سات حرفوں پر نازل ہونے کی تشریح اور اس کا ابطال

برادران اسلامی میں مشہور ہے اور ہماری بعض روایات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ان القرآن نزل علی سبعة احرف کلها کاف شاف"

یعنی قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جن میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔

اس حدیث شریف کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں علماء اسلام کے درمیان بہت اختلاف واقع ہوا ہے۔ فاضل سیوطی نے اپنے رسالہ تحبیر میں پندرہ قول نقل کئے ہیں اور بقول صاحب حدیقہ سلطانیہ بعض علماء اہل سنت نے اس کے متعلق چالیس قول نقل کئے ہیں ان میں زیادہ مشہور دو قول ہیں ایک یہ کہ سبعہ احرف سے مراد قراء سبعہ کا اختلاف قرأت ہے دوسرا یہ کہ اس سے مراد اختلاف لغت ہے۔ یعنی قرآن مجید عرب کے مختلف لغات پر نازل ہوا ہے۔ کچھ قریش کی لغت پر، کچھ ہذیل، کچھ ہوازن اور کچھ یمن وغیرہ کی لغت پر۔ بنا بر صحت حدیث ہماری بعض احادیث میں اس کے ایک اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''قرآن سات اقسام پر نازل ہوا ہے اور وہ سات اقسام یہ ہیں۔ امر زجر، ترغیب، ترهیب، امثال، جدل، اور قصص (حدیقۂ سلطانیہ)''۔ اس مفہوم کی تائید برادران اسلامی کی بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

" کل الکتب تنزل من باب واحد و نزل القراٰن علی سبعة احرف، زجر و امر و حلال و حرام و محکم و متشابه و امثال"

یعنی سابقہ آسمانی کتابیں ایک ہی قسم پر نازل ہوتی تھیں۔ مگر قران سات اقسام پر نازل ہوا ہے اور وہ اقسام یہ ہیں زجر، امر، حلال حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول بعض روایات میں ''سبعہ احرف'' کی تاویل سبعة ابطن کے ساتھ بھی کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں اور دوسرے باطنی معنی اور پھر باطن کا باطن وعلی ھذا القیاس

اس کے سات باطن ہیں۔

مگر ہماری روایات معتبرہ میں اس نظریہ کو رد کیا گیا ہے اور یہ تصریح کی گئی ہے کہ قرآن ایک حرف پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ صحیحہ فضیل بن یسار میں وارد ہے کہ انہوں نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے کہ آپ نے سن کر فرمایا: دشمنان خدا جھوٹ کہتے ہیں قرآن ایک ہی حرف پر نازل ہوا ہے اور بروایت زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

"ان القرآن واحد نزل من عند واحد والکن الا ختلاف یجئی من قبل الرواۃ"۔

قرآن ایک ہے اور ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں جو اختلاف (الفاظ و قرات) پایا جاتا ہے۔ وہ راویوں اور قاریوں کی طرف سے ہے''۔

یہی نظریہ ہمارے علماء اعلام میں مشہور و معروف ہے چنانچہ شیخ الطائفہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ مقدمہ تفسیر بتیان میں فرماتے ہیں-واعلمواان المعروف من مذھب اصحابناواشائع من اخبارھم ورواياتھم ان القرآن نزل بحرف واحد علی نبی واحد۔ ہاں البتہ قرآن کے سات اقسام کا ہونا یا اس کے سات بطنوں کا ہونا دوسری احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی بہت سی روایات مزاۃ الانوار اور تفسیر برھان وغیرہ میں موجود ہیں-واللہ العالم بحقائق الامور۔

نواں مقدمہ

تمسک بالقرآن اور اختلاف روایات کے وقت ان کو قرآن پر پیش کرنے کا حکم

حضرت رسولخداؐ سے مروی ہے فرمایا:

فاذالتبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن فانه شافع مشفع وماحل مصدق ومن جعله امامه قاده الی الجنة ومن جعله خلفه ساقه الی النار وھو لدلیل یدل علی خیر سبیل وھوکتاب فیه تفصیل وبیان وتحصیل وھول افصل ولیس بالھذل ولھظھر وبطن فظھرہ حکم وباطنه علم

ظاهره انیق وباطنه عمیق له تخوم وعلی التخوم تخوم لاتحصی عجائبه ولا تبلی غرائبه فیه مصابیح الهدی ومنارالحکمة ودلیل علی المعرفة لمن عرف الصفة۔

جب تمہارے اوپر فتنے تاریک رات کی طرح چھاجائیں توتم پر دامن قرآن مضبوطی سے پکڑنا لازم ہے۔کیونکہ وہ شفاعت کرنے والا مقبول الشفاعہ ہے اور(اپنے اوپر عمل کرنے والوں کے حق میں) جھگڑا کرنے والا ہے کہ وہ جو کچھ کہے گا اس کی تصدیق کی جائے گی جو شخص قرآن کو اپنا قائد بنائے گا وہ اسے کھینچ کر جنت کی طرف لے جائے گا اور جو اسے پس پشت ڈالے گا۔ یہ اسے دوزخ کی طرف ہانک کرلے جائیگا۔ یہ وہ ہادی ورہبر ہے جو بہترین راستہ (اسلام) کی طرف ہدایت کرتا ہے یہ وہ کتاب ہے۔جس میں ہرشئی کا تفصیلی بیان موجود ہے۔یہ سراسر حق وحقیقت ہے اس میں تمسخر ومذاق نہیں ہے۔اس ظاہر ہے اور باطن بھی اس کا ظاہر حکم ہے اور باطن علم ہے۔اس کا ظاہر خوش آئند ہے اور باطن بہت گہرا ہے اس کی ایک انتہا ہے اور اس کی انتہا ہے۔اس کے عجائبات کا شمار نہیں ہوسکتا اور اس کے غرائب کبھی کہنہ نہیں ہوتے۔اس میں رشد وہدایت کی کنجیاں ہیں اور حکمت کے منارے ہیں جو معرفت حاصل کرنے کے طریقہ کار سے آگاہ ہو اس کیلئے یہ معرفت کا راہبر ہے۔(اصول کافی،عیاشی،صافی)۔

متواتر حدیث ثقلین اسی سلسلے جلیلہ کی ایک اہم کڑی ہے جس میں قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کی تاکید مزید کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل درآمد کیا جائے اور اس کے نواہی سے دامن کو بچایا جائے۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''جب قیامت کا دن ہوگا اور انبیاء ومرسلین ملائکہ مقربین اور تمام اوّلین وآخرین موجود ہوں گے تو قرآن مجید ایک دلکش اور خوبصورت شکل میں آئے گا اور جب مسلمانوں کے پاس سے گزرے گا تو وہ خیال کریں گے کہ شاید وہ ہم سے کوئی مسلمان ہے مگر قرآن ان سے آگے نکل کر انبیاء علیہم السلام کی صفوں کے پاس سے گزرے گا وہ یہ خیال فرمائیں گے کہ ہم میں سے کوئی نبی ہے مگر وہ جب ان سے بھی نکل کر ملائکہ مقربین کے پاس پہنچے گا۔تو وہ یہ خیال کریں گے کہ ہم میں سے کوئی فرشتہ ہے مگر وہ ان کی صفوں کو چیرتا ہوا بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا اور عرض کرے گا۔ بارالہا! فلاں آدمی دنیا میں رہ کر دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو میری تلاوت کرتا

تھا تو ارشاد قدرت ہوگا۔ اے قرآن! تو آج ان سب لوگوں کو جنت میں اپنے اپنے منازل پر پہنچا۔ چنانچہ قرآن ان لوگوں سے کہے گا کہ تم قرآن پڑھتے جاؤ اور مدارج عالیہ پر چڑھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ قرآن ایسے سب لوگوں کو ان کے منازل و مراتب تک پہنچا کر رہے گا۔ (تفسیر صافی بحوالہ اصول کافی)۔

اسی طرح متعدد احادیث میں وارد ہے کہ جب روایات میں اختلاف رونما ہو تو انہیں قرآن پر پیش کرنا چاہیے۔ پس جو حدیث قرآن کے موافق ہو اسے صحیح سمجھ کر لے لیا جائے اور جو قرآن کے مخالف ہو۔ اسے دیوار پر مار دیا جائے۔ چنانچہ کتب فریقین میں مذکور ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھ پر جھوٹ بولنے والے بہت ہو گئے ہیں۔ لہٰذا تم تک جب میری کوئی حدیث پہنچے تو اسے قرآن پر پیش کرو پس اگر قرآن کے موافق ہو تو اسے لے لو اور اگر قرآن کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر پھینک دو''۔ (بخاری شریف، مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''کل شئی مردود الی الکتب و السنة و کل حدیث لا یوافق کتاب الله فهو زخرف ''(اصول کافی)۔ ہر چیز کو کتاب وسنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق نہ ہو وہ باطل ہے۔

نیز انہی جناب سے منقول ہے فرمایا:

''ما لم یو افق من ا لحدیث القران فهو زخرف'' جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے (اصول کافی)

جما ل و نو ر قرآن جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چا ند تا ر وں کا ہما را چا ند قر آں ہے

دسواں مقدمہ

قرآن اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم اور اس بات کی وضاحت کہ مذہب وہ صحیح ہے جو قرآن وعترت کے مطابق ہے:

یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ جو دین اسلام خدا نے بنایا۔ جو مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا اور جو ادیان باطلہ کو مٹا کر ساری کائنات کو ایک سیدھے راستہ پر چلانے کیلئے آیا وہ خود اختلاف وانتشار کا شکار ہو گیا۔ ایک اسلام کے تہتر (۷۳) اسلام بن گئے۔ اور پھر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے کو برحق اور دوسرے تمام فرقوں کو باطل قرار دے رہا ہے۔ عقل حیران اور ناطقہ سربگریبان ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی ایک طویل الذیل خونچکاں داستاں ہے جس پر ہم نے اپنی کتاب ''اثبات الامامت'' میں فی الجملہ تبصرہ کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ سب کچھ خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت نبوت علیہم السلام کا دامن چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو جس پلیٹ فارم پر چھوڑ کر گئے تھے امت نے وہ پلیٹ فارم چھوڑ دیا، جس خانوادہ کا تعارف کرا کے گئے تھے امت نے اس خانوادہ کو بھلا دیا اور آپ جو دروازہ امت کو دکھا کر گئے تھے۔ امت نے وہ دروازہ ہی جلا دیا۔ اس روش ورفتار کا قدرتی اور فطری نتیجہ یہ نکلا کہ

و تشعّبت شعبا فكل جزيرة

فيها اميرالمومنين و منبر

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ ان مختلف فرق ومسالک میں سے برحق کون ہے اور ناجی کون؟ یہ عقدہ حدیث ثقلین نے حل کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں مخبر صادق علیہ الصلوۃ و السلام نے یہ وضاحت و صراحت کر دی ہے کہ حق وصداقت تمسک بالقرآن والعترۃ میں مضمر ہے اور اُخروی نجات وفوز وفلاح اتباع ثقلین میں پوشیدہ ہے۔

''انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهلبيتی ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی و انّهما لن يفترقا حتی بردا علیّ الحوض'' (حدیث نبوی متواتر)

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثناء عشریہ میں اور فریقین کے دوسرے محقق علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ مذہب وہ برحق ہے جو قرآن وعترت کے مطابق ہے۔ چنانچہ فاضل دہلوی لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ باتفاق شیعہ سنی این حدیث ثابت است کہ پیغمبرؐ فرمود-انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احد ھما اعظم من الاخر کتاب اللہ و عترتی ۔پس معلوم شد کہ درمقدمات دینی واحکام شرعی مارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوالہ بایں دو چیز عظیم القدر فرمود۔پس مذہبے کے مخالف این دو باشد درامور شرعیہ عقیدۃً وعملاً باطل ونا معتبر است وہر کہ انکار ایں دو بزرگ نماید کافر وخارج از دین است''(تحفہ اثناعشریہ ص ۱۳۰ طبع مصر)

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ تمام فرقہ ہائے اسلام میں سے کون سا ایسا فرقہ ہے جو متمسک بالثقلین ہے؟ دعویٰ تو سب یہی کرتے ہیں کہ وہ متمسک بالثقلین ہیں مگر خدا لگی بات یہ ہے کہ اس معیار پر صرف شیعیان حیدر کرار ہی پورے اترتے ہیں۔یہی وہ واحد فرقہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دین ودنیا کا مرکز،رشد وہدایت کا محور اور اپنے دین ودنیا کا رہبر ورہنما اور اپنا مقتدا وپیشوا قرآن وعترت کو ہی جانتا ہے اور انہی کو اپنا سب کچھ مانتا ہے اس کے نزدیک مفسر قرآن ہیں تو اہل بیت محدث وحدیث دان ہیں تو اہل بیت علیہم السلام،امام وفقہ دان ہیں تو اہل بیت علیہم السلام،خلیفہ وجانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اہل بیت علیہم السلام اور دین دنیا کے مرشد ورا ہنما ہے تو اہل بیت علیہم السلام۔شیعہ اتباع کرتے ہیں تو نبیؐ کے بعد اہل بیت نبی علیہم السلام کی،اطاعت کرتے ہیں تو خدا ومصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خانوادہ مصطفی ﷺ اور دودمان مرتضی کی۔بخلاف دوسرے فرقہائے اسلام کے کہ ان کے خلفاء ہیں تو اور ان کے مرشد ورا ہنما ہیں تو اور۔زبانی کلامی طور پر تو وہ سب کچھ اہل بیت علیہم السلام کو مانتے ہیں مگر عملی طور پر وہ ان کو کچھ بھی نہیں مانتے وہ سب کچھ اوروں کو مانتے ہیں۔

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

چنانچہ مولانا وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغت پ ۱۸ صفحہ ۱۴ طبع بنگلور لکھتے ہیں:

''حنفیوں،شافعیوں اور خوارج وغیرہ نے قرآن کو لے لیا اور عترت کو چھوڑ دیا۔ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابو حنیفہ اور شافعی کے اقوال بھرے پڑے ہیں''۔

اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

:''یا علی علیہ السلام! انت و شیعتك ھم ا لفائزون یوم القیامة''۔

یا علیؑ!قیامت کے دن آپ اور آپ کے شیعہ کامیاب ورستگار ہونے والے ہیں۔

(تفسیر درمنثور سیوطی،صواعق محرقہ ابن حجر مکی،تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی وتحفہ اثناعشریہ دہلوی۔)

گیارہواں مقدمہ

ایمان وعمل کے لازم وملزوم ہونے کا بیان

اگر دنیا کے ملل و مذاہب کی تعلیمات کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ دنیوی فوز وفلاح اوراخروی نجات ونجاح کے سلسلہ میں تین آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس مقصد کے حصول کیلئے صرف ایمان واعتقاد کافی ہے عمل ضروری نہیں ہے۔

(۲) صرف عمل وکردار کافی ہے ایمان واعتقاد لازم نہیں ہے۔

(۳) دونوں لازم وملزوم ہیں ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کے علاوہ باقی ادیان کی تعلیمات کو پہلے دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اسلامی حقائق اور ماخذ ومدارک کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ تیسرے نظریہ کا علمبردار نظر آتا ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں سائنسی علوم بڑی ترقی کر گئے ہیں۔ مگر تاحال کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا۔ جس کی مدد سے آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک اور تیل سے تراوٹ الگ کی جاسکے۔ مگر ممکن ہے کہ کل کلاں کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے۔ مگر سائنس ہزار ترقی کر جائے صبح قیامت کے طلوع ہونے تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوسکے گا جس کی مدد سے ایمان سے عمل صالح کو اور عمل صالح سے ایمان کو علیحدہ کیا جاسکے۔ اس بات کا وجود تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کیا سکتا۔

جہاں بھی ایمان ویقین ہوگا وہاں اس کے مطابق عمل بھی ضرور ہوگا اور جہاں بھی عمل ہوگا وہاں اس کے پیچھے ایمان ویقین کی قوت کارفرما ہوگی۔ عمل کی کمزوری ایمان کی کمزوری کا فطری نتیجہ ہے۔ اور ایمان ویقین کی کمزوری کا قدرتی نتیجہ عمل وکردار کی غیر پختگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے پورے قرآن میں اور چہاردہ معصومین علیہم السلام نے اپنے فرامین میں جہاں بھی کسی قوم وملت یا کسی فرد سے فوز وفلاح کا وعدہ کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ جب ایک ہاتھ میں ایمان کا دامن ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں نیک کام کا دامن۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۸۲﴾ ''(سورہ بقرہ آیت۔ ۸۲)۔

اگر کوئی نام نہاد مبلغ ومقرر یا خطیب وادیب یہ کہتا ہے کہ فلاح کونین وسعادت دارین کیلئے صرف ایمان واعتقاد یا محبت اہل بیت علیہم السلام کافی ہے اس کے ساتھ عمل وکردار ضروری نہیں ہے۔ یا اگر کوئی غیر ذمہ دار مذہبی زعیم وریفارمر یہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے صرف عمل وکردار کافی ہے اور ایمان واعتقاد اور محبت اہلبیتؑ لازمی نہیں ہے۔ تو محتاط الفاظ میں ایسے شخص کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے شخص نے

قرآن وسنت کو پڑھا نہیں ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر اسے سمجھا نہیں ہے ورنہ جس شخص کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان پر ہو۔ وہ کبھی ایسی بات نہ زبان سے کہہ سکتا اور نہ قلم سے لکھ سکتا ہے کیونکہ عقل وشرع اور قرآن وسنت اس حقیقت پر متفق ہیں کہ ایمان کے ساتھ عمل اور محبت کے ساتھ اتباع اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ ایک کا دوسرے کے بغیر تصور کرنا بھی محال و ناممکن ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت قارئین کرام کو اس تفسیر میں جا بجا نظر آئے گی۔ انشاءاللہ۔ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۝۱۰۲ ۔(سورہ یونس)

بارہواں مقدمہ

محکم ومتشابہ آیات کا بیان اوران کی تشریح

ارشادقدرت ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ (سورہ آل عمران آیت ۔۷)۔ ''وہی ہے جس نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں کچھ آیتیں تو محکم ہیں جو کتاب کی اصل وبنیاد ہیں اور کچھ متشابہہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی (ٹیڑھ) ہے وہ تو فتنہ برپا کرنے اور من مانی تاویلیں کرنے کی خاطر متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں مضبوط و پختہ کار ہیں اور کوئی ان کی تاویل (اصل معنی) کو نہیں جانتا......۔

اس طرح خود خدائے علیم وحکیم نے قرآنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ چونکہ قرآنی دعوت تمام لوگوں کو شامل ہے جن میں عالم وجاہل، ذہین اور کند ذہن وغیرہ سب داخل ہیں۔ نیز مطالب ومعانی بھی کچھ ایسے سلیس وآسان ہوتے ہیں کہ درس وتدریس اور تحقیق کے بغیر سمجھ میں آجاتے ہیں اور کچھ ایسے دقیق وعمیق ہوتے ہیں جو تحقیق وتدقیق کے بعد سمجھ میں آتے ہیں۔ نیز کبھی کسی بات کے مبہم رکھنے میں مصلحت ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن کریم میں آیات محکمات بھی ہوں اور متشابہات بھی۔

محکم ومتشابہ کی تعریف

اب اس بات کی تحقیق کہ محکم کسے کہتے ہیں اور متشابہ کسے؟ اگرچہ ان کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بہترین تعبیر وتشریح یہ ہے کہ محکم وہ ہے جس کی مراد ہر اس شخص پر بالکل واضح و

عیاں ہو۔ جو عربی زبان اور اس کے قواعد وضوابطہ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کیونکہ محکم کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں جو کسی قرینہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ جیسے ''قُلۡ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' (اخلاص آیت۔۱)، ''اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ'' (بقرہ آیت۔۲۰)، ''وَ مَااللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ'' (مومن آیت۔۳۱)، ''قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ'' (رعد آیت۔۱۶)، اور ''لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ'' (شوریٰ آیت۔۱۱) اور متشابہ وہ ہے کہ جس کی مراد زبان دان اور واقف الفاظ ومعانی پر بھی مبہم اور غیر متعین ہو۔ اور متکلم کا مطلب واضح نہ ہو۔ بلکہ مشتبہ ہو۔ اور اس اشتباہ کے کئی علل واسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) لغت وعرف کے لحاظ سے اس لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کونسے معنی مراد ہیں؟ جیسے لفظ قرء جو کہ حیض وطہارت دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ''وَالۡمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ'' (سورہ بقرہ آیت۔۲۲۸)۔

(۲) ایک لفظ کے کئی معانی ہیں اور جو معنی عام طور پر مراد ہوتے ہیں عقل ان کا انکار کرتی ہیں جیسے ''ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ'' (اعراف آیت۔۵۴) کہ عرش کے عمومی معنی چارپائی کے ہیں جن کا خدا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یا ''كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ۝ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ۝'' (سورہ رحمٰن آیت۔۲۶،۲۷) کہ 'وجہ' کے عمومی معنی چہرہ کے ہیں جو یہاں مراد نہیں لیے جاسکتے۔

(۳) ایک لفظ عام ہے جو بظاہر تمام مکلفین کو شامل ہے مگر اس سے مراد بعض افراد ہیں جیسے ''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا'' (سورہ مائدہ آیت۔۳۸) جبکہ معلوم ہے کہ اگر کوئی باپ بیٹے کا مال چرائے، یا قحط کے زمانہ میں چرائے یا ربع دینار سے کم چرائے۔ یا غیر محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے۔

(۴) یا وہ حکم منسوخ ہو چکا ہو مگر آدمی کو اس کا علم نہ ہو جیسے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔

(۵) یا جس کے اجمالی معنی تو معلوم ہوں مگر تفصیل کا علم انسانی عقل وخرد کے حدود سے ماوراء ہو۔ جیسے روح ''فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا'' (سورہ انبیاء آیت۔۹۱) وغیرہ وغیرہ۔۔۔

بہرحال جب محکم ومتشابہ کا مفہوم معلوم ہو گیا تو یہاں خداوند عالم نے مختلف لوگوں کی روش ورفتار کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جو لوگ سلیم الفطرت ہوتے ہیں وہ تو محکمات کی اتباع کرتے ہیں اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ وہ متشابہات کی کوئی مناسب تاویل وتوجیہ کر کے انہیں محکمات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور

اسی کو متکلم کی مراد جانتے ہیں اور ان کے کوئی ایسے معنی نہیں کرتے جو دین و مذہب کے مسلمات اور آیات محکمات کے خلاف ہوں۔ اور یہی حزم و احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ مگر جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں اور ارادوں میں کجی اور نیتوں میں فتور ہوتا ہے۔ وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور پھر ان کی من مانی تاویلیں کر کے اور اپنی خواہش کے مطابق ان کے معانی نکال کر اپنے مقاصد باطلہ کی تائید کر کے لوگوں کے دلوں میں وسوسے اور شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں اور ان کو گمراہ و بدراہ کرتے ہیں اور فتنہ و فساد کی آبیاری کرتے ہیں اور اپنی مطلب برآری کرتے ہیں اور یہی قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے کا مفہوم ہے جو کہ بالاتفاق حرام ہے کہ مفسر قرآن کوئی غلط نظریہ رکھتا ہو اور قرآن کو توڑ موڑ کر اور اس کے سیاق و سباق اور اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹ کر اپنے باطل نظریہ کی اس سے تائید حاصل کرے اور آیت کو من بھاتے معنی کا جامہ پہنائے۔ اور اس طرح خود بھی گمراہ ہو۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ اس لئے قرآن و سنت میں ایسے لوگوں کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے جو۔۔۔۔۔۔۔ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ''وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ''۔ (آلِ عمران آیت۔۷) خدا اور راسخون فی العلم جو کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں کے سوا اور کوئی ان متشابہات کی تاویل و مفہوم کو نہیں جانتا۔ لہٰذا متشابہات کے سمجھنے اور قرآنی اسرار و رموز کو سمجھنے کیلئے ان ذواتِ مقدسہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

تیرہواں مقدمہ

تفسیر بالرائے کی حرمت اور اس کی تشریح

فریقین کی کتب احادیث میں اس قسم کی متعدد حدیثیں موجود ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من فسّر القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار''

جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے (صافی، عیاشی، سنن ابن داؤد وغیرہ)

یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین اسلام کا تفسیر بالرائے کی حرمت پر اتفاق ہے۔ اور وہ اس فتنہ کو اسلام کا بہت

بڑا المیہ سمجھتے ہیں۔جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی ہے اور ہر اہل مذہب و مسلک اپنے مذہب و مسلک کی صداقت پر قرآن سے استدلال کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اور اس طرح قرآن کو ژندو پاژند بنادیا ہے۔

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو سکتے ہیں پاژند

مگر اس بات میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس تفسیر بالرائے کا فرد جلی تو یہ ہے کہ آدمی کوئی فاسد نظریہ رکھتا ہو اور اس کی تائید وتقویت کی خاطر قرآن کے من گھڑت معنی کرے اور آیات قرآنیہ کو اپنی پسند کے معنی کا جامہ پہنائے۔تاکہ اپنے باطل کو حق اور خطا کو صواب ثابت کرے (مفاتیح الغیب ملا صدرا شیرازی ، غرائب القرآن نیشاپوری)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مفسر قرآن کا تابع نہ بنے بلکہ قرآن کو اپنی رائے کا تابع بنائے۔اکثر مفسرین کی تفسیر بالرائے اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔علاوہ بریں بعض مفسرین نے درج ذیل مفاہیم کا بھی تفسیر بالرائے کے ضمن میں تذکرہ کیا ہے۔

(۱) ان پندرہ علوم عربیہ میں مہارت حاصل کئے بغیر جن سے عربی کے اسلوب اور قرآن کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔قرآن کی تفسیر کرنا جس طرح کچھ خود رہ مفسرین اپنے ذاتی خیالات کو قرآن کے سر منڈھتے ہیں۔

(۲) راسخون فی العلم کی طرف رجوع کئے بغیر متشابہ آیات کا مفہوم متعین کرنا۔

(۳) فاسد عقیدہ اور مسلک کو بنیاد قرار دے کر آیات قرآنیہ کی تفسیر کرنا۔

(۴) اپنی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر قرآن کی تفسیر کرنا۔

(۵) حقیقی وارثان قرآن کی طرف رجوع کئے بغیر اور ناسخ ومنسوخ، عام وخاص اور مطلق ومقید کا لحاظ کئے بغیر صرف ظواہر قرآن پر عقیدہ وعمل کی بنیاد رکھنا۔

(۶) حقیقی مفسرین کی طرف رجوع کئے بغیر اور ان کے اقوال سے مدد لئے بغیر اپنی مرضی سے معنی متعین کرنا وغیرہ وغیرہ (تفسیر اتقان وغیرہ)

چودھواں مقدمہ

تفسیر قرآن کا مفہوم اور اس کے طریقہ کار کا بیان

لغت عرب میں تفسیر کے معنی ہیں کشف المبہم یعنی غیر واضح بات کو واضح کرنا اور قرآنی آیات کے معانی

ومفہوم کو کھول کر بیان کرنا۔ چونکہ قرآن میں کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ، کچھ مجمل، کچھ مفصل، کچھ عام، کچھ خاص، اور کچھ مطلق اور کچھ مقید وغیرہ لہٰذا وہ اس طرح عام فہم نہیں ہے کہ کسی تفسیر وتشریح کا محتاج نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر خدائے حکیم کو پیغمبر اسلام کو معلم قرآن بنا کر بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ ''۔ (سورہ نحل...... ۴۴) ہم نے ذکر (قرآن) کو آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ کھول کر بیان کریں کہ ان کی طرف کیا اتارا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پڑھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض میں شامل تھا۔ یعلمهم الكتاب والحكمة۔ وہ لوگوں کو قرآن وحکمت پڑھاتے تھے۔ (سورہ جمعہ) اور آنحضرتؐ کے بعد یہ فریضہ تعلیم وتدریس اہل بیتؑ رسالت کے سپرد ہوا۔ ''ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا'' (فاطر...... ۳۲)۔ یہ خدا کے برگزیدہ بندے کون ہیں؟ اس کی وضاحت حدیث ثقلین میں کی گئی ہے۔ ''انی تارك فيكم ا لثقلين كتاب الله و عترتی ا هلبيتی (حدیث نبوی متفق علیہ)۔

لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ قرآن بالکل آسان اور عام فہم کتاب ہے۔ جس کے سمجھنے سمجھانے کیلئے ہمیں کسی معلم ربانی یعنی نبی وامام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان کی کچھ شد بد رکھتا ہے۔ وہ قرآن کے تمام مطالب ومعانی کو سمجھ سکتا ہے لہٰذا حسبنا كتاب الله (ہمارے لئے کتاب خدا ہی کافی ہے)۔

اسی طرح یہ کہنا بھی خلاف حقیقت ہے کہ قرآن بالکل ایک معمہ کی حیثیت رکھتا ہے اور عوام کیلئے بالکل ناقابل فہم کتاب ہے اور عوام ہر بات میں مخصوص ہستیوں کے کلام و بیان کے اس طرح محتاج ہیں کہ وہ ظواہر الفاظ کے معانی بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں اگر پہلی بات افراط ہے تو یہ کھلی ہوئی تفریط ہے۔ چونکہ اسلام ہر بات میں اعتدال کا قائل ہے اور حق ہمیشہ افراط وتفریط کے درمیان ہوتا ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ الامر بین الامرین۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا ہے اور عربی کے سمجھنے کیلئے علوم عربیہ از قسم صرف ونحو معانی و بیان اور بالخصوص ادب عربی پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ مگر صرف یہ چیز قرآن فہمی کیلئے کافی نہیں ہے، اس کے لئے شان نزول، تاریخی پس منظر، کلامی تحقیق اور فقہی تدقیق بھی لازم ہے اور مزید برآں قرآن کے سیاق وسباق اور معانی ومفاہیم میں تدبر وتفکر اور استنباط احکام میں تامل بھی اشد ضروری ہے۔ ورنہ تدبر فی القرآن اور اختلاف روایات کے وقت ان کی صحت وخطا معلوم کرنے کے لئے انہیں قرآن پر پیش کرنے کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہ جائینگے اور اسی کا نام تفسیر القرآن بالقرآن ہے کیونکہ ایک بات قرآن میں ایک جگہ مجمل ہوتی ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہوتی ہے۔ لان القرآن يفسر بعضه بعضاً۔

لہذا اس سلسلہ میں تدبرّ فی القرآن کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد وارثان علوم قرآن یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔متعدد احادیث میں وارد ہے۔ انما یعرف القر ان من خوطب ۔قرآن کی حقیقت کو وہی بزرگوار سمجھتے ہیں جو مخاطب قرآن ہیں اور جن کے گھروں میں قرآن اترا ہے۔(صافی وبرھان)

اسی لئے فریقین کے مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ ''ان تفسیر القران لا یجوز الا بالاثر الصحیح والنص الصریح '' کہ قرآن کی حدیث صحیح اور نص صریح کے سوا تفسیر بالرائے کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ارشاد رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''من فسر القرآن برأیه فلیتبوا مقعده من النار''

جو شخص قرآن کی تفسیر محض اپنی رائے سے کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔(صافی وبرھان)

جیسا کہ آج کل کچھ لوگ اپنے جدید نظریات کو قرآن پر پیش کر کے ان کی تصحیح کرنے کی بجائے الٹا قرآن کو توڑ موڑ کر اپنے خیالات کے مطابق کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔اور خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔کا مظاہرہ کر کے اقبال کو یہ کہنے کا موقع دیتے ہیں کہ

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

اور اس کا وہ روشن خیالی اور آزادروی نام رکھتے ہیں۔اگر چہ ایسے لوگ ہر دور میں رہے ہیں مگر آج کل کچھ زیادہ ہی ہیں بطور نمونہ مرزائے قادیان۔سرسید احمد خان' مولوی عبداللہ چکڑالوی اور جناب پرویز کی تحریریں اور تفسیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔جن میں اور تو سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں ہے۔اگر چہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں قرآن پر اس قدر کام ہوا ہے جتنا اور کسی کتاب پر نہیں ہوا۔اور اس کی اس قدر تفسیریں علماء اسلام نے لکھی ہیں۔جس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔شکر اللہ سعیہم۔

بفضلہ تعالی شیعہ علماء وفضلاء ہر اسلامی علم کی طرح اس سلسلہ میں بھی ہر اول دستہ میں نظر آتے ہیں۔انہوں نے ہر دور اور ہر عہد میں قرآن مجید کے بارے میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند تاسیس الشیعہ الکرام لفنون الاسلام ،اور''اعیان الشیعہ'' وغیرہ مبسوط کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں اور اردو دان طبقہ کیلئے علامہ سید علی نقی قدس سرہ کا مقدمہ تفسیر ہی کافی ووافی ہے۔ یہ تفسیر فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن بھی اسی خدمت قرآن کے سلسلہ جلیلہ کی ایک حقیر سی کڑی ہے خدا قبول فرمائے اور

اسے قبول عام کی سند عطا فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

پندرھواں مقدمہ

تلاوت قرآن کے اجر و ثواب کا بیان

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

"نوروا بیوتکم بتلاوۃ القرآن ،فان البیت اذا کثر فیہ تلاوۃ القرآن کثر خیرہ، و اتسع اھلہ واضاء لاھل السماء کما تضیئ نجوم السماء لاھل الدنیا"۔

اپنے گھروں کو تلاوت قرآن کے ساتھ منور و درخشاں کرو۔ کیونکہ جب کسی گھر میں بکثرت تلاوت قرآن کی جائے تو اس کی خیر و برکت زیادہ ہوتی ہے، گھر والے زیادہ ہوتے ہیں اور وہ گھر اہل آسمان کیلئے اس طرح چمکتا ہے جس طرح ستارے اہل زمین کیلئے چمکتے ہیں۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

جو شخص بغیر پڑھے کسی سے قرآن مجید کا ایک حرف سنے تو خداوند عالم اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک برائی مٹا دیتا ہے اور یہی ثواب اس شخص کا ہے جو دیکھ کر ایک حرف کی آواز نکالے بغیر تلاوت کرے۔ اور جو اس کا ایک حرف سیکھے تو خدا اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور دس درجے بلند کرتا ہے۔ اور جو شخص بیٹھ کر نماز میں قرآن کے ایک حرف کی تلاوت کرے اس کیلئے پچاس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، پچاس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں۔ پچاس درجے بلند ہوتے ہیں اور جو کھڑے ہو کر نماز میں اس کی تلاوت کرے تو اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ سو برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور سو درجے بلند کئے جاتے ہیں اور جو شخص قرآن ختم کرے اس کی ایک دعا جلد یا بدیر ضرور قبول ہوتی ہے۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''الحافظ للقرآن العامل بہ مع السفرۃ الکرام البررۃ''۔

جو شخص قرآن کا حافظ ہو اور اس پر عامل بھی ہو وہ خدا کے مکرم فرشتوں کے ہمراہ (جنت میں) ہوگا (صافی)
و فیه کفایة لمن له درایة۔

سولھواں مقدمہ

تلاوت قرآن کے آداب و مستحبات کا بیان

قرآن مجید چونکہ خالق دو جہاں کا کلام معجز نظام ہے اور کتاب رشد و ہدایت ہے اور اللہ کے نیکو کار اور پرہیز گار بندوں کیلئے موعظہ اور پند و نصیحت کی کتاب بلاغت نصاب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تلاوت وقت گزارنے کیلئے نہیں کی جاتی بلکہ دنیا و آخرت کو سدھارنے، سیرت و کردار کو سنوارنے اور آدمیت و انسانیت کو نکھارنے کیلئے کی جاتی ہے تو یہ مقصد اعلی جب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ اسکی تلاوت مکمل شرعی آداب و مستحبات کے ساتھ کی جائے جو بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کرنا

(۲) اگرچہ قرآن حفظ ہی ہو مگر دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ قرآن مجید کے حروف پر نگاہ کرنا بھی عبادت ہے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے (اصول کافی)

(۳) وضو کرکے اور روبقبلہ ہوکر سکون و اطمینان کے ساتھ تلاوت کی جائے۔

(۴) ترتیل کے ساتھ تلاوت کی جائے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا'' (سورہ مزمل آیت۔ ۴) قرآن کی ترتیل سے تلاوت کرو۔ مگر یاد رہے کہ ترتیل کے معنی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنا نہیں (جیسا کہ عوام میں مشہور ہے) بلکہ ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ کو ان کے مقررہ مخارج سے ادا کرکے اور وقوف کا لحاظ کرکے پڑھنا ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے ہے فرمایا۔ وهو حفظ الوقوف و بیان الحروف (تفسیر صافی)۔

(۵) تلاوت سے پہلے شیطان کے شر سے خدا سے پناہ مانگنا اور خدا کے نام سے آغاز کرنا۔ ارشاد رب العزت ہے۔ ''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' (سورہ نحل آیت۔ ۹۸)

(۶) تلاوت کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے۔

''اَللّٰھم بالحق انزلته ، وبالحق نزل اللّٰھُمَّ عظم رغبتی فیه و اجعله لی نو را لبصری و شفاء لصدری و ذھا با لھی وغمی و حزنی اللھم زین به لسانی و جمل به و جھی و

قو به جسدی وثقل به میز انی وار ز قنی تلا وته علی طا عتك اناء اللیل وا طراف النهار واحشرنی مع النبی وآله الا طها ر" اور ختم پر یه دعا پڑھی جائے۔ "اللهم اشرح با لقرآن صدی و استعمل بالقرآن بدنی و نو ر با لقرآن بصری وا طلق بالقرآن لسانی وا عنی علیه ما ابقیتنی فانه لا حول و لا قوة لا بك"۔

مندرجہ بالا دعا حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے (مفاتیح الجنان)

(٧) پورے حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ تلاوت کرے۔

(٨) قرآنی آیات وکلمات میں تدبر وتفکر کرے اور اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کی جدوجہد کرے اور خدا سے توفیق طلب کرے۔

(٩) جس قسم کی آیت پڑھے اس کے مطابق عمل کرے یعنی توبہ واستغفار والی آیت پڑھے تو توبہ واستغفار کرے جب جنت ونار والی آیت پڑھے تو جنت کا خدا سے سوال کرے اور جہنم سے پناہ مانگے اور جب آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو سجدہ کرے۔ الغرض جس قسم کی آیت ہو اسی قسم کی اثر پذیری کا اظہار کرے

(١٠) کلام ومتکلم کی عظمت وجلالت کا تصور دل ودماغ میں قائم کرے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔

سترہواں مقدمہ

رموز وعلامات وقف کا بیان

قارئین کرام پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مختلف آیات کے آخر یا وسط میں بعض علامات ہوتے ہیں' کہیں گول سا دائرہ ہوتا ہے۔ کہیں م' ج اور ز وغیرہ حروف تہجی لکھے ہوتے ہیں۔ انہیں رموز واوقاف کہا جاتا ہے۔ قرآن کی صحیح طریقہ پر تلاوت کرنے کیلئے کہ کہاں ٹھہرنا چاہیے اور کہاں نہیں؟ ان رموز وعلامات کا جاننا کسی حد تک ضروری ہے۔

(١) گول دائرہ ○ کسی آیت کے ختم ہونے کی علامت ہے لہٰذا قاری کو یہاں ٹھہرنا چاہیے۔

(٢) م۔ یہ وقف لازم کی علامت ہے یہاں ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ بصورت دیگر مفہوم کے گڈمڈ ہونے کا خطرہ ہے۔

(٣) ط۔ یہ وقف مطلق کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ مگر متکلم کا سلسلہ کلام ہنوز جاری ہے۔ مطلب مکمل نہیں ہوا۔

(۴) ج۔ یہ وقف جائز کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا نہ ٹھہرنا جائز ہے۔یعنی اگر ٹھہر جائیں تو بہتر ہے اور اگر نہ ٹھہریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۵) ز۔ یہ وقف مجوز کی علامت ہے یعنی ٹھہرنا جائز تو ہے مگر نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

(۶) ص۔ یہ وقف مرخص کی علامت ہے یعنی اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے ورنہ ملا کر پڑھنا انسب ہے۔

(۷) صلی۔ یہ الوصل اولی کا مخفف ہے یعنی ملا کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

(۸) صل۔ یہ قد یوصل کا مخفف ہے یعنی کبھی ملا کر پڑھا جاتا ہے یہاں ٹھہرنا بہتر ہے۔

(۹) قف۔ یہاں ٹھہرنا چاہیے یہ رمز وہاں لکھی جاتی ہے جہاں یہ اندیشہ ہو کہ قاری ملا کر پڑھے گا۔

(۱۰) ق۔ یہ قیل علیہ الوقف کا مخفف ہے۔(کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے) گو یہاں ٹھہرنا جائز ہے مگر نہ ٹھہرنا بہتر ہے

(۱۱) وقفہ۔ لمبے سکتے کی علامت ہے مگر سانس نہیں ٹوٹنی چاہیے۔

(۱۲) س یا سکتہ۔ یہاں ٹھہرنا چاہیے مگر سانس نہ ٹوٹے۔

(۱۳) لا۔ لاتقف کا مخفف ہے لا کے معنی ہیں نہیں یعنی یہاں کوئی وقف نہیں ہے۔ یہ علامت اگر کسی آیت کے اندر ہو تو وہاں ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اور اگر کسی آیت کے خاتمہ پر ہو جیسے لا۔ تو نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔ مگر ٹھہرنے سے بھی معنی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

(۱۴) ک۔ یہ علامت کذالک کا مخفف ہے۔ یعنی یہ علامت سابقہ علامت کی مانند ہے۔

(۱۵) ∴ گرکوئی عبارت یا کلمہ ایسے تین نقطوں کے درمیان گھرا ہوا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے تین نقطوں پر نہ ٹھہرنا (اور دوسروں پر ٹھہرنا) یا اس کے برعکس عمل کرنا (پہلے پر ٹھہرنا اور دوسرے پر نہ ٹھہرنا) جائز ہے۔ اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہا جاتا ہے۔

(۱۶) مع۔ یہ علامت قرآن مجید کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ یہ معانقہ کا مخفف ہے۔ یہ علامت وہاں لکھی جاتی ہے جہاں کسی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہوں۔ ایک تفسیر کے مطابق ایک جگہ وقف ہو اور دوسری کے مطابق دوسری جگہ۔ بنابریں کسی جگہ بھی وقف کیا جا سکتا ہے۔

(۱۷) وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ وہاں لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کے مطابق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت کرتے وقت وقف کیا ہو۔ واللہ العالم۔

اٹھارہواں مقدمہ

قرآن مجید کے متعلق بعض مفید معلومات کا بیان

(الف) قرآن مجید تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ یہ تقسیم معنی و مفہوم کے لحاظ سے نہیں یہ بلکہ بچوں کو پڑھانے میں سہولت کے خیال کے ماتحت ہے۔ یہ تقسیم کب اور کس نے کی؟ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بظاہر یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد کی گئی ہے جبکہ علماء نے قرآن مجید پر اعراب لگائے علم رسم الخط مدون کیا۔ تو سہولت کی خاطر تیس دنوں کے موافق تیس پاروں پر تقسیم کر دیا (حقانی)

(ب) صحابہ اور تابعین کے عہد میں ان کا معمول تھا کہ وہ بالعموم ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بنا بریں انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار متعین کر رکھی تھی جسے حزب یا منزل کہتے تھے چنانچہ پورے قرآن کی سات منزلیں ہیں۔

(ج) قرآن مجید کے مضامین و مطالب کے اعتبار سے اس کی تعیین رکوع سے کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہو وہاں حاشیہ پر رکوع کی علامت لکھ دی جاتی ہے۔ اس علامت کا ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرآنی آیات کی ایسی درمیانی مقدار جو با آسانی ایک رکعت میں پڑھی جا سکے اور اس کے بعد رکوع کیا جا سکے۔ پورے قرآن مجید میں کل ۵۵۸ رکوع ہیں۔ اور اس کے اوپر نیچے اور اندر تین ہند سے ہوتے ہیں۔ بالائی ہندسہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ کا کونسا رکوع ہے۔ اور نیچے والے ہندسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس پارے کا کونسا رکوع ہے اور اندر والے عدد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رکوع کی کتنی آیات ہیں۔

(د) ہر پارہ چار حصوں پر منقسم ہے پہلی چوتھائی پر الربع۔ نصف پر النصف۔ تین چوتھائی پر الثلاثہ حاشیہ پر لکھا جاتا ہے۔

(ز) قرآن مجید کی کل سورتیں ۱۱۴ ہیں جن میں سے سورہ الضحی اور الم نشرح اور لا یلف قریش اور الم ترکیف ہمارے نزدیک ایک ایک سورہ شمار ہوتی ہیں۔ ان سورتوں میں سے ۸۶ مکی اور ۲۸ مدنی ہیں

(ط) کوفی قراء کے نزدیک کل آیات قرآن کی تعداد ۶۲۳۲ ہے اور یہ تعداد مصر کے مصدقہ قرآن کی تعداد کے مطابق ہے۔ (تفسیر المتقین)۔ مگر تفسیر ماجدی میں بحوالہ تفسیر اتقان بقول اصح ان کی میزان ۶۶۱۶ ہے۔ (تفسیر ماجدی) اور بعض نے ۶۲۸۵ بیان کی ہے (ترجمہ فرمان) اور بعض نے کوفی قراء کے نزدیک ۶۶۳۶ بیان

کی ہےاوراکثر کے نزدیک ۶۶۶۶ ہے(تفسیر حقانی)

(ف)قرآن مجید کے کل الفاظ بقول اصح ۷۷۹۳۴اور کل حروف قرآنی کی میزان بقول اصح ۳۳۳۷۶۰ ہے (تفسیر ماجدی بحوالہ تفسیر اتقان)مگر قرآن مترجم مولانا مقبول احمد میں کل تعداد ۲۶۷۰۵۳ لکھی ہے۔واللہ العالم۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس گروہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس جگہ وقف کرنا پایا گیا اس نے اس کو آیت شمار کیا اور جن کے نزدیک جگہ وقف کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وصل کرنا ثابت ہوا۔انہوں نے دونوں کو ایک آیت سمجھا (حقانی) (ح) قرآن مجید کے کل ضمات وفتحات اور کسرات وغیرہ کی تعداد یہ ہے۔ فتحات ۵۳۲۴۳۔کسرات ۳۹۵۸۲۔ضمات ۸۸۰۴۔ مدات ۱۷۷۱انقاط ۱۰۵۶۸۴۔ تشدیدات ۱۲۵۳(قرآن مجید مترجم مقبول)۔

انیسواں مقدمہ

قرآن سے متعلق معلومات

نمبرشمار	نام سورہ	تعدادرکوع	تعدادآیات	پارہ
1	الفاتحہ	1	7	1
2	البقرہ	40	286	1
3	آل عمران	20	200	3
4	النساء	24	177	4
5	المائدہ	21	120	6
6	الانعام	20	166	7
7	الاعراف	24	206	8
8	الانفال	10	75	9
9	التوبہ	16	129	10
10	یونس	11	109	11
11	ہود	10	123	11

12	111	12	یوسف	12
13	43	6	الرعد	13
13	52	7	ابراہیم	14
13	99	6	الحجر	15
14	128	16	النحل	16
15	111	12	بنی اسرائیل	17
15	110	12	الکہف	18
16	99	6	مریم	19
16	135	8	طٰہٰ	20
17	112	7	الانبیاء	21
17	78	10	الحج	22
18	118	6	المومنون	23
18	64	9	النور	24
18	77	6	الفرقان	25
18	227	11	الشعراء	26
18	93	7	النمل	27
20	89	9	القصص	28
20	69	7	العنکبوت	29
21	60	6	الروم	30
21	34	4	لقمان	31
21	30	3	السجدہ	32
21	73	9	الاحزاب	33
22	54	6	السبا	34

22	45	5	الفاطر	35
22	83	5	یس	36
23	182	5	والصافات	37
23	88	5	ص	38
23	75	8	الزمر	39
24	85	9	المومن	40
24	54	6	حم السجدہ	41
24	53	5	الشوری	42
25	89	7	الزخرف	43
25	59	3	الدخان	44
25	37	4	الجاثیہ	45
26	35	4	الاحقاف	46
26	38	4	محمد	47
26	29	2	الفتح	48
26	18	3	الحجرات	49
27	45	3	ق	50
26	20	3	الزاریات	51
27	49	2	الطور	52
27	62	3	النجم	53
27	55	3	القمر	54
27	78	3	الرحمٰن	55
27	96	3	الواقعہ	56
27	29	4	الحدید	57

58	المجادلہ	3	22	28
59	الحشر	3	24	28
60	الممتحنہ	2	13	28
61	الصّف	2	14	28
62	الجمعہ	2	11	28
63	المنافقون	2	11	28
64	التغابن	2	18	28
65	الطلاق	2	12	28
66	التحریم	2	12	28
67	الملک	2	30	29
68	القلم	2	52	29
69	الحاقہ	2	52	29
70	المعارج	2	44	29
71	نوح	2	28	29
72	الجن	2	28	29
73	المزمل	2	20	29
74	المدثر	2	56	29
75	القیامۃ	2	40	29
76	الدہر	2	31	29
77	المرسلات	2	50	29
78	النباء	2	40	30
79	النازعات	2	46	30
80	عبس	2	46	30

81	التکویر	1	29	30
82	الانفطار	1	19	30
83	المطففین	1	36	30
84	الانشقاق	1	25	30
85	البروج	1	22	30
86	الطارق	1	17	30
87	الاعلیٰ	1	19	30
88	الغاشیہ	1	26	30
89	الفجر	1	30	30
90	البلد	1	20	30
91	الشّمس	1	15	30
92	اللیل	1	21	30
93	الضحیٰ	1	11	30
94	الم نشرح	1	8	30
95	التین	1	8	30
96	العلق	1	19	30
97	القدر	1	5	30
98	البینہ	1	8	30
99	الزلزال	1	8	30
100	العادیات	1	11	30
101	القارعہ	1	11	30
102	التکاثر	1	8	30
103	العصر	1	3	30

104	الھمزہ	1	9	30
105	الفیل	1	5	30
106	القریش	1	4	30
107	الماعون	1	7	30
108	الکوثر	1	3	30
109	الکافرون	1	6	30
110	النصر	1	3	30
111	اللھب	1	5	30
112	الاخلاص	1	4	30
113	الفلق	1	5	30
114	الناس	1	6	30

ٹوٹل 114 'سورہ،کوع 558' آیات 6236' (قرآن مترجم فرمان علیؒ)

بیسواں مقدمہ

طریقہ آداب قرأت باعتبار مخارج

حروف	مخارج
ء۔ہ	ابتدائے حلق سے
ع۔ح	وسط حلق سے
غ۔خ	انتہائے حلق سے
ق	زبان کی جڑ کوّے کے قریب جب نرم تالو سے لگے
ك	ابتدائے بیخ زبان اوپر کے تالو سے قاف کے مخرج سے ہٹ کر
ج۔ش۔ی	زبان کے درمیان اور اوپر کے تالو کے درمیان سے
ض	زبان کے کنارے اور دانتوں کی گرہ کے بیچ سے یعنی تمام کنارے زبان کے

لگاتے ہیں بائیں طرف کے اوپر داڑھوں کی جڑ سے یا دائیں طرف سے لیکن بائیں طرف آسان ہے۔

ل	زبان کی نوک کے قریب سے اور اوپر کے تالو سے
ن	زبان کے سرا اور اوپر کے دانتوں کے نیچے سے
ر	زبان کے سرا اور اوپر کے دانتوں کے نیچے سے بعد نون کے مخرج کے
ط۔د۔ت	زبان کے سرا اور اوپر کے دانتوں کی جڑ سے
ظ۔ز۔ث	زبان کی نوک اور اگلے دانتوں کے کنارے سے
س۔ص۔ذ	زبان کی نوک اور اگلے دانتوں کے کنارے سے
ف	نیچے کے ہونٹ کے اندر اور اوپر کے دانتوں کے کنارے سے
ب۔م۔و	ہونٹوں کے درمیان سے
ا	فضائے دہن سے یعنی دراصل ایک ہوا کی مانند ہے جو اندر سے نکلتی ہے

(قرآن مجید ترجمہ مقبول)

احقر محمد حسین نجفی عفی عنہ سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا پاکستان

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (۱) ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پرودگار ہے۔ (۲) جو (سب پر) بڑا مہربان (اور خاص بندوں پر) نہایت رحم کرنے والا ہے (۳) جزا سزا کے دن کا مالک (ومختار) ہے۔ (۴) (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ (۵) ہمیں سیدھے راستے کی (اور اس پر چلنے کی) ہدایت کرتا رہ۔ (۶) راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام واحسان کیا نہ ان کا (راستہ) جن پر تیرا قہر وغضب نازل ہوا۔ اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں۔ (۷)

تشریح الالفاظ

(۱) اَلْحَمْدُ حمد کے معنیٰ ہیں تعریف کرنا۔ (۲) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب کے معنیٰ ہیں مالک، سردار، اصلاح کنندہ اور تربیت کرنے والا (۳) يَوْمِ الدِّيْنِ دین کے معنیٰ ہیں حساب، جزا اور سزا ملت، مذہب اور حکم وغیرہ۔ (۴) اِيَّاكَ نَعْبُدُ عبادت کے معنیٰ عبادت کرنے اللہ کو ایک جاننے، ذلیل ہونے اور خضوع وخشوع کرنے کے ہیں۔ (۵) نَسْتَعِيْنُ استعانت کے معنیٰ ہیں مدد طلب کرنا۔ (۶) اِهْدِنَا ہدایت کے معنیٰ ہیں رہنمائی

کرنا۔(۷)وَلَا الضَّآلِّیْنَ ضلالت کے معنی ہیں کج رہ ہونا راہ راست سے بھٹکنا اور گمراہ ہونا۔

تفسیر الآیات

اس سورہ مبارکہ کا زمانہ نزول

مفسرین اسلام میں مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی بلکہ یہ پہلی مکمل سورہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے بعض متفرق آیات نازل ہوتی تھیں جو اقراء، مزمل اور مدثر میں شامل ہیں اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورہ دوبار نازل ہوا۔ پہلے مکہ میں اور پھر مدینہ میں۔ اور انہوں نے سبع مثانی کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ وہ دوبار نازل ہوا۔ (مجمع البیان وغیرہ)۔

سورہ الحمد کے مختلف نام

اخبار وآثار میں سورہ حمد کے مختلف نام وارد ہوئے ہیں جن میں سے مشہور نام یہ ہیں۔

(۱)۔سورہ فاتحہ' کیونکہ قرآن مجید کا آغاز وافتتاح اسی سورہ سے ہوتا ہے۔ نیز نماز کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے۔

(۲)۔سورہ حمد' کیونکہ اس میں خداوند عالم کی حمد وثناء کا تذکرہ ہے۔

(۳)۔ام الکتاب' عربی زبان میں امّ کے معنی مقدم ونمایاں کے ہیں۔ یا کوئی ایسی اوپر والی چیز جس کے نیچے بہت سے توابع ہوں۔ اسی وجہ سے ماں کو ''امّ'' کہا جاتا ہے۔ بنابریں سورہ حمد کو ام الکتاب کہنے کا مفہوم یہ ہوا کہ ایک ایسا سورہ جو تمام قرآنی مطالب ومعانی کا مرکز ومحور ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے تمام مطالب کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔

۱۔ربوبیّت۔ ۲۔عبودیّت۔

اور ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بتمام وکمال سورہ حمد میں موجود ہے یا یوں سمجھئے کہ قرآن مجید کا اصلی مقصد دو باتیں ہیں۔

۱۔اعتقاد۔ ۲۔عمل۔

پھر اعتقاد کے دوشعبے میں مبداء اور معاد۔ اور عمل کے بھی دوشعبے ہیں۔ اچھے اوصاف سے اتصاف اور برے اوصاف سے اجتناب اور سورہ حمد بالترتیب ان تمام امور پر مشتمل ہے۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴿۳﴾ ''مبداءاوّل یعنی حضرت احدیّت کا اعتقاد''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۴﴾ '' میں معاد یعنی آخرت کا اعتقاد''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴿۵﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ''میں اچھے اعمال سے اتصاف اور''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴿۷﴾ ''میں برے اعمال سے اجتناب۔

معلوم ہوتا ہے۔کہ سورہ حمد ایک متن ہے اور تمام قرآن اس کی شرح۔وہ اجمال ہے اور مجموعہ کلام مجید اس کی تفصیل۔(فصل الخطاب) بالفاظ دیگر دین وقرآن کا ماحصل چار چیزیں ہیں۔

ا۔خدائی صفات کا صحیح تصوّر۔

۲۔قانون مجازات کا اعتقاد'یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ ہے اور قدرتی تاثیر۔اسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہیں نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی۔

۳۔معاد کا یقین'یعنی انسان کی زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسکے بعد بھی زندگی ہے اور جزاو سزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

۴۔فلاح وسعادت کی راہ اور اس کی پہچان۔اب غور کرو ان باتوں کا خلاصہ اس سورہ میں کس خوبی کیساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔(امّ القرآن)۔

(۴) السبع المثانی۔سبع اس لیے کہ اس کی آیتیں سات ہیں اور مثانی اس لیے کہ اسے ہر نماز فریضہ و نافلہ میں دو دو بار پڑھا جاتا ہے۔یا اس لیے کہ یہ سورہ دو بار نازل ہوا ہے۔

۵۔کافیہ' کیونکہ یہ سورہ دوسرے سوروں سے کفایت کرتا ہے۔مگر کوئی دوسرا سورہ اس سے کفایت نہیں کرتا۔جیسا کہ عبادبن صامت حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ''امّ الکتاب عوض عن غیر ھا و لیس غیر ھا عو ضاً عنھا''۔(مجمع البیان)۔

(۶) وافیہ' کیونکہ یہ سورہ ہمیشہ مکمل طور پر نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

(۷) اساس' ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا''ان لکلّ شئ اساساً و اساس القرآن الفاتحہ واساس الفاتحہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ''یعنی ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور قرآن کی بنیاد سورہ فاتحہ ہے اور فاتحہ کی بنیاد بسم اللہ ہے۔(مجمع البیان)۔

(۸) شفاء' کیونکہ یہ سورہ تمام جسمانی وروحانی بیماریوں سے باعث شفاء ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ ''ھی شفاء مّن کلّ داءٍ الا السأم'' یعنی یہ سورہ موت کے سوا ہر بیماری کا تریاق ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''من لّم یبرأہ الحمد لم یبر نہ شئی'' یعنی جسے سورہ حمد ٹھیک نہ کرے اسے کوئی بھی چیز ٹھیک نہیں کرسکتی۔ (مجمع البیان)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی مردہ پر ستر بار سورہ حمد پڑھا جائے تو کچھ بعید نہیں کی وہ زندہ ہوجائے۔ (نور الثقلین)۔ فاضل حقانی رقمطراز ہیں۔ ''صحیح مسلم ونسائی وغیرہ کتابوں میں ہے کہ صحابہ سانپ' بچھو کے کاٹے پر اور مجنون اور اہل صرع (مرگی والے) پر سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور اسی وقت مریض تندرست ہوجاتا تھا۔ چنانچہ اب بھی نماز فجر کی سنتوں اور فرض کے بیچ میں اکتالیس بار ہر روز بسم اللہ کا میم الحمد کے لام سے ملا کر چالیس روز تک پڑھنا ہر کام کے لیے عمل مجرب ہے اور بیمار کو دم کرکے پلانا اور چینی یا شیشہ کے برتن پر مشک وگلاب اور زعفران سے لکھ کر چالیس روز تک بیمار کو پلانا مجرب ہے اور درد گردہ کیلئے ایک سانس سے گیارہ بار پڑھ کر دم کرنا مجرب ہے اور سریع الاثر ہے۔ مگر اعتقاد کامل اور ہمت جازم شرط ہے۔'' (تفسیر حقانی)۔ مفسر قرطبیؒ نے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ یارسولؐ! میں جب سے اسلام لایا ہوں جسم میں درد رہتا ہے۔ فرمایا مقام درد پر ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ اور سات بار یہ دعا پڑھ۔ اعو ذبعزۃ اللہ و قدرتہ من شر ما اجدوا حذر۔

فاضل سیوطی نے اس کے پچیس نام ذکر کیے ہیں علامہ طبرسیؒ شیخ ابوالحسن جنازی کی کتاب القرأۃ کے سلسلہ سند سے ابی بن کعب سے اور وہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔

''ایّمامسلم قرء فا تحہ الکتاب اعطی من الا جر کا نّما قرء ثلثی القرآن واعطی من الا جر کا نّما تصد ق علی کل مو من و مو منۃ و فی روایۃ اخری قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نّما قرء القرآن'' یعنی جو مسلمان شخص سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے تو اسے دوثلث قرآن پڑھنے اور دوسری روایت کے مطابق پورے ختم قرآن کے برابر ثواب ملے گا۔ اور اسے ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت پر صدقہ کرنے کا اجروثواب ملے گا۔ (مجمع البیان)۔

نیز ابی بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔ ''والّذی نفسی بیدہ ما انزل اللہ فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزّبور و لا فی القرآن مثلھا و ھی امّ الکتاب و ھی السبع المثانی و ھی مقسومۃ بین اللہ و بین عبدہ و لعبدہٖ ما سئل''۔ یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ خداوندعالم نے توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن

میں سورہ حمد جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی۔ یہ ام الکتاب ہے۔ یہ سبع مثانی ہے اور یہ خدا اور بندہ کے درمیان تقسیم شدہ ہے اور بندے کو وہ کچھ ملے گا، جس کا وہ سوال کرے گا (مجمع البیان)۔

اور جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورہ کو ''افضل سورۃ انز لها الله فی کتابه'' قرار دیا ہے۔

یہ سورہ اور بسم اللہ تعلیم المسئلہ ہے

مخفی نہ رہے کہ خداوند عالم نے اس سورہ میں اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے اور بتایا ہے کہ کسی کام کا آغاز کرنا ہو تو اس طرح کرو کہ میں رحمن ورحیم خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں اور جب مجھ سے کچھ طلب کرنا ہو تو اس طرح مجھ سے سوال کرو۔ گویا اس کے ترجمہ سے پہلے ''یوں کہو'' محذوف سمجھنا چاہیے کہ اے میرے بندو! یوں کہو۔ اس تشریح سے وہ ایراد خود بخود ختم ہو گیا جو بعض ملحدین کیا کرتے ہیں کہ اگر بسم اللہ اور سورہ حمد خدا کا کلام ہے تو خدا کس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ''کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے اور کس سے کہتا ہے۔ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ تو گویا خدا کسی اور خدا کے نام سے شروع کر رہا ہے اور وہ کسی اور خدا کی عبادت کرتا ہے''۔

حاصل مطلب یہ ہوا کہ خدا اپنے بندوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ تم یوں کہا کرو۔ کہ ہم خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں جو رحمن ورحیم ہے اور جب اپنے پروردگار سے کچھ طلب کرنا ہو تو پہلے اس کی حمد وثناء کرو پھر اپنی عبودیت اور بندگی کا اقرار کرو بعد ازاں اپنا مدعا بیان کرو۔ اس طرح جو دعا کی جائے گی امید ہے کہ وہ ضرور بابِ اجابت سے ٹکرائے گی۔ انشاءاللہ۔

اس سورہ کی آیات کی تعداد

واضح رہے کہ اس سورہ میں ایک رکوع، سات آیتیں، پچیس الفاظ اور ۱۲۳ حروف ہیں (ضیاء القرآن)۔

بسم اللہ کے فضائل

بِسْمِ اللهِ......الآیة۔

قدیم الایام سے لوگوں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے کام کا آغاز اپنے اکابر کے نام سے کیا کرتے

تھے۔کوئی خدا کے نام سے تو کوئی باپ' بیٹے اور روح القدس کے نام سے اور کوئی لات ومنات کے نام سے۔تو کوئی اور کسی مزعومہ خدا کے اوتار کے نام سے۔اسلام جو کہ زمانہ جاھلیت کی رسوم ورواج کومٹانے کے لیے آیا ہے'اس نے حکم دیا کہ ہر کام کا آغاز''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ '' پڑھ کرخدا کے نام سے کیا جائے۔

کتب فریقین میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا۔''کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللہ فھو ابتر''یعنی ہر وہ کام جس کا آغاز بسم اللہ سے نہ کیا جائے وہ' ناقص ہوتا ہے(الدر المنثور'المیزان)۔

جناب ابن عباس حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا:

" اذاقال المعلّم للصبی قل بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ فقال الصبی بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کتب اللہ برائۃً للصبی و برا ئۃً لابویہ و برائۃً للمعلّم "

یعنی جب معلم کسی بچہ سے کہے' کہو۔بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اور بچہ کہے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ تو خداوندعالم بچہ کیلئے'اس کے والدین کے لیے اور معلّم کیلئے آتش دوزخ سے نجات کا پروانہ لکھ دیتا ہے۔(مجمع البیان)

ابن مسعود سے منقول ہے۔کہا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے انیس داروغوں سے نجات عطا فرمائے وہ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ '' پڑھے جس کے انیس حرف ہیں تاکہ خدائے تعالیٰ اس کے ہر ہر حرف کو ہر ہر داروغہ سے بچاؤ کی ڈھال بنائے۔(مجمع البیان)

حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔

''انّ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اقرب الیٰ اسم اللہ الا عظیم من سو ا د العین الی بیاضھا''

یعنی جس قدر آنکھ کی سیاہی اس کی سفیدی کے قریب ہے اس سے زیادہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اسم اعظم سے قریب ہے۔(عیون الاخبار)

بسم اللہ سے کام کی ابتداء کرنے کے فوائد

خدا کے نام سے کام کا آغاز کرنے کے بڑے فوائد ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱)۔ایسا کرنے سے آدمی کئی برے کاموں سے بچ جاتا ہے کیونکہ جب اسے ہر کام کرنے کی ابتداء

خدا کے نام سے کرنے کی عادت ہوجائے گی تو وہ برے کام کے آغاز پر یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ آیا وہ اس کام پر خدا کا نام لے سکتا ہے یا نہ۔ اس صورت میں اسے اپنے کام کی برائی کا احساس ہوگا۔

(۲)۔ جب آدمی خدا کا نام لے کر کسی کام کو شروع کرے گا تو خدا اپنی تائید وتسدید اس کے شامل حال کرے گا۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔

(۳)۔ اس سے بندہ کا اپنے آقا سے رابطۂ بندگی استوار ہوگا اور جب وہ ہر کام سے پہلے خدا کا نام لے گا تو اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ہر ہر نعمت کا عطا کرنے والا خدا ہے' مسبّب الاسباب خدا ہے۔ اس طرح خدا سے تجدید عہد ہوجائے گی اور اس پر یہ حقیقت آشکار ہوجائے گی کہ خدائے مہربان نے کائنات ارضی وسماوی کی ہر ہر چیز اس کی خدمت کے لیے لگا رکھی ہے اور یہ بات اسے سوچنے پر مجبور کرے گی کہ جب ہر چیز اس کے لیے ہے تو وہ کس کے لیے ہے؟ بقول سعدیؔ شیرازی

ابرو باد و خورشیدہ فلک درکار اند
تاتونانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (سورہ بقرہ آیت۔۲۹)۔

(۴)۔ اس سے انسان کی ذہنیت صحیح سمت اختیار کرے گی اور وہ غلط نقطہ سے اپنے کام کا آغاز کرنے سے بچ جائے گا۔ اور بے برکتی اور شیطان کی فتنہ سامانیوں سے محفوظ رہے گا اور وہ بڑی روحانی مسرت وشادمانی اور کیف ایمانی کے ساتھ کہے گا یا اللہ!

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

سورہ برائت کے سوا بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے

اس بات پر تو سب فرقہ ہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ کلام الٰہی ہے اور اس پر احترام واکرام کے تمام قرآنی احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ نحل میں جزء آیت ہے مگر اختلاف اس میں ہے کہ آیا وہ سورہ برائت کے سوا باقی تمام سورتوں کا جزء ہے یا یہ ہر دو سورتوں کے درمیان مستقل آیت ہے جو دو سورتوں کو الگ کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے؟ سو سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی احادیث صحیحہ بلکہ متواترہ کی بنا

پر تمام علماء وفقہا امامیہ کا اس کے جزء سورہ ہونے پر اتفاق ہے اور مکہ وکوفہ کے قاریوں اور برادران اسلامی کے ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی اور عبد اللہ بن مبارک کا بھی یہی مذہب ہے۔(تفسیر حقانی جلد ۱ ص ۷ وغرائب القرآن جلد ۱ ص ۲۸)

باقی حضرات اسے جزء سورہ نہیں سمجھتے۔ فاضل رازی نے اعتراف کیا ہے کہ چونکہ بنی امیہّ آل محمد علیہم السلام کے آثار مٹانا چاہتے تھے اس لیے بسم اللہ کے پڑھنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۶۰ طبع مصر)۔

علامہ علی نقی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں

''تواریخ واخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ بآواز بلند پڑھنے کا طریقہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے عہد معاویہ تک برابر قائم رہا۔ سب سے پہلے اس میں تغیرّ امیر شام معاویہ نے کیا اور مدینہ میں آکر جب پہلی دفعہ اس نے بغیر بسم اللہ کے اور رکوع وسجود کے لیے جھکتے وقت تکبیر کو ترک کرتے ہوئے نماز پڑھائی تو مہاجرین وانصار میں شور برپا ہو گیا کہ''یا معاویۃ سرقت من الصّلواۃ این بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ والتکبیر عند الرکوع والسجود ''۔یعنی اے معاویہ! تو نے نماز میں سے چوری کی۔بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کیا ہوگئی؟ اور رکوع وسجود کے وقت تکبیریں کدھر گئیں؟ مجبور ہو کر معاویہ کو بسم اللہ اور تکبیروں کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھانا پڑی''(فصل الخطاب)۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں۔''کان معاویۃ شدید الشّکیمۃ ذا شوکۃ فلو لا انّ الجھر بالتسمیۃ کان مقرار عند کل الصحابۃ لم یجسر واعلی ذا لك''۔یعنی معاویہ بڑے طمطراق اور شان وشوکت کے آدمی تھے تو اگر بسم اللہ کا بآواز بلند کہنا تمام صحابہ کے نزدیک متفق علیہ نہ ہوتا تو وہ اس کی جرات کبھی نہ کرتے (غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۹)

مگر بعد کے مسلمانوں کی اکثریت کا عمل امیر شام ہی والے طریقہ پر ہو گیا۔جس کے برخلاف ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے نہ صرف بسم اللہ کو جزء قرآن بتایا بلکہ نمازیں (چاہے وہ اخفاتی ہوں) اسے بالجہر کہنے کی تاکید فرمائی (فصل الخطاب)۔

بسم اللہ کے فقہی احکام؟

فقہ جعفریہ کے مطابق نماز وغیرہ میں الحمد للہ اور دیگر سورتوں کے ساتھ (بجز سورہ برائت کے) بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے اور اگر نماز فریضہ یا نافلہ میں سورہ الحمد وغیرہ کے ساتھ بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو نماز باطل ہو جاتی

ہے۔''ولا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب''۔

نماز جہری ہو یا اخفاتی اس کی پہلی دو رکعتوں میں بسم اللہ کا بالجہر پڑھنا مستحب ہے۔

بسم اللہ کی نحوی ترکیب

بسم اللہ تین اجزاء سے مرکب ہے باءٗ اسم اور اللہ۔ حرف باء عربی زبان میں متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں تین معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

ا۔ استعانت = یعنی کسی سے مدد حاصل کرنا۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے فرمایا۔

استعین علی اموری کلھا باللہ۔ میں اپنے تمام امور میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں۔ (کتاب التوحید)

۲۔ مصاحبت = یعنی کسی کا کسی کے ساتھ ہونا۔

۳۔ تبرک = یعنی کسی سے برکت حاصل کرنا۔

بنابریں نحوی ترکیب یوں ہوگی کہ باء حرف جار اور اسم مجرور اور مضاف اور اللہ مضاف الیہ اور موصوف اور الرحمن الرحیم یکے بعد دیگرے اس کی دو صفتیں۔ پس موصوف اپنی دونوں صفتوں سمیت اپنے مضاف سے ملکر حرف جار کا مجرور ہوا اور یہ حرف کسی مناسب مقام فعل جیسے ابدأ یا اقرأ وغیرہ سے متعلق ہوا اور سب جار و مجرور باہم ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ حرف باء کے مذکورہ بالا تین معنوں کے لحاظ سے بسم اللہ کے بالترتیب یہ معنی ہوں گے۔ ''اللہ کے نام کی مدد سے''۔ ''اللہ کے نام کے ساتھ''۔ اور تیسرا معنی اللہ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں۔ ''ابتداء کرتا ہوں'۔ پڑھتا ہوں''۔ اس طرح ارشاد قدرت۔ ''اقرأ باسم ربک' 'اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھ۔ کی تعمیل بھی ہو جائے گی۔

استغاذہ کا بیان

ارشاد قدرت ہے''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ''(سورہ نحل آیت۔ ۹۸) (جب قرآن مجید کی تلاوت کرو تو مردود شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو)۔ اس لئے باتفاق تمام اہل اسلام نماز وغیرہ میں تلاوت قرآن سے پہلے اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ یا اَعُوْذُبِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھی جائے گی۔ مخفی نہ رہے کہ یہ استعاذہ اور بسم اللہ دونوں اکٹھا پڑھنے کا استحباب صرف تلاوت قرآن کے ساتھ مختص ہے اسکے علاوہ دوسرے تمام کاموں کے آغاز میں صرف بسم اللہ کا پڑھنا کافی ہے۔

سورہ الحمد کی سات آیتیں کونسی ہیں؟

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ الحمد کی کل آیتیں سات ہیں اب اگر بسم اللہ کو اس کی آیت قرار دیا جائے تو پھر تو ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ '' سے آخر تک ایک آیت شمار ہوگی۔ ورنہ بصورت دیگر ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کو ایک آیت اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ'' کو علیحدہ آیت قرار دینا پڑے گا۔

سورہ الحمد کے مطالب کا خلاصہ

سورہ الحمد سات آیتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی آیتوں میں خالق و مالک کی حمد وثناء ہے' آخری آیتوں میں بندہ کی جانب سے دعا و استدعا ہے جو خود خداوند عالم نے بندہ کو تعلیم دی ہے۔ اور درمیانی آیت میں کچھ عبودیت و بندگی کا اقرار' کچھ مالک کی کبریائی اور کچھ اپنی عاجزی کا اظہار ہے۔ اور قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے تمام مطالب و معانی کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے گویا سورہ فاتحہ ایک متن ہے اور تمام قرآن اس کی شرح یا وہ اجمال ہے اور پورا قرآن اس کی تفصیل۔ یا سورہ الحمد ایک دعا ہے بندہ کی طرف سے اور قرآن اس کا جواب ہے اللہ کی طرف سے بندہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! میری راہنمائی کر! جواب میں پروردگار پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ وہ ہدایت و راہنمائی ہے جس کی تو نے مجھ سے درخواست کی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

اس اجمال وتفصیل کا ایک اور منظر

اس اجمال وتفصیل کا نمونہ یہ بھی ہے کہ سورہ فاتحہ میں وارد ہے۔

(اَلْحَمْدُ) قرآن مجید میں خداوند کریم کی تمجید' تحمید' تسبیح' تقدیس' تہلیل' تکبیر' شکر و رضا جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لفظ الحمد میں ان کا اجمالی خاکہ ہے۔

(لِلّٰهِ) قرآن مجید میں جس قدر صفات جلال و کمال ذات احدیت کیلئے بیان ہوئے ہیں لفظ للہ میں ان سب کا اجمال ہے۔

(رَبِّ) قرآن مجید میں جہاں جہاں ربوبیت کا تفصیلی ذکر ہے۔ لفظ رب میں وہ اجمالاً موجود ہے۔

(الْعٰلَمِيْنَ) قرآن مجید میں آسمانوں' زمینوں' جنوں' انسانوں' وحوش وطیور' انبیآء و اولیاء' نیکوں اور بروں بلکہ جمیع مصنوعات کی جس قدر تفصیل ہے وہ العالمین میں بند ہے۔

(الرَّحْمٰنِ) قرآن مجید میں جس قدر رزق' انعام احسان' اکرام وغیرہ مذکور ہیں لفظ الرحمٰن ان سب پر مشتمل ہے۔

(الرَّحِيْمِ) کلام مجید میں جہاں کہیں وسعت رحمت اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے لفظ الرحیم سب کو شامل ہے۔

(مٰلِكِ) قرآن شریف میں جہاں بھی خدا کی قدرت' عظمت' اس کی بقا و سرمدیت اور اس کا بے مثل و بے مثال اور لاشریک ہونا مذکور ہے۔ یہ سب کچھ کلمہ مالک میں جمع ہے۔

(يَوْمِ الدِّيْنِ) پورے قرآن میں جس قدر قیامت' مواقف حساب' نعمت و جملہ احوال بہشت اور دّرکات جہنم' میزان و صراط وغیرہ کے تفصیلی تذکرے ہیں وہ لفظ ''يَوْمِ الدِّيْنِ'' میں سمائے ہوئے ہیں۔

(اِيَّاكَ نَعْبُدُ) جملہ عبادات جن کا قرآن میں ذکر ہے وہ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے اندر موجود ہیں۔

(وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) کلام اللہ میں ذکر استعانت' توکل اور طلب مدد جہاں بھی مذکور ہے۔ وہ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴'' میں مندرج ہے۔

(اِهْدِنَا) قرآن میں ہدایت' ارشاد' دعا و سوال اور تضرع وغیرہ کا جہاں ذکر ہے۔ ''اھدنا'' اس کا جامع ہے۔

(الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) قرآن پاک میں جملہ حلال و حرام اور اوامر و نواہی اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

(صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کتاب پاک میں جس قدر نیک لوگوں کے حالات' ان کے طریقے' ان کی سنتیں' سیرتیں' ان کا سبب نجات اور بلندی درجات وغیرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ان لفظوں میں اختصار کے ساتھ مندرج ہیں۔

(غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) بنی اسرائیل کے حالات' قصص' ان کا کفران نعمت' تکذیب انبیاء و قتل انبیاء ان کا گناہوں پر اصرار اور پھر ان پر غضب خدا و عذاب کا نزول قرآن میں جتنی تفصیل سے مذکور ہے وہ غیر المغضوب علیھم میں سمایا ہوا ہے۔

(وَلَا الضَّآلِّيْنَ) فرعونوں' جابر بادشاہوں' نصرانیوں اور مشرکوں اور گمراہوں کی پوری تفصیل کا یہ اجمالی عنوان ہے۔ پس اسی لئے سورہ فاتحہ کو تمام قرآنی سورتوں پر مقدم کیا گیا کیونکہ اجمال تفصیل سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ (انوار النجف بحوالہ خزینۃ الجواہر نہاوندی)۔

دین حق کا حاصل اور سورۂ فاتحہ!

دین حق کا ماحصل کیا ہے؟ اس موضوع پر جس قدر غور وفکر کیا جائے چار چیزوں کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔(۱) خدا اور اس کی صفات کا صحیح تصور (۲) قانون مجازات کی عالمگیریت کہ جس طرح دار دنیا میں ہر چیز کی ایک تاثیر ہوتی ہے۔اسی طرح آخرت میں بھی انسانی اعمال کی ایک تاثیر ہے یعنی نیک عمل کی تاثیر اچھائی اور بُرے عمل کی بُرائی۔(۳) معاد اور جزاء وسزا کا معاملہ (۴) فلاح کونین اور سعادت دارین کی راہ اور اس کی معرفت جیسے امور کا اجمالی تذکرہ سورہ فاتحہ میں ہے اور تفصیل قرآن میں۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر

اَلْحَمْدُ...الآیة۔

اسے اردو زبان کی تنگ دامنی ہی سمجھنا چاہیے کہ اس میں لفظ حمد کے کوئی ہم معنی لفظ موجود نہیں ہے جو اس کی تمام خصوصیات پر دلالت کرتا ہو۔ لے دے کے اردو میں لفظ تعریف ہی ملتا ہے۔یہی نہیں حالانکہ یہ لفظ جہاں حمد کا ترجمہ ہے وہاں مدح کا ترجمہ بھی ہے۔جبکہ مدح اور حمد میں ایک نمایاں فرق ہے کہ مدح ہمیشہ اختیاری افعال کی ہوتی بلکہ غیر اختیاری افعال کی بھی ہوتی ہے۔جیسے ہیرے کی چمک، جگنو کی دمک، دریا کی روانی اور چاند کی درخشانی۔مگر حمد اس ثناء جمیل کا نام ہے جو کسی ذات کے اچھے مگر اختیاری فعل پر کی جائے۔الحمد پر جو الف لام ہے یہ استغراق کیلئے بھی ہوسکتا ہے اور جنس کیلئے بھی بنابریں الحمد للہ کے معنی یہ ہوں گے ہر تعریف، ہر قسم کی تعریف اور سب حمد وثناء صرف اللہ کے لئے ہے۔کیونکہ کائنات میں جو کچھ خوبی ہے یا کوئی کمال پایا جاتا ہے۔وہ سب اسی سے ہے اور اسی کے ابر کرم کا فیض ہے اور ہر فعل خیر یا براہ راست اسی کا عمل ہے یا دوسرے کا ہے تو پھر اسی کی ترغیب اور اسی کی توفیق سے ہے۔لہٰذا اس کی تعریف کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔

الغرض اس عالم رنگ وبو میں لاکھوں باکمال ہستیاں موجود ہیں اور کروڑوں حسین وجمیل چیزیں انسان کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔اور اپنی تعریف وتوصیف پر مجبور کرتی ہیں لیکن اگر تھوڑا سا غور وفکر کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان چیزوں کے پس منظر میں صناع ازل کے دست قدرت کی صناعی ورعنائی کارفرما ہے۔لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کمال کسی قسم کا ہو اور کہیں بھی ہو۔جمال کسی قسم کا ہو اور کسی شکل میں ہو اسی ذات والا صفات کے حسن خلقت اور حسن تدبیر کی کرشمہ سازی ہے اس لئے بظاہر تعریف کسی کی بھی کی جائے۔اور جس رنگ میں کی

جائے دراصل وہ تعریف اسی ذات ذوالجلال کی ہے جس کی قدرت واختیار کی یہ سب جلوہ نمائی ہے۔

لِلّٰهِ...الآ یة۔

اللہ خدائے واحد و یکتا کا وہ اسم ذات ہے جو جامع جمیع صفاتِ جمال وجلال اور کمال ہے۔اور جس کا اطلاق کسی اور ذات پر نہیں ہوسکتا۔اس کے سوا جتنے الفاظ واسماء اس کیلئے استعمال ہوتے ہیں وہ اسماء صفات ہیں جو اس کی کسی نہ کسی صفت اور اس کے کسی نہ کسی کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔جیسے رحمن، رحیم، علیم حکیم اور خبیر وقدیر وغیرہ وغیرہ مگر اللہ کا لفظ ان تمام اسماء وصفات کا جامع ہے اور ان پر حاوی ہے۔نزول قرآن سے پہلے بھی عربی زبان میں اللہ کا لفظ خدا کے لئے بطور اسم ذات مستعمل تھا جیسا کہ شعراء جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے لبید کا شعر ہے۔

الاکل شئی ما خلا اللہ باطل
و کل نعیم لا محالة زائل

قرآن نے بھی اسی لفظ کو بطور اسم ذات اختیار کیا ہے اور باقی تمام صفات کو اس کی طرح نسبت دی ہے۔''وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا''(اعراف آیت ١٨٠)اللہ کے لئے بڑے اچھے نام ہیں پس اسے انہی ناموں سے پکارو۔ارشاد قدرت ہے۔''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ''(لقمان آیت۔٢٥)۔اگر تم ان (مشرکین عرب) سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقینا کہیں گے کہ اللہ نے۔ہم اس اسم ذات کی اشتقاق کی لایعنی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ وہ ''الہ'' سے مشتق ہے یا ''ولہ'' سے؟ پھر اس کے لفظی معنی کیا ہیں؟ مگر ہم صرف یہ کہنا چاہیں گے کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''سب سے قوی قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل ''الہ'' ہے اور ''الہ'' کے معنی تحیر ودرماندگی کے ہیں پس خالق کائنات کے لئے یہ لفظ اس لئے اہم قرار پایا کہ اس کے بارے میں انسان جو کچھ جانتا ہے اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور وخوض کرے گا اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی یہاں تک کہ وہ معلوم کرے گا کہ اس کی راہ کی ابتداء بھی عجز وحیرت ہی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز وحیرت ہی ہے۔(ترجمان القرآن)۔

اے بیرون از و ہم وقال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

رَبِّ... الآیة۔

''رَبِّ ''اسم صفت ہے جس کے معنی ہیں تربیت کرنے والا۔اور تربیت نام ہے کسی چیز کواس کی ذاتی و فطری صلاحت کے مطابق تدریجی طور پراس کی نشوونما کرتے ہوئے اسے اس کے مناسب حال کمال تک پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور''رب '' بھی۔ خالق کا لفظ بتاتا ہے کہ خلعت و جود عطا کرنے والا خدا ہے۔ اور ''رَبِّ '' کا لفظ بتاتا ہے کہ اس کی بقا کا ضامن اوراس پر نظرتوجہ کرنے والا اور رفتہ رفتہ اسے اس کے مناسب حال حد کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔اور ہر ہر لحہ اس کے وجود کا فیض چارسو جاری وساری ہے۔شریعت مقدسہ کی اصطلاح میں اضافت کے بغیر علی الاطلاق یہ لفظ اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔کسی اور کو ''رب '' کہنا جائزنہیں ہے۔اسی بنا پرائمہ طاہرین علیہم السلام کی متعدد احادیث میں وارد ہے کہ''لا تدعونا اربابا ' خبردار! ہمیں کبھی رب نہ کہنا (مرآۃ الانوار' بحارالانوار وغیرہ)۔کیونکہ ہرمخلوق خودتربیت کی محتاج ہے۔لہٰذا جومربوب ہووہ کسی کا رب نہیں ہوسکتا۔''کما لا یخفی ''۔

الْعٰلَمِیْنَ......الآیۃ۔

یہ''عالم '' کی جمع ہےاور''عالم ''اسم جمع ہے جن' انس' نفر' جیش اورقوم کی طرح۔مگراس کا کوئی واحدنہیں ہےاس کے معنی توجمیع ماسوی اللہ کے ہیں۔اس لحاظ سے تو پوری کائنات ایک ہی عالم ہے پھراس کی جمع بنانے کا کیا مقصد؟مگرعرفی طور پر ہر ہر جنس' ہر ہر نوع اور ہر ہر صنف اورمخلوقات کی ہر ہر قسم کوایک عالم کہا جاسکتا ہے۔اجناس جیسے عالم جمادات' عالم نباتات اور عالم حیوانات وغیرہ۔انواع جیسے عالم ملائکہ' عالم جن اور عالم انسان وغیرہ۔اصناف جیسے عالم عرب' عالم عجم وغیرہ۔نیز ہرصدی کواس کی ہرصنف کے ساتھ عالم کہا جاسکتا ہے۔ جیسے عالم قرن اول' عالم قرن دوم-وعلی ھذا القیاس ،اقسام جیسے عالم مجردات' عالم جسمانیات' عالم علویات' عالم سفلیات' عالم لطیفات' عالم کثیفات' عالم مفردات اور عالم مرکبات وغیرہ وغیرہ۔پھران سب عوالم میں عالم انسان اشرف ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

یہ عالم کس قدر ہیں؟

ایک وقت تھا کہ اس ربعِ مسکون کی سات اقلیموں کو عالمین کہا جاتا تھا۔پھرانسان نے جب کچھ علمی آنکھ کھولی تو کہا کہ عالم چودہ ہیں (جنہیں چودہ طبق بھی کہا جاتا ہے) پھرجب کچھ علمی کروٹ لی۔تو کہا کہ عالم چودہ ہزار ہیں پھرمزید علمی ترقی کی تو کہا کہ عالم اٹھارہ ہزار ہیں۔جب پھرمزید شاہراہ ترقی پرقدم رکھا تو کہا کہ عالم چالیس ہزار ہیں (یہ قول جناب ابوسعید خدری کی طرف منسوب ہے)اور جناب مقاتل سے منقول ہے کہ عالم اسی

ہزار ہیں (قرطبی)۔

یہ سب قول تو آج سے صدیوں پہلے کے ہیں جبکہ فضا و خلا کی سیر اور اس کی پیمائش کے آلات اور اسباب ہنوز ایجاد نہیں ہوئے تھے مگر آج کے جدید سائنسدان تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا یہ سورج کروڑ در کروڑ سورجوں میں ایک ہے جن میں ہر ایک سورج کا دوسرے سورج سے فاصلہ روشنی کی رفتار سے کئی کئی سال کا ہے۔ اور ان سورجوں سے ایک دنیا ہمیں نظر آتی ہے جو رات کو ہمیں روشنی کے ایک بڑے بادل کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ سطح فلک کو طے کرتی ہوئی گزرتی ہے اور ہم اسے کہکشاں کہتے ہیں اور یہ عالم اپنے پورے احاطہ کے ساتھ کروڑ در کروڑ عالموں میں سے ایک ہے جن میں سے ہر ایک کا عرض و طول ہزار ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے (رسالہ العلم والحیوۃ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۴۵ء جو ممتاز علماء فضلاء کی معاونت سے شائع ہوتا رہا ہے۔ بحوالہ تفسیر فصل الخطاب)۔

یہ بھی ۱۹۴۵ء کی بات ہے اور اب جبکہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں اب تو دنیا اور بھی زیادہ ترقی کر گئی ہے اور اب تو ماہرین سائنس یہ کہہ رہے ہیں کہ قادر مطلق نے اس قدر غیر متناہی اور بڑے عوالم پیدا کئے ہیں کہ اگر ہمارے پورے نظام شمسی و قمری کو اپنے ثوابت و سیار اور سورج و چاند اور ستاروں سمیت ان کے مقابلہ میں رکھا جائے تو یوں محسوس ہوگا جیسے لق و دق صحراء میں ریت کا ایک ذرہ ہو۔ (سائنسی معلومات کی انسائیکلو پیڈیا)۔ جل الخالق......................ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

سچ تو یہ ہے کہ

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

اہل ایمان کی آنکھوں کو سائنس کی موجودہ ترقی اور روشنی دیکھ کر خیرہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہمارے پیشوایان دین اور ہادیان یقین اس وقت ہمیں ان چیزوں کی خبر دے گئے ہیں کہ جب اس سائنس اور اس ہیت کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

''ان الله خلق قبل آدم المعلوم عندنا ماة الف آدم و روى عن جعفر الصادق عليه السلام مثله ''

اللہ تعالیٰ نے ان آدم سے پہلے جو عام طور پر معلوم ہیں ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں۔

اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔(محاضرۃ الا وائل ص ۲۳۹ طبع مصر)۔

اورحضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا''ان للہ خلق الف الف عالم و الف الف آدم ''اللہ نے ہزار ہزار عالم اور ہزار ہزار آدم پیدا کئے ہیں (خصال شیخ صدوقؒ)

اس قسم کی متعدد احادث''کتاب الھیئۃ والاسلام''میں مذکور ہیں پہلے اس قسم کی احادیث کو متشابہات میں سے تصور کیا جاتا تھا۔مگر موجودہ استکشافات نے ان کے چہرہ حقیقت سے کچھ پردہ ہٹایا ہے۔''لَعَلَّ اللہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا① ''(سورہ طلاق۔۱) یہ ہے اللہ کی شان ربوبیت جو سمک سے سماک تک اور ثریا سے ثریٰ تک تمام عالمین کی تربیت اور نشوونما کر رہا ہے۔''وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فَتَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۔''

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ...... الآیۃ۔

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور دونوں رحمت سے مشتق ہیں اگر چہ دونوں صفت رحمت کی شدت و قوت کی ظاہر کرتے ہیں مگران دونوں ناموں میں دوفرق ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں رحمت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔

رحمن ورحیم کا باہمی فرق

عربی میں''فعلان ''کا وزن عموماً ایسے صفات کے لئے استعمال ہوتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں جیسے پیاسے کیلئے''عطشان ''غضبناک کے لئے غضبان' سراسیمہ کیلئے حیران اور مست کیلئے سکران۔لیکن ''فعیل ''کے وزن میں صفات قائمہ وثابتہ کا خاصہ ہے یعنی یہ عموماً ایسے صفات کیلئے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں جیسے کریم' کرم کرنے والا' عظیم بڑائی رکھنے والا' علیم علم رکھنے والا اور حکیم حکمت رکھنے والا۔ بنا ربریں الرحمن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں بڑی رحمت ہے۔اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف یہ کہ رحمت ہے بلکہ جس سے ہر وقت رحمت کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ہر آن و ہر لحہ تمام کائنات خلقت اس سے فیضیاب ہو رہی ہے (ام الکتاب)۔

دوسرا فرق جو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ رحمن اس رحمت کو بتاتا ہے جو خالق کی طرف سے بتقاضائے ربوبیت تمام کائنات سے متعلق ہے۔اور جس میں مومن وکافر کی تفریق نہیں ہے اس کے جلوے دنیا

میں آنکھوں کے سامنے نمایاں ہیں اور رحیم اس رحمت کے اظہار کیلئے ہے جو توجہ وعنایت خاص طور پر بعض اشخاص سے متعلق ہوتی ہے اور یہ مومن سے مخصوص ہے۔ جس کا نمایاں ہونا آخرت میں ہوگا۔ اس کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان الفاظ میں بتایا ہے کہ ''الرحمن اسم خاص لصفة عامة والرحیم اسم عام لصفة خاصة ''۔(فصل الخطاب)

یعنی رحمن اسم خاص ہے جس کا اطلاق صرف اللہ کی ذات پر ہوتا ہے مگر عام صفت کے لئے ہے کہ اس کی صفت رحمانیہ تمام کائنات کو شامل ہے اور رحیم اسم عام ہے جس کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے۔ مگر خاص صفت کیلئے ہے۔ کیونکہ اس کی صفت رحیمیہ صرف اہل ایمان سے مخصوص ہے (تفسیر مجمع البیان ونور الثقلین)

یہی وجہ ہے کہ چونکہ لفظ الرحمن خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے لفظ اللہ کی طرح اس کا تثنیہ نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کی رحمت سے کائنات کی کوئی چیز خالی نہ ہو۔ بخلاف لفظ ''الرحیم'' کے کہ چونکہ وہ مخلوق پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے اس کا جمع وتثنیہ آتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ''(سورہ توبہ آیت۔ ۱۲۸)۔ اور اہل ایمان کے متعلق فرماتا ہے۔ ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ''(سورہ فتح آیت۔ ۲۹) وہ آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔

مٰلِكِ...الآية۔

''مٰلِكِ'' کا مفہوم ''القادر علی التصرف فی ماله کیف شاء'' وہ ذات جو اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور اسے کوئی روک ٹوک نہ سکے۔ بعض قاریوں نے اسے ''ملك'' پڑھا ہے۔ مگر پہلی قرائت اکثر واشہر ہے مالک ملک سے ماخوذ ہے ارشاد قدرت ہے ''هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ''(سورہ حشر آیت۔ ۲۳) مالک بھی ہے اور ساری کائنات کا حقیقی ملک و بادشاہ بھی ہے۔

الدِّيْنِ...الآية۔

''الدِّيْنِ'' کے معنی ہیں مکافات اور جزاء۔ حماسی کہتا ہے:

ولم يبق سوى العدوان دناهم كما دانوا۔

اور حدیث میں وارد ہے۔ ''كما تدين تدان'' اور چونکہ جزاء وسزا کی تعیین اعمال کی مناسبت سے ہوتی ہے اور اسی کا نام حساب ہے اس لئے بعض احادیث میں یوم الدین کی تفسیر یوم الحساب کے ساتھ

مروی ہے (تفسیر قمی)۔

روز جزا کی ملکیت کی خصوصیت

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح روز جزا خدا کی ہر چیز پر ملکیت ہوگی اسی طرح آج بھی تمام کائنات پر اسی کی حاکمیت وملکیت ہے۔ پھر روز جزاء کی یہ خصوصیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ دنیا میں بھی حقیقی ملکیت تو خدا کی ہی ہے۔ مگر اس نے اپنے فضل وکرم سے عارضی اور ناقص قسم کی ملکیت انسان کو بھی عطا کر رکھی ہے اس لئے یہاں آدمی مال ودولت کا مالک ہے زمین وجائیدا کا مالک ہے اور کوٹھی وکار وغیرہ کا مالک ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور حقیقی مالک خدا ہی ہے۔ ''لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ''(سورہ بقرہ آیت۔ ۲۸۴)

در حقیقت مالک ہر شی خدا است
ایں امانت چند روزہ پیش ما است

مگر انسان اس عارضی ملکیت کے غرور میں بدمست ہو کر خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ اور کہہ دیتا ہے کہ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ''(نازعات آیت۔ ۲۴) تو خداوند عالم انسان کو متوجہ کر رہا ہے۔ کہ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ جب اس کی یہ عارضی ملکیت بھی بالکل ختم ہو جائے گی اور وہ کسی چیز کا عارضی مالک بھی نہیں رہے گا۔

سب ٹھاٹھ دھرا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

''يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ''(انفطار آیت۔ ۱۹) اس دن کوئی نفس کسی نفس کے لئے کسی چیز کا مالک نہ ہوگا۔ ''وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ''(سورہ انفطار آیت۔ ۱۹) اس دن سب معاملہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہوگا۔ جب ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی تو آواز قدرت آئے گی۔ ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ''(مومن آیت۔ ۱۶) آج کس کی بادشاہی ہے؟ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں اس وقت کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا۔ لہٰذا خود خدا جواب دے گا۔ ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ''(مومن......۱۶) آج اس واحد و یکتا خدا کی حکومت ہے جو ہر چیز پر غالب ہے مگر اس پر کوئی غالب نہیں ہے۔ (نہج البلاغہ)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ...الآية۔

عربی میں عبادت کے معنی ہیں کسی ہستی کے سامنے انتہائی درجہ کی عاجزی و تذلیل کا اظہار کرنا۔ اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ عجز و نیاز کی وہ آخری حد جو کوئی عبد اپنے معبود کے سامنے ادا کرے اور اسکی

ادائیگی کے وقت قصد قربت بھی کرے، ظاہر ہے کہ یہ تذلیل و عاجزی کا اظہار اسی وقت عبادت کہلائے گا جب اس ہستی کو معبود یا اس کا اوتار سمجھ کر کیا گیا۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے اصنام کو الٰہ جانتے تھے۔ یا ہندوستان کے مشرک لوگ بتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی ہستی کو خدا یا خدا کا اوتار نہ مانا جائے بلکہ کسی بزرگ اور محترم ہستی کا صرف کھڑے ہو کر یا قدرے جھک کر احترام کیا جائے تو یہ اس کی عبادت نہ کہلائے گی۔ بلکہ اس کی تعظیم کہلائے گی۔

ہاں البتہ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں غیر اللہ کے لئے تعظیمی سجدہ حرام ہے۔ (جس کی وضاحت کسی مناسب مقام پر کی جائے گی انشاء اللہ)۔ لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے اسی طرح کسی بزرگ کے سامنے اس قدر بھی نہیں جھکنا چاہیے کہ رکوع سے مشابہت لازم آئے۔ ''لان الرکوع والسجود لا یکون الا للّٰہ '' کیونکہ رکوع و سجود صرف ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں (مفاتیح الجنان)۔ خدائے حکیم نے ایاک مفعول کو مقدم کر کے تخصیص پیدا کر دی۔ ''لان تقدیم ما حقه التاخیر یفید التخصیص '' اور بندہ کی زبان سے کہلوایا کہ ہم تیری ہی عبات کرتے ہیں۔ یعنی کسی اور کی نہیں کرتے کیونکہ شرک فی العبادۃ ناقابل معافی جرم ہے۔ '' اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ '' (نساء آیت۔۴۸)

چند فقہی مسائل

اس آیت وافی ہدایہ سے ثابت ہوا کہ خداوند عالم کے سوا اور کسی بھی ہستی کی عبادت و پرستش جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ پرستش رکوع و سجود کی صورت میں ہو یا اس کے نام کی منت ماننے کی صورت میں۔ اور خواہ اس کے گھر اور مزار کا خانہ کعبہ کی طرح طواف کرنے کے طریقہ پر ہو یا کسی کا نام لے کر جانور ذبح کرنے کے سلیقہ پر۔ الغرض خداوند عالم کے علاوہ کسی بھی ہستی کی عظمت اور اس سے عقیدت کی بنا پر اس کے سامنے اس انتہائی درجہ کی عاجزی اور تذلل کا اظہار کرنا جو خدا سے مخصوص ہے۔ ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے اور صریح شرک ہے۔ اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں جو حلف وفاداری اٹھایا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ...الآیۃ۔

''نَسۡتَعِیۡنُ '' استعانت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی سے مدد طلب کرنا ہے یہاں بھی ''ایاك ''مفعول مقدم ہے جو حصر و تخصیص کا فائدہ دیتا ہے مطلب یہ ہوا کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

استعانت کے احکام

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اس مدد سے کونسی مدد مراد ہے جو اللہ سے مخصوص ہے؟ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خالق حکیم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ اس لئے کوئی بھی آدمی اپنے تمام امور معاش ومعاد تن تنہا انجام نہیں دے سکتا بلکہ وہ اپنے اکثر و بیشتر امور میں بنی نوع انسان کے تعاون کا محتاج ہے اور مادی اسباب کے تحت ہر انسان دوسرے انسان سے مدد لیتا ہے اسی بناء مالک حکم نے مسلمانوں کو امداد باہمی کا بار بار حکم دیا ہے اور وعدہ وعید، ثواب وعقاب کے ذریعہ اس کی تحریص و ترغیب دلائی ہے ارشاد فرمایا ہے۔ ''وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ''(سورہ مائدہ آیت۔ ۲) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو خیر الناس قرار دیا ہے جو انفع الناس کا مصداق ہے۔ اور جو شخص نفع کی بجائے لوگوں کو نقصان پہنچائے اسے حضرت امیر علیہ السلام نے بدترین خلائق ٹھہرایا ہے۔ اور اسلام کے مزاج شناس شعراء نے یہاں تک کہا ہے اور بالکل بجا کہا ہے کہ

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

بنا بریں دین حق کی نصرت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرکے نبی و امام کی کمر مضبوط کرنا، اسلام کی نشر و اشاعت کرنا، گمراہ کو راہ راست دکھانا، مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم وجور سے آزاد کرانا، فقراء ومساکین کی امداد واعانت کرنا، بھوکے کو روٹی کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا، محتاج کو قرضہ دینا اور گرفتار بلا کی اخلاقی و مادی مدد کرنا، حکیم کی طرف رجوع کرنا اور اس سے علاج کرانا وہ کارہائے خیر اور بلند اخلاقی امور ہیں جن کی شرع انور میں تاکید مزید کی گئی ہے لہٰذا اس قسم کی باہمی مدد ونصرت کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس مدد سے جو اللہ سے مخصوص ہے مراد ان امور میں مدد طلب کرنا ہے جو انسانی قوت وطاقت اور قدرت و دسترس سے بالاتر ہیں۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جلانا، روزی دینا، بیمار کو شفاء دینا اور مضطر کی دعا و پکار سن کر اس کی مصیبت کو دور کرنا وغیرہ وغیرہ۔ جن کو ''امور تکوینیہ '' کہا جاتا ہے۔ جن کی انجام دہی اور وہ بھی بطور وظیفہ اور ڈیوٹی کسی بھی مخلوق کو کسی بھی طرح سپرد نہیں کی۔ نہ بطور تفویض، نہ بلحاظ توکیل اور نہ بطریق آلات وغیرہ۔ ''بل له الخلق والامر: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۝ ''(ملک آیت۔ ۱)۔

لہٰذا کسی نبی و رسول یا ولی و امام سے ان امور میں یہ سمجھ کر مدد مانگنا کہ خدائے قدیر نے اپنی قدرت سے ان امور کی انجام دہی ان سے وابستہ کی ہے۔ اور اس کو مختار مطلق سمجھ کر یا باذن اللہ لوگوں کی حاجت روائی

کرنے والا سمجھ کر حرام ہے قرآن اسے شرک جلی قرار دیتا ہے۔ اور اسے مشرکوں کا عمل وطریقہ قرار دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں عام لوگوں کو انبیاء وائمہ علیہم السلام کے معجزات اور صالحین امت کے کرامات سے غلط فہمی ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے مقدس ہاتھوں پر اس قسم کے خارق عادت امور کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس سے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ خدا نے ان کاموں کی انجام دہی ان بزرگوں کے سپرد کر دی ہے۔ اور وہ یہ نہیں جانتے یا بھول جاتے ہیں کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدائے قادر وقدیر ہوتا ہے جو لوگوں پر ان ذوات مقدسہ کی حقانیت وصداقت ظاہر کرنے کیلئے ان کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ ان حضرات کا خدا کی بارگاہ میں دعا واستدعا کرنے کے سوا اس کام کے وجود میں لانے میں کوئی دخل واختیار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآنی آیات اور معصومینؑ کی روایات سے یہ حقائق واضح وآشکار ہیں۔ جو حضرات ان امور کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہیں وہ ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ نیز اس تفسیر میں بھی مناسب مقامات پر اس امر کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ انشاءاللہ۔

وسیلہ اختیار کرنے کا حکم اور اس کا طریقہ کار

ہاں البتہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق ان امور تکوینیہ میں انبیاء وائمہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ سے توسل حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' (سورہ مائدہ آیت۔ ۳۵)۔ یعنی اے ایمان والو! تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور اس کی بارگاہ میں (رسائی حاصل کرنے کیلئے) وسیلہ تلاش کرو نیز فرمایا ہے ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝۶۴'' (سورہ نساء آیت۔ ۶۴) ''یعنی جب ان لوگوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر اس وقت وہ تمہارے پاس آجاتے اور خدا سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (تو) بھی ان کیلئے مغفرت طلب کرتا (ان کی بخشش کی سفارش کرتا) تو یقینا خدا' کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔'' اب اس توسل کا احسن واولی طریقہ کار تو یہ ہے کہ خطاب خدا سے کیا جائے اور ان حضرات کی ذوات مقدسہ یا ان کی عزت وعظمت اور ان کی عصمت وطہارت کا واسطہ دے کر یہ امور خدا سے طلب کئے جائیں۔

ہاں البتہ ان محبوبان کبریا کی بارگاہ میں بھی یہ درخواست کی جاسکتی ہے کہ وہ حقیقی حلال مشکلات کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہماری حاجت برآری کرا دیں اور ہماری مشکل کی کشود کاری کرا دیں۔ اس طرح بطور وسیلہ ان کی مدد برحق ہے اور یہ ایاک نستعین کی حلف وفاداری کے منافی نہیں ہے۔ مگر ہمارے نزدیک احوط اور اولی

بلکہ متعین یہی ہے۔کہ پہلے طریقہ پر ہی عمل کیا جائے انشاءاللہ،

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ میں جمع کے صیغے استعمال کرنے کی حکمتیں

اس آیت میں جمع کے جو صیغے استعمال کے گئے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں مثلاً

(۱)۔اس طرح اجتماعیت کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز باجماعت نماز فرادیٰ سے بدرجہا افضل ہے اور اگر آدمی فرادیٰ بھی پڑھے تو جمع کے صیغے استعمال کرے تاکہ ظاہر ہو کہ وہ بارگاہ خدا میں جو عرض معروض کر رہا ہے وہ اس میں اکیلا نہیں ہے بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کا نمائندہ ہے جو کہہ رہا ہے وہ سب کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جو خدا سے مانگ رہا ہے وہ سب کیلئے مانگ رہا ہے۔

(۲)۔نماز افضل ترین عبادت ہے اور اس کی قبولیت کیلئے حضور قلب اور خلوص نیت شرط اولین ہے اور یہ چیز ہر آدمی کو میسر نہیں ہے۔اس لئے اس نے اپنی عبادت کو دوسروں کی عبادت میں شامل کر دیا تاکہ ان کی برکت سے اس کی نماز بھی قبول ہو جائے۔

(۳)۔یہ عبادت کیوں واجب ہے؟ اس لئے کہ معبود، کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار ہے اور ظاہر ہے کہ اس محسن اعظم کا یہ احسان کسی خاص بندہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ رب العالمین ہے لہٰذا سب پر اس کی عبادت واجب ہے اسلئے بندہ کہتا ہے کہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

۴۔اگر واحد کا صیغہ استعمال کیا جاتا کہ ''ایاک اعبد'' میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں تو اس سے انانیت کا اظہار ہوتا کہ میں عبادت کرتا ہوں۔(یعنی اور کوئی نہیں کرتا) تو اس انانیت اور غرور کو ختم کرنے کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔تاکہ واضح ہو جائے کہ صرف میں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں اور بھی خدا کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ...الآیۃ۔

اس سورہ مبارکہ میں اب تک بندوں نے جو کچھ خدا کی حمد وثنا کی ہے اور اس کی مالکیت و کبریائی اور اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار کیا ہے اس کے نتیجہ میں خدا سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا و استدعا کر رہا ہے۔

ہدایت کے معنی اور اس کے اقسام

لغت میں ہدایت کے معنی راہنمائی کرنے کے ہیں۔اب یہ راہنمائی دوطرح متصور ہوسکتی ہے ایک یہ کہ راہ روکوصرف راستہ دکھا دیا جائے کہ یہ راستہ منزل مقصود کی طرف جاتا ہے اب اس پر چلنا یا نہ چلنا راہرو کا کام ہے۔ دوسرے یہ کہ راہرو کو منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے۔ جہاں تک پہلے معنی کے اعتبار سے ہدایت یعنی راہنمائی کرنے کا تعلق ہے تو وہ خداوند عالم انبیاء ومرسلین اور پیشوایان دین کے ذریعہ سے اسے ہر مسلم وکافر ہر مومن وبے ایمان اور ہر نیک وبد کو کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔''اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۝۳ ''ہم نے ہر انسان کو راہ راست کی راہ نمائی کر دی ہے۔خواہ وہ ایمان لائے یا کفر اختیار کرے(سورہ دھر آیت۔۳)۔''وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ''ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں(سورہ بلد آیت۔۱۰) ایک اور جگہ فرماتا ہے۔''وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ''ہم نے قوم ثمود کو راہ راست کی راہنمائی کی تھی مگر اس نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا(سورہ حم سجدہ آیت۔۱۷) بلکہ تکوینی طور پر کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ جمادات' نباتات اور حیوانات کو بھی راہ راست کی ہدایت کرتا ہے چنانچہ خود فرماتا ہے''اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ' خدا وہ ہے جس نے پہلے ہر شے کو خلقت عطا کی اور پھر اسے مناسب حال ہدایت کی (سورہ طٰہٰ آیت۔۵۰) پھر سورہ اعلیٰ میں فرماتا ہے۔''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى۝۲ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى۝۳ ''اپنے اس پروردگار کی تسبیح کرو۔جس نے کائنات کو پیدا فرمایا یعنی ٹھیک بنایا اور جس نے مقدر کیا اور راہنمائی کی (سورہ اعلیٰ آیت۔۱،۲،۳)۔

خدا کی اسی فطری وتکوینی ہدایت وراہنمائی کا ثمرہ ہے کہ کائنات کی تمام اجناس انواع اور اصناف اپنا مجوزہ فرض بڑی خوش اسلوبی سے اپنے مقصد خلقت کو ادا کر رہی ہیں۔اور جہاں تک دوسرے معنی کے لحاظ سے ہدایت کا تعلق ہے۔تو خداوند عالم اپنے لطف وکرم سے اس کا افاضہ اپنے ان خاص بندوں پر توفیق کی صورت میں کرتا ہے جو خلوص نیت اور طلب صادق کے ساتھ خدا سے ہدایت وراہنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے''وَ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ''جو لوگ ہمارے بارے میں جد وجہد اور کاوش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت وراہنمائی کر دیتے ہیں۔(سورہ عنکبوت آیت۔۶۹) اس لیے ان کے لئے ہدایات الٰہیہ کا قبول کرنا اور ان پر عمل درآمد کرنا بالکل آسان ہوجاتا ہے۔ایک اور جگہ فرماتا ہے۔''وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى ''جو لوگ مزید ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں ہم ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتے ہیں (سورہ محمدؐ آیت۔۱۷) یہی وہ مقام ہے جہاں بڑے سے بڑا نیکوکار و پرہیزگار بھی

ہدایت میں اضافہ وزیادتی کا طلب گار دکھائی دیتا ہے۔ ہدایت کے اسی مخصوص معنی کے لحاظ سے خدا بار بار فرماتا ہے کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا ورنہ پہلے معنی کے اعتبار سے تو وہ سب کو ہدایت کرتا ہے۔ لہٰذا ان آیات میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے اسی طرح ایک مقام پر خدا فرماتا ہے ''وَ اِنَّكَ لَتَهۡدِيۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ '' اے رسول! آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں (سورہ شوریٰ آیت۔ ۵۲) اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے ''اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ '' آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے (سورہ قصص آیت۔ ۵۶)۔ یہاں بھی ان آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے آپؐ ہدایت کرتے ہیں یہ ہدایت کے پہلے معنی کے اعتبار سے ہے۔ آپ ہدایت نہیں کر سکتے۔ یہ ہدایت کے دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ ہدایت کے اسباب و آلات پیدا کرنا اور اپنی توفیق شامل حال کرنا خدا کا کام ہے نبی ورسول کا کام نہیں ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ خدا کا وعدہ ہے ''ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ '' تم مجھ سے دعا کرو (مانگو) میں اسے قبول کروں گا (سورہ مومن آیت۔ ۶۰)۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کم از کم تمام نماز گزار خدا سے صراط مستقیم کی دعا مانگتے ہیں۔ مگر پھر بھی اکثریت گمراہی کا شکار ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ قواعد وضوابط اور مخصوص شرائط ہوتے ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر گوہر مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قبولیت دعا کے بھی کچھ شرائط ہیں ان کا تفصیلی بیان تو اس آیت کی تفسیر میں کیا جائیگا۔ انشاءاللہ

سر دست طلب ہدایت کے متعلق بقدر ضرورت اس قدر وضاحت کی جاتی ہے کہ ایک اور مقام پر خدائے علیم وحکیم نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو وہ ہدایت کے دوسرے معنی کے اعتبار سے ہدایت کی نعمت سے نوازتا ہے فرماتا ہے۔ ''الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ‏ ﴿۱۸﴾ ''۔ اے رسول میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو۔ جو ہر کہنے والے کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور پھر اس کی احسن وعمدہ بات کی پیروی کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو خدا ہدایت کرتا ہے ایسے ہی لوگ عقلمند کہلانے کے حقدار ہیں (سورہ زمر آیت۔ ۱۸) اس ارشاد خداوندی سے واضح ہو گیا کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے جو اپنے دل ودماغ اور کانوں پر اندھی تقلید اور تعصب کے پہرے نہیں بٹھاتے۔ بلکہ ان کو کھلا رکھتے ہیں اور وہ آزاد ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر کہنے والے کی بات کو کان لگا کر اور پوری توجہ سے سنتے ہیں۔ وہ قائل کی ذات کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کی بات کو دیکھتے ہیں۔ پھر ہر

سنی سنائی بات کو آنکھیں بند کر کے قبول بھی نہیں کرتے بلکہ اسے میزان عقل پر تولتے ہیں۔ پھر اچھی بات کو لے لیتے ہیں اوراس کی پیروی کرتے ہیں اور غلط بات کو پھینک دیتے ہیں اور جو بدقسمت لوگ اپنی آنکھوں پر اپنے آباءواجداد اور اسلاف کی اندھی تقلید کی پٹی باندھ لیتے ہیں اور کانوں پر ملکی وملی تعصب کے پہرے بٹھا دیتے ہیں اور عقل وخرد کو معطل کر کے اسے غور وفکر کرنے کی زحمت نہیں دیتے تو خدا بھی ایسے مورکھوں کو ہدایت کی نعمت سے نہیں نوازتا۔''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف آیت۔۱۷۹)''۔

صراط مستقیم کیا ہے؟

صِرَاط کے معنی ہیں راہ اور مستقیم کے معنی ہیں سیدھا۔اس طرح صراط مستقیم کا مطلب ہوا ایسی راہ جس میں کوئی پیچ وخم نہ ہو۔

(۱) یہ صراط مستقیم حقیقی دین اسلام کی راہ ہے ارشاد قدرت ہے''اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ''۔ خدا کے دین کو قائم رکھو اوراس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ (سورہ شوریٰ آیت۔ ۱۳)۔ نیز فرماتا ہے''قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا'''' آپ کہیں بے شک میرے پروردگار نے مجھے بڑے سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کردی ہے۔(سورہ انعام آیت۔۱۶۱)

(۲) خدا کی صحیح عبادت کرنا صراط مستقیم ہے ارشاد قدرت ہے۔''اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ''(جناب عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے)اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔بس اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔(سورہ آلِ عمران آیت۔۵۱)''وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ''۔(سورہ یٰس آیت۔۶۱) میری عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔

(۳) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت صحیحہ کی اتباع کرنا صراط مستقیم ہے ارشاد قدرت ہے ''وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱''۔ میری پیروی کرو یہی صراط مستقیم ہے(سورہ الزخرف آیت۔ ۶۱)

(۴) انبیاء ومرسلین، ائمہ طاہرین، صدیقین، شہداء، عباد اللہ الصالحین۔یعنی خدا کے انعام یافتہ کامل انسانوں کی راہ مستقیم ہے۔

(۵) صراط مستقیم وہ سیدھی راہ ہے جس میں افراط وتفریط نہیں ہے۔حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔

''فا ما الطرين المستقيم فى الد نيا فهو ما قصر من الغلو وارتفع عن

التقصير واستقامر ولم يعدل الى الباطل'' دنیوی صراط مستقیم وہ ہے جوغلو کے نیچے اور تقصیر کے اوپر ہو اور حد اعتدال پر قائم ہو جس کا باطل کی طرف جھکاؤ نہ ہو۔(تفسیر نور الثقلین)

(۶) امام برحق کی معرفت اور اس کی پیروی کرنا صراط مستقیم ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

صراط دو ہیں۔ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔دنیوی صراط مستقیم امام مفترض الطاعۃ کی معرفت اور اس کی اتباع اور اخروی صراط جہنم کا پل ہے جو شخص دار دنیا میں امام برحق کی معرفت اور پیروی کی سعادت سے محروم ہوگا۔وہ آخرت میں پل صراط سے نہیں گزر سکے گا بلکہ پھسل کر آتش دوزخ میں گر جائیگا۔(نور الثقلین)

صراط مستقیم کی مزید وضاحت

خداوند عالم نے صراط مستقیم کی مزید وضاحت کی خاطر ایجابی وسلبی پہلو سے بندہ کی زبان سے کہلوایا ہے ایجابی پہلو اس طرح کہ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ... الآية۔

راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام واحسان کیا ہے۔

یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں؟

جن کو منعم حقیقی نے اپنی مخصوص نعمتوں سے نوازا ہے؟ ان کی نشاندہی خداوند عالم نے ایک دوسرے مقام پر فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔''وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ''(سورہ نساء آیت۔۶۹) اور جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔(وہ کون ہیں؟) انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ '' (سورہ انعام آیت۔۹۰)۔اس آیت مبارکہ میں چار جماعتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور انہیں خدائی انعام یافتہ قرار دیا گیا ہے۔

(۱) انبیاء: جو انسانی نوع کی ہدایت کیلئے خدا کی طرف سے آئے۔

(۲) صدیقین: جو اس طرح سچائی کے سانچے میں ڈھلے کہ سچائی کے سوا ان کے دل و دماغ میں اور کوئی بات اتر ہی نہ سکے۔

(۳) شہداء: شہید کے معنی گواہ کے بھی ہیں اور شہید راہ خدا کے بھی یعنی ایسے کامل انسان جو اپنے قول وفعل اور اپنی جان سپاری وجاں نثاری سے حق وصداقت کا پرچم بلند کرنے والے ہوں۔ (۴) صالحین۔ جو نیک عملی کی راہ میں استقامت رکھتے ہوں اور برائی کی راہوں سے کنارہ کش ہو کر حق وصداقت کے علمبردار ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا تفریق رنگ ونسل اور بلا قید تقدم وتاخر تمام کائنات کے انبیاء وصدیقین شہداء وصالحین کا راستہ ہی (حقیقی اسلام) صراط مستقیم ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ چاروں اقسام محمد وآل محمد علیہم السلام کے مقدس خاندان میں مل جاتے ہیں۔ ''وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۵۳﴾ ''۔ (سورہ انعام آیت۔ ۱۵۳)۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَاالضَّآ لِّیْنَ...الآیۃ۔

نہ ان کا راستہ جن پر تیرا قہر وغضب نازل ہوا۔ اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں۔ یہ ہے صراط مستقیم کے ایجابی مثبت پہلو کا ضد مخالف سلبی پہلو۔ یہ انعام یافتہ گروہ کی ضد گروہ ہے۔ ظاہر ہے کہ قانون قدرت اور آئین فطرت یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصہ میں انعام آتا ہے اور نافرمانوں کے حصہ میں غضب۔

یہ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور ضَآلِّیْنَ کون ہیں؟

جن لوگوں نے راہ راست کی نعمت پائی مگر وہ اس سے منحرف ہو گئے اور غلط راہ اور شقاوت کی راہ اختیار کی۔ وہ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ہیں ضَآلِّیْنَ وہ ہیں جو راہ راست پا ہی نہ سکے اور اِدھر اُدھر بھٹک گئے۔ گویا پہلا گروہ جاحد (منکر) ہے اور دوسرا جاہل کہ پہلے گروہ نے حقیقت پا کر اس سے روگردانی کی اور دوسرا گروہ حقیقت کو پا ہی نہ سکا۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے مصداق کون ہیں فریقین کے بہت سے اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں (تفسیر طبری، درمنثور عیاشی وصافی وغیرہ) چنانچہ یہود کے بارے میں قرآن میں وارد ہے۔ ''مَنْ لَّعَنَهُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ''۔ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان پر غضبناک ہوا ہے اور ان میں بعض کو (مسخ کر کے) بندر اور خنزیر بنا دیا (سورہ مائدہ آیت۔ ۶۰)۔ ''فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ''۔ ان پر خدا کا غضب نازل ہوا' اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے (سورہ نحل آیت۔ ۱۰۶) نیز ان کے بارے میں وارد ہے ''قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ'' (سورہ

اعراف آیت۔۱۷۱) بعض آیات میں بعض گناہان کبیرہ جیسے قتل مومن کے بارے میں غضب وارد ہوا ہے۔ ''وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ''(سورہ نساء آیت۔۹۳)۔اور نصاریٰ کے متعلق قرآن میں ہے۔''وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَھۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۷۷﴾ ''۔ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو خود گمراہ ہو گئے اور دوسرے بہتوں کو گمراہ کیا۔اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے (سورہ مائدہ آیت۔۷۷) بلکہ یہ ضلالت و گمراہی مطلق کفر کو بھی شامل ہے ارشاد ہوتا ہے''وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیۡدًا ﴿۱۳۶﴾ ''(سورہ نساء آیت۔۱۳۶)''جو شخص خدا اور فرشتوں اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے وہ بڑا گمراہ ہو گیا''۔ بلکہ ضلالت کا اطلاق قرآن میں مطلق عصیان و گناہ پر بھی کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے''وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا ﴿۳۶﴾ ''۔جو شخص خدا اور رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلم کھلا گمراہ ہے (سورہ احزاب آیت۔۳۶)۔

مگر اس تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ صرف یہودی اور ضَّآلِّیۡنَ صرف نصاریٰ ہیں۔ بلکہ ان کا تذکرہ صرف بطور مثال کیا گیا ہے اور نیز اس لئے کہ وہ ان کے فرد کامل ہیں لہٰذا بعید نہیں ہے کہ ان کے ساتھ وہ تمام لوگ شامل ہوں جو ان کے برے صفات و عادات میں ان کے ساتھ شریک ہیں چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ

''اَلۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ النصاب و الضالین اھل الشکوک والذین لا یعر فون الا ما م''۔

یعنی مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ سے مراد دشمنان اہل بیت علیہم السلام ہیں اور ضَّآلِّیۡنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو شکوک وشبہات میں گرفتار ہیں اور معرفت امام برحق سے محروم ہیں۔(تفسیر قمی وعیاشی)

اور ابھی اوپر ان آیات کی نشان دہی کر دی گئی ہے جن میں یہود و نصاری کے علاوہ بعض لوگوں کیلئے غضب اور ضلات کا لفظ وارد ہوا ہے۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

اس مقام پر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ جب سورہ فاتحہ آیت ہدایت یافتہ بھی پڑھتے ہیں اور ہدایت سے منحرف بھی بلکہ نبیؐ بھی پڑھتے تھے اور امام علیہ السلام بھی۔تو کیا ہر جگہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۵﴾ کے یہی معنی ہوں گے کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا؟ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ ہر جگہ ایک معنی مراد نہیں ہوتے اور نہ

ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ اضافت ونسبت کے بدلنے سے الفاظ کے معانی بھی بدل جاتے ہیں۔ بنا بریں جیسا دعا مانگنے والا ہوگا اس کی حیثیت کے مطابق ہدایت کے معنی کئے جائیں گے۔ یعنی اگر کوئی غیر ہدایت یافتہ پڑھے گا تو اس کا مطلب ہوگا ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اگر ہدایت یافتہ پڑھے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہمیں شر شیطان اور نفس امارہ کے شر سے محفوظ رکھ کر اس راہ پر ثابت قدم فرما اور اگر نبیؐ وامامؑ یا کوئی اور ثابت قدم پڑھے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہماری ہدایت ومعرفت کے درجات میں مزید اضافہ فرما اور ہمیں اس کا اعلیٰ ترین مقام مرحمت فرما کیونکہ ہدایت ومعرفت کے مراتب ومدارج کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ "وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بقرہ آیت۔ ۲۱۳)"۔۔۔۔"وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (بقرہ آیت۔ ۱۰۵)"۔

سورہ فاتحہ کی تعلیمی روح

اچھا اب چند لمحوں کیلئے سورہ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو اور دیکھو اس کی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد وتصور کی جو روح مضمر ہے وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے سورہ فاتحہ ایک دعا ہے، فرض کرو، ایک انسان کے دل وزبان سے شب وروز یہی دعا نکلتی رہتی ہے۔ اس صورت میں اس کے فکر واعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

وہ خدا کی حمد وثناء میں زمزمہ سنج ہے، لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں، جو نسلوں، قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے بلکہ رب العالمین کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے اور اس لیئے تمام نوع انسانی کیلئے یکساں طور پر پروردگاری ورحمت رکھتا ہے پھر وہ اسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت وعدالت ہی کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں۔ گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کیلئے سرتاسر رحمت وعدالت کی نمود ہے اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے۔ رحمت وعدالت کے سوا کچھ نہیں ہے پھر وہ اپنا سر نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی ونیازش کا سر جھک سکتا ہے اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے وہ اپنی عبادت اور استعانت دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور اس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی کرم فرمائیوں سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اب کسی چوکھٹ پر اس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اب کسی سے وہ ہراساں نہیں ہو سکتا۔ اب کسی کے آگے اس کا دست طلب دراز نہیں ہو سکتا۔

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک دعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا

ہوتی ہے لیکن کونسی سیدھی راہ؟ کسی حاص نسل کی سیدھی راہ، کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقے کی سیدھی راہ؟ نہیں، وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی راہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے، خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اس طرح ہو محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے، وہ بھی نوع انسانی کی عالم گیر برائی ہے نسل قوم، ملک، یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ وامتیاز کی کوئی پرچھائیں اس کے دل ودماغ پر نہیں نظر آتیں۔

غور کرو، مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن وعواطف کیلئے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے۔ جس انسان کا دل ودماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا، کہ وہ کسی قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی خدا کے عالم گیر رحمت وجمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی، دوسرے یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا وہ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا اور دعوت قرآن کی اصل روح یہی ہے۔ (ام الکتاب از مولانا آزاد مرحوم)

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

اس سورہ کی وجہ تسمیہ

بقرہ کے معنی گائے کے ہیں اگر چہ یہ سورہ قرآن مجید کا بزرگ ترین سورہ ہے اور اس سورہ شریفہ میں بڑے طویل وعریض مضامین از قسم عقائد و اعمال وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا اجمالی تذکرہ بعد ازیں کیا جارہا ہے۔ مگر چونکہ بنی اسرائیل کی گائے کے تذکرہ کو اس سلسلہ میں سوال و جواب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس لئے پورے سورہ کو اس نام سے معنون کر دیا گیا۔

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

''یہ سورہ حضرت رسول خدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نازل ہوا۔ یعنی اس کا اکثر حصہ ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں نازل ہوا اور کچھ تھوڑا سا حصہ جیسے سود سے متعلقہ آیات آپ کی مدنی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوا اور سورہ کا خاتمہ جن آیات پر ہوا وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ مگر مضمون کی مناسبت سے ان کو اسی سورہ میں ضم کر دیا گیا۔'' (تفہیم القرآن)

''کہیں کسی مکی آیت کا شامل ہو جانا سورہ کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

اس سورہ کے مضامین کا خلاصہ

۱۔ قرآن لاریب کتاب ہے۔
۲۔ اس سے صرف متقی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔
۳۔ ایمان بالغیب کی اہمیت۔
۴۔ کور باطن منافقین کی روش و رفتار کا تذکرہ۔
۵۔ متقیوں کی صفات پنجگانہ کا بیان۔
۶۔ آدم۔ حوا کی خلقت اور جناب آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان۔
۷۔ آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری اور وجہ افضلیت۔
۸۔ ہاروت و ماروت کا قصہ۔

۹۔جناب خلیل خدا کی امامت کا اعلان۔

۱۰۔بنی اسرائیل کا تذکرہ اوران کے عبرت آموز حالات وواقعات۔۱۱۔من وسلوی کا نزول۔

۱۲۔فرعون اورفرعونیوں کے عبرت ناک انجام کا تذکرہ۔

۱۳۔بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی۔

۱۴۔مخصوص گائے کے ذبح کرنے اوراس کے ذریعہ مقتول کے زندہ کرنے کا تذکرہ۔

۱۵۔خدا کی عبادت کرنے نماز وزکوۃ وغیر کی پابندی کرنے اور والدین اور یتیموں مسکینوں سے نیک سلوک کرنے کا حکم۔

۱۶۔جناب موسیٰ۔اوران کے بعد کئی نبیوں کے آنے کا ذکر۔

۱۷۔جناب عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید کرنے کا واقعہ۔

۱۸۔یہودیوں کی بےہودہ حرکتوں پران کی سرزنش۔

۱۹۔جناب ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور جناب اسماعیل علیہ السلام اوران کی نسل سے سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کا ذکر خیر۔

۲۰۔بناء کعبہ۔

۲۱۔ملت ابراہیمی کا تذکرہ جناب ابراہیم علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کا اپنی اولاد کو حقیقی مسلمان بن کر مرنے کی وصیت

۔۲۲۔تحویل کعبہ کا بیان۔

۲۳۔نماز وروزہ کے ذریعہ خدا سے مدد مانگنا۔

۲۴۔شہداء کی حیات جاوید کا بیان۔

۲۵۔حج وعمرہ اوران کے احکام۔

۲۶۔پاک وپاکیزہ چیزوں کے استعمال کرنے کا حکم اورنجس وناپاک چیز کے استعمال کی ممانعت۔

۲۷۔ہر چیز سے بڑھ کر خدا سے محبت کرنے کا تذکرہ۔

۲۸۔صرف رسمی چیزوں کی ادائیگی پر سعادت کی بنیاد نہیں ہے بلکہ خدا وانبیاء علیہم السلام آخرت وغیرہ جیسی چیزوں پر اعتقاد رکھنے اور نماز وصدقہ وخیرات کی پابندی کرنے پر ہے۔

۲۹۔شراب اورجوا کی حرمت اوراس کا فلسفہ۔

۳۰۔اعتکاف کا تذکرہ۔

۳۱۔جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے قواعد واحکام۔

۳۲۔امور خانہ داری اور مسائل نسواں از قسم حیض ونفاس وغیرہ کا بیان۔

۳۳۔طلاق اور اس کے بائن ورجعی کے اقسام اور عدت ورجوع وغیرہ کے احکام۔

۳۴۔رضاعت اور اس کی مدت اور زوجہ کے نان ونفقہ اور عدت وفات کا بیان۔

۳۵۔کچھ لوگوں کے گھروں سے نکلنے اور بحکم خدا مر جانے اور دوبارہ زندہ ہونے کا بیان۔

۳۶۔طالوت وجالوت کا قصہ۔

۳۷۔تابوت سکینہ کا تذکرہ۔

۳۸۔اطمینان قلب کی خاطر خدا کا جناب خلیل علیہ السلام کیلئے چار پرندوں کا زندہ کرنا۔

۳۹۔جناب عزیز کا سو سال تک مرا رہنا اور پھر بحکم خدا زندہ ہونا۔

۴۰۔خدا کا حی وقیوم اور مدبر کائنات ہونا۔

۴۱۔سود کی حرمت کا تذکرہ۔

۴۲۔خدا کے خالق کون ومکان اور مالک زمین وآسمان ہونے کا مقدس تذکرہ۔

الی غیر ذلك من المطا لب الجلیلة و المضا مین الجمیلة مفسر قمی فرماتے ہیں روی ان فی البقرة خمس ماۃ حکم ۔مروی ہے کہ سورہ بقرہ میں پانچ سو احکام موجود ہیں (تفسیر قمی)۔

اسلوب خطاب وانداز بیان

ہجرت سے پہلے جب تک حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تشریف فرماتھے تو اکثر وبیشتر آپ کے مخاطب مشرکین عرب تھے جو بت پرست تھے اور وحی، نبوت، آخرت اور اس کے حساب وکتاب کا کوئی تصور ان کے دل ودماغ میں نہیں تھا اس لئے اسلام کی آواز ان کیلئے بالکل اجنبی تھی۔اس لئے جو سورے مکہ میں نازل ہوئے ان کا انداز بیان اصول دین کی تبلیغ اور عقائد باطلہ کی رد۔ان کو برے کاموں سے روکنا اور ان کی اخلاقی تربیت کر کے ان کی اصلاح کرنے تک محدود تھا۔مگر ہجرت کے بعد گو مدینہ کے اصل رہائشی تو انصار تھے۔ مگر وہاں چونکہ زیادہ تر زمام اقتدار یہودیوں کے ہاتھ میں تھی جو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے نبوت، قیامت اور جزا وسزا کے قائل تھے اور انصار کے ذہنوں میں بھی ان کے زیر اثر ان چیزوں کا دھندلا سا تصور موجود تھا مگر یہودی قومی برتری کے پندار میں اس قدر بدمست تھے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے علاوہ کسی اور

خاندان کو بھی نبوت مل سکتی ہے اور عملی لحاظ سے دنیا کی ایسی بدترین قوم تھے کہ دنیا کے ادنی سے مفاد کی خاطر تورات کی آیتوں کا انکار کرنے یا ان میں تغیر وتبدل کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔

لہٰذا ہجرت کے بعد ایک طرف ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کی روش ورفتار میں انقلاب لانا مدنظر تھا اور دوسری طرف جو مختلف قبائل اسلام قبول کر چکے تھے کچھ ان کے جمع ہونے اور کچھ انصار کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے گو یا مدینہ میں ایک مختصر سی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ اب اسلام کے بنیادی عقائد واصول کے ساتھ ساتھ اصول معاشرت وتمدن اور اجتماعی معلاملات اور ملکی سیاست کے بارے میں بھی رہنما اصول اور ہدایت کی تلقین وتعلیم دی جائے۔ چنانچہ اب یہ سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔ جو اس سورہ میں جا بجا بکھرا ہوا ہے۔ اور بہترین انداز میں قانون مکافات' عدل اجتماعی اور اسلامی سیاست کے جامع آئین وقوانین بیان کئے گئے ہیں۔

علاوہ بریں چونکہ مکہ میں مسلمان انتہائی کمزور و بےبس اور بے جان ومال تھے اور متفرق تھے اس لئے وہ کفار کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنے رہتے تھے اور اپنی اپنی جگہ چپ چاپ ظلم سہنے کے سوا ان کے لئے اور کوئی چارہ کار نہ تھا مگر ہجرت کے بعد یہ صورت حال یکسر بدل گئی کفار کو مسلمانوں کی اجتماعی آسودگی اور قدرے خوشحالی اور روز بروز کی ترقی ایک آنکھ نہ بھائی اس لئے انہوں نے اپنی اجتماعی طاغوتی قوت سے اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ ادھر خدائے علیم وحکیم نے بھی اہل اسلام کو کفار کا مسلح مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی۔

اس لئے اس سورہ میں جہاد کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں اور مسلمانوں کو اس بات کی فہمائش کی گئی ہے کہ وہ مخالف فریق کی ظاہری شان وشوکت اور اس کی مادی قوت وطاقت سے مرعوب نہ ہوں۔ اپنی قوت کو مجتمع کریں۔ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ اپنے آپ کو منظم کریں اور خداوند عالم کی ذات والا صفات پر توکل اور بھروسہ کریں۔ جب اس کی نصرت اور تائید غیبی ان کے شامل حال ہوگی تو باذن اللہ یہی مسلمان ہی مظفر ومنصور ہوں گے اور کفار ومشرکین اپنے مذموم ارادوں میں ناکام ونامراد ہوں گے کیونکہ انجام کار ناکامی کفر کا اور آخری فتح وفیروزی اسلام کا مقدر ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

''فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ'' (سورہ مائدہ آیت۔۵۶)،''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (سورہ بقرہ آیت۔۲۴۹)۔

یہ عنوان ختم کرنے سے پہلے یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے چلیں کہ اگرچہ نفاق کے کچھ

ابتدائی آثار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے اواخر میں نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے مگر مدینہ پہنچنے کے بعد تو کچھ باقاعدہ منافق لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے تا کہ فتنہ وفساد برپا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کر سکیں۔ وہ مسلمانوں سے بھی ربط رکھتے اور ان کے مخالفین سے بھی۔ تا کہ دونوں سے فوائد حاصل کریں۔ اس لئے خداوند عالم نے اس سورہ میں جا بجا ان کے حال خسر آن مآل کی طرف اشارے فرمائے ہیں۔ اور بعد ازاں دوسری سوروں میں ان کی سرگرمیوں کی کیفیت کے مطابق ان کی سرزنش کی ہے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ وشر سے بچنے کیلئے راہنمائی فرمائی ہے۔

سورہ بقرہ کے فضائل

۱۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

''لکل شئی سنا ماً و سنام القرآن سورۃ البقرۃ''۔ ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورہ بقرہ ہے۔ سو جو شخص دن کے وقت اپنے گھر میں اسکی تلاوت کرے گا تو تین دن تک شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور جو رات کے وقت اپنے گھر میں اس کی تلاوت کرے گا تو تین رات تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھے گا۔ (مجمع البیان)۔

۲۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے فرمایا۔ جو شخص سورہ بقرہ کی ابتدائی چار آیات اور اس کے بعد آیت الکرسی اور اس کے بعد والی دو آیات (هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ تک) اور بعد ازاں سور بقرہ کی آخری تین آیات پڑھے گا تو وہ خود اس کے اہل وعیال اور اس کا مال ومنال ان حالات سے محفوظ رہیں گے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے اور شیطان اس سے دور رہے گا اور وہ قرآن نہیں بھولے گا۔ (ثواب الاعمال)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی تلاوت کرے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ یہ دونوں سورتیں اس پر سایہ فگن ہوں گی (ثواب الاعمال)۔

اس سورہ کے آیات، رکوعات اور الفاظ وحروف کی تعداد:

اس سورہ مبارکہ کی آیات دوسو چھیاسی (۲۸۶)، رکوع چالیس (۴۰)، الفاظ چھ ہزار اکیس (۶۰۲۱) اور حرف پچیس ہزار پانچ سو ہیں۔ (تفسیر حقانی)۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ
هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ الف۔ لام۔ میم (۱) یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے (۲) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور پورے اہتمام سے نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ (میری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۳) اور جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے (سابقہ انبیاء پر) نازل کیا گیا۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۴)

تشریح الالفاظ

(۱) لَا رَيْبَ ۛ ریب کے معنی ہیں شک، تہمت اور بے اعتقادی (۲) يُؤْمِنُوْنَ ایمان کا صلہ اگر باء ہو جیسے آمن بہ تو اس کے معنی ہیں تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا اور اگر اس کا صلہ لام ہو جیسے آمن لہٗ تو اس کے معنی ہیں کسی کی اطاعت اور تابعداری کرنا۔

تفسیر الآیات

یہ حروف مقطعات قرآن مجید کے انتیس سوروں کی ابتداء میں موجود ہیں کہیں ایک حرفی ہیں جیسے صٓ' کہیں دوحرفی جیسے طٰہٰ' کسی جگہ تین حرفی جیسے الٓمٓ' کسی مقام پر چارحرفی جیسے الٓمٓصٓ اور کہیں پانچ حرفی جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ جوترتیب وار کچھ یوں ہیں۔الٓمٓ ۔ الٓمٓرٰ۔ الٓمٓصٓ ۔الٓرٰ ۔ الٓرٰ ۔ الٓرٰ ۔ آلر ۔ الٓرٰ ۔آ لر ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ طٰہٰ ۔ طٰسٓمٓ۔ طٰسٓ ۔ طٰسٓمٓ ۔ط الٓمٓ .الٓمٓ.الٓمٓ.الٓمٓ.یٰسٓ .صٓ. الٓمٓ.الٓمٓ.الٓمٓ. عٓسٓقٓ حٰمٓ. حٰمٓ. حٰمٓ. حٰمٓ. قٓ. نٓ۔

ان مقطعات میں سے اگر مکررات کوقلمز دکر دیا جائے توان کی تعداد چودہ ہوتی ہے جو یہ ہیں۔الٓمٓ۔ الٓمٓرٰ ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ طٰہٰ.طٰسٓمٓ.طٰسٓ. یٰسٓ، صٓ.حٰمٓ.حٰمٓعٓسٓقٓ.قٓ. نٓ.

حروف مقطعات کے مکررات کے حذف کے بعد ایک لطیف استخراج

اوراگران چودہ مقطعات کے بھی مکرر حروف کوحذف کر دیا جائے تو باقی چودہ حروف رہتے ہیں جوعربی حروف تہجی کے نصف ہیں جو یہ ہیں۔ ا.ل.م.ص. ر.ك.ی.ع.ط. س.ق.ن۔اس سے بعض نکتہ سنج حضرات نے یہ عجیب وغریب نکتہ اخذ کیا ہے کہ اگران فواتح سور کے مکررات کوحذف کیا جائے تو باقیماندہ حروف کو مرکب کرنے کے بعد یہ جملہ بنتا ہے''علی صراط حق نمکسہ یا صراط علی حق نمکسہ'' علی کا راستہ حق ہے ہم اسی سے تمسک کرتے ہیں۔ یہ تفسیر نیشاپوری اورتفسیر صافی کے بیان کا خلاصہ ہے یہ کوئی منطقی برہان یا عقلی استدلال نہیں ہے۔ بلکہ ایک لطیف استخراج ہے۔(احسن الحدیث)۔

یہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں۔اگر چہ فریقین کے مفسرین نے ان حروف کے معانی و مفاہیم بیان کرنے میں بڑا زور مارا ہے اور بخیال خویش بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں کی ہیں ان کے اقوال وآراء کی تعداد ۲۲۔ ۲۳ تک پہنچتی ہے۔مگر اس کے باوجود کسی ایک معنی ومفہوم پر متفق نہیں ہو سکے اور نہ ہی علم ویقین کے ساتھ کوئی حتمی رائے قائم کر سکے ہیں۔اسی بنا پر محققین کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حروف ان متشابہات میں سے ہیں کہ جن کی حقیقی تاویل خدا جانتا ہے یا ر ا سخون فی العلم جانتے ہیں۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں۔هذا هو المروی عن ائمتنا علیهم السلام ''۔یہی بات ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے۔(مجمع البیان)۔بعض روایات میں ان حروف کے بعض مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔جیسے الم کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے۔ انا الله الملك''میں اللہ بادشاہ ہوں۔ ، تفسیر عیاشی) مگر اس

روایت کی سند قابل اعتماد نہیں ہے۔تفسیر قمی میں لکھا ہے ''هو حرف من حروف اسم الله الاعظم المتقطع فی القرآن الذی یولفه النبی والامام فاذا دعا به اجیب''۔یہ اللہ کے اسم اعظم کے کچھ حروف ہیں جو قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں جب نبی و امام انہیں ترتیب دے کران کے ذریعہ سے دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔(تفسیر قمی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حروف ہمارے لئے ایک سربستہ راز ہیں اور حبیب ومحبوب کے درمیان کچھ راز و نیاز کی باتیں ہیں سچ ہے کہ

میان عاشق و معشوق رمزے است
کراما کاتبین را هم خبر نیست

لہٰذا ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم ان پر ایمان تو لائیں۔مگران کے حقیقی معنی ومفہوم کو خدا، مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سپرد کریں۔البتہ شواہد وقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب بیان نزول قرآن کے وقت عربوں میں بھی رائج تھا اور وہ حروف مقطعات کو اپنے کلام میں استعمال کرتے تھے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا تحسبی انا نسینا الا یجاف
قلت لها قفی فقالت لی قاف

یہاں قاف قف کا مخفف ہے۔یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کسی مخالف نے یہ ایراد نہیں کیا تھا کہ یہ کیا بے معنی حروف ہیں جو قرآنی سورتوں کے آغاز میں لکھے اور بولے جاتے ہیں؟؟ لہٰذا ان حروف کے معانی ومفاہیم متعین کرنے کیلئے ہمیں کسی مغز ماری کی ضرورت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ ......الآیۃ۔

بعید کے اشارہ کیلئے استعمال ہوتا ہے جبکہ ھذا قریب کے اشارہ کیلئے ہوتا ہے تو یہاں بظاہر تو ھذا استعمال کرنا چاہیے تھا کیونکہ قرآن قریب ہے جیسا کہ ایک اورجگہ اس طرح وارد ہے۔ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ (انعام۔۹۲) مفسرین نے اس کی مختلف توجیہیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قران گو بظاہر قریب ہے مگر اپنے علوِ مرتبہ اور بلندی شان کے اعتبار سے عمومی سطح سے بہت بلند اور دور ہے۔اس لئے ذٰلِكَ استعمال کیا گیا اس لئے ہم نے ترجمہ میں دونوں باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ ترجمہ کیا ہے۔یہ (قرآن) وہ کتاب ہے۔

الْكِتٰبُ لا رَيْبَ......الا۔ یۃ۔

حسب ظاہر تو یہ جملہ خبریہ ہے جس کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے۔ کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یعنی اس میں کوئی شک کرنے والا نہیں ہے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے ایسے بدقسمت لوگ اس وقت بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں جو اپنی کوتاہ اندیشی، کم علمی اور تنگ نظری کی وجہ سے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا ''(بقرہ۔۲۳)۔ لہٰذا یہ جملہ خبریہ نہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی فوق العادت فصاحت و بلاغت، تاریخی واقعات کی صحت و صداقت، اخبار غیبیہ کی حقانیت، اپنے انوکھے طرز استدلال و احتجاج اور ایک کامل و اکمل عادلانہ نظام شریعت اور اخلاق عالیہ کی تعلیم و تلقین کی بنا پر اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ کیا جائے۔ لہٰذا جو شخص بھی اپنی آنکھوں سے تعصب اور اندھی تقلید کی پٹی اتار کر اس میں معمولی سا بھی غور و فکر کرے گا اور تھوڑا سا تدبر و تامل کرے گا اسے اس کے کلام اللہ ہونے میں ذرہ بھر شک وشبہ باقی نہیں رہے گا۔ الا علی اکمہ لم یبصر القمرا۔

هُدًی... الآیۃ۔

ہدایت کے معنی اور اس کے اقسام کی تفصیل اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں گزر چکی ہے اس آیت اور اس قسم کی بیسوں آیات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید دین وعقیدہ، احکام اور اخلاق اور ہدایت کی کتاب ہے۔ وہ انسانوں کیلئے ہدایت نامہ اور مکمل دستور حیات ہے جو من جانب اللہ بندوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے نازل کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ''کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ ''(ابراہیم۔۱)۔ یہ کتاب ہم نے اس لئے آپ کی طرف نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ظلمت کفر سے نکال کر نور اسلام میں داخل کریں ''ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَرَحۡمَۃٌ ''۔ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے بصیرت و رحمت ہے۔ (اعراف۔۲۰۳)

قرآن طبعی علوم کی کتاب نہیں ہے

یہ تاریخ، سائنس، ہیئت، فزکس، ریاضی وغیرہ (طبعی علوم) کی کوئی کتاب نہیں ہے اور اگر بموجب لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اس میں ان علوم و فنون کی طرف کچھ لطیف اشارات پائے جاتے ہیں یا کائنات کی بعض چیزوں کے بارے میں بعض حقائق علمیہ بیان کئے گئے ہیں تو وہ ضمنی حیثیت سے بیان کئے گئے ہیں اور اس سے بھی مقصد صرف خالق کون و مکان اور اس کی حکمت بالغہ وقدرت کاملہ کی طرف لوگوں کی ہدایت

وراہنمائی کرنا ہے وبس جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ '' ہم ان کو آفاق وانفس میں (اپنی ہستی) کی نشانیاں دکھائینگے تاکہ اُن پر واضح ہو جائے کہ اس (خدا) کا وجود برحق ہے۔(حٰمٓ سجدہ آیت۔ ۵۳)

یہ درست ہے کہ قرآن ان طبعی علوم وفنون کے حاصل کرنے کی مسلمانوں کی ترغیب دیتا ہے اور کائنات ارضی وسماوی میں غور وفکر کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ یہ انہی علوم کی کوئی کتاب ہے۔ ان علماء وفضلاء نے سخت غلطی کی ہے جنہوں نے ہر دور میں قرآن کو طبیعی علوم اور سائنس وہیت سے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ سائنسی نظریات ادلتے بدلتے رہتے ہیں مگر قرآنی حقائق ومعارف تغیر پذیر نہیں ہیں کبھی سائنس دانوں نے کہا زمین ساکن ہے تو فوراً ان علماء نے قرآن کو توڑ موڑ کر ثابت کر دیا کہ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زمین متحرک ہے۔ تو ان حضرات نے بھی جھٹ اپنی ذہنی تخریج سے کہہ دیا کہ جی ہاں قرآن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح انہوں نے غیر شعوری طور پر قرآن واسلام کو نقصان پہنچایا اور لوگوں کو قرآن سے بدظن کیا اور ان کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ قرآنی حقائق تغیر پذیر ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

قرآن بنص قرآن ''هُدًى لِّلنَّاسِ '' (تمام لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی) کیلئے نازل کیا گیا ہے اور اس میں نیک و بد اور کافر و مسلمان وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے تو پھر یہاں اسے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ۲ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عالم الغیب خدا نے خبر دی ہے کہ اس سے فائدہ صرف وہی لوگ حاصل کر سکیں گے جن کے دلوں میں خوف وخشیت الٰہی ہوگا۔ جس طرح حضرت رسول خدا رحمۃ اللعالمین ہیں مگر ان کی اس رحمت سے فیض یاب صرف وہی خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو شدائد قیامت سے خائف وترساں ہیں ''اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا '' باران رحمت کی رحمت والطافت میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ مگر اس سے فائدہ ہر زمین اپنی اپنی ذاتی استعداد کے مطابق اٹھاتی ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در زار لالہ روَید ودر شور بوم و خس

بالکل اسی طرح

ناکس بتربیت نشو داے حکیم کس؟

تقویٰ کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لغت میں تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور بچنا اور اصطلاح میں تقویٰ خدا کے خوف وخشیہ کی اس قلبی کیفیت کا نام ہے جو اس کی حاکمیت وسلطنت، اس کی قدرت وتمکنت، اس کی نفع ونقصان رسانی کی قوت وقدرت اور اس کے ہر جگہ اور ہر وقت حاظر وناظر ہونے کے علم ویقین سے انسانی دل ودماغ میں پیدا ہوتی ہے۔

تقویٰ کی پہچان کے علامات:

تقویٰ کا تعلق چونکہ براہ راست دل ودماغ سے ہے۔ اب کس کے دل میں یہ کیفیت ہے اور کس کے دل میں نہیں ہے؟ ظاہر بینوں کیلئے اس کی پہچان کیلئے شریعت مقدسہ میں چند علامات مقرر کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ

۱۔ جس کے دل ودماغ میں یہ کیفیت ہوگی وہ خلوت وجلوت میں یکساں شریف اور پابند احکام ہوگا۔

۲۔ وہ ان کارہائے خوب کو بجالائے گا جن کو شریعت مقدسہ نے واجب قرار دیا ہے اور ان برے کاموں سے اجتناب کرے گا جن کو شرع انور نے حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ جن کاموں سے خدا نے بندہ کو منع کیا ہے وہ اسے وہاں موجود نہیں پائیگا اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اسے مفقود نہیں پائیگا۔ کما قال بعضهم التقوى ان لا یر اك الله حیث نهاك و لا یفقدك حیث امرك (مجمع البیان)۔

۴۔ اس میں وہ پنجگانہ صفات جلیلہ پائے جائینگے جن کا ان آیتوں میں خدائے حکیم وعلیم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ......الآیة۔

(الف) ایمان بالغیب

لغت میں ایمان کے گو ظاہری معنی تصدیق کے ہیں۔ مگر عام تصدیق اور ایمان میں ایک باریک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ تصدیق عام ہے اور اس کا تعلق محسوسات ومشاہدات سے بھی ہوتا ہے اور غیر محسوسات سے بھی مگر ایمان کا تعلق صرف غیر محسوسات کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ بھی محض پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی صفات پر بھرپور اعتماد کی وجہ سے۔ لہٰذا ان پر اعتماد کرکے ان کے کلام وبیان کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے اور اصطلاح شریعت میں ایمان کا مفہوم ہے۔ تصدیق با لجنان، اقرار باللسان و عمل بالارکان۔

اور عند التحقیق اس کی حقیقت بسیط ہے یعنی عقائد حقہ کی تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے مگر لسانی اقرار اس کا کاشف ہے اور عمل اس کی پختگی کا شاہد ہے۔غیب ان امور کو کہا جاتا ہے جو نہ تو بدیہی طور پر معلوم ہوں اور نہ ہی حواس خمسہ سے ان کو محسوس و معلوم کیا جا سکے۔'' وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ''۔(انعام آیت ۵۹) خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بلکہ اس کے معلوم کرنے کا ذریعہ آسمانی وحی ہوتی ہے اور وہ بھی اس کی زبان سے جس کی نبوت و رسالت عقل و شرع سے ثابت ہو چکی ہو جیسے قیامت اور اس کے واقعات، جنت، دوزخ، ملائکہ، حور العین، ابلیس، حساب قبر و برزخ اور امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت اور ان کا ظہور وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک اعتبار سے خدا اور اس کی صفات جلال و جمال پر ایمان بھی (جو غیب الغیوب ہے) اسی ایمان بالغیب میں داخل ہے۔اگرچہ وہ عقل کی گرفت سے ماورا نہیں ہے۔

متقین کی مرکزی صفت یہی ایمان بالغیب ہے اور یہ ایمان بالغیب ہی ہے جو دین و ایمان کی روح اور جان ہے کہ اس محسوس و مشاہد عالم سے ماوراء ایک اور عالم ہے جسے عالم آخرت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس غیب پر ایمان نہیں رکھتا وہ صرف یہی نہیں کہ متقی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمان ہی نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی علم غیب جانتا ہے یا نہیں؟ اور اگر جانتا ہے تو کس قدر؟ اور آیا اس جاننے کی صورت میں اسے عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیق کسی مناسب مقام جیسے پارہ نمبر ۴ کی آیت ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ....''(سورہ آل عمران آیت۔۱۷۹) کی تفسیر میں پیش کی جائے گی۔انشاءاللہ۔

وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ......الآ یۃ۔

(ب)اقامة صلوٰة

نماز ان ضروریات دین میں سے ایک ہے جن کا منکر دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے۔اس کا قائم کرنا واجب ہے۔ جو عمداً نہ پڑھے وہ بحکم قرآن مشرک ہے، بفرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر ہے اور ائمہ اھل بیت علیہم السلام کے کلام کے مطابق محروم الشفاعہ ہے۔فروع دین میں سے نماز ایک اہم فریضہ ہے۔اس کی قبولیت پر دوسرے تمام اعمال و عبادات کی قبولیت کا دارومدار ہے۔متعدد احادیث میں وارد ہے:

''اول ما يسئل عن العبد يوم القيا مة الصلوٰة فان قبلت قبل ما سوا ها وان ردت ردما سواها''۔یعنی قیامت کے دن (اصول عقائد کے سوال و جواب کے بعد) پہلا سوال نماز کے بارے میں کیا جائیگا سو اگر نماز قبول ہوگئی تو دوسرے تمام اعمال بھی قبول ہو جائینگے اور اگر نماز مسترد ہوگئی تو

دوسرے سب اعمال رد کردیئے جائینگے۔(وسائل الشیعہ وغیرہ)۔

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

بنابریں اقامہ صلوۃ کے معنی صرف نماز پڑھنا نہیں ہیں بلکہ اسکے ظاہری و باطنی حدود و قیود کے ساتھ اور پابندی اوقات کے ساتھ اسے ادا کرنا اور اس پر مداومت کرنا ہے۔ظاہری حدود و قیود سے مراد اس کے واجبات، مستحبات اور آداب ہیں اور باطنی حدود و قیود سے مراد خشوع وخضوع اور کامل حضور قلب ہے۔ارشاد قدرت ہے:

''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝'' ۔''وہ اہل ایمان فلاح پائینگے جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔(المومنون)

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ...... الآیة

(ج) انفاق فی سبیل اللہ

اجتماعی فرائض یعنی حقوق العباد میں سے ایک اہم فریضہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔اگرچہ تمام مفسرین نے اس سے راہ خدا میں حلال مال خرچ کرنا مراد لیا ہے کہ اللہ نے ان کو جو رزق حلال عطا فرمایا ہے اس میں سے زکوٰۃ وفطرہ اور صدقہ دیتے ہیں مگر بعض احادیث اہلبیت علیہم السلام کے پیش نظر اس سے عموم بھی مستفاد ہوتا ہے چنانچہ بروایت محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''و مما علمنا هم یبثون''ہم نے ان کو جو علم دیا ہے وہ اس کی اشاعت کرتے ہیں۔(تفسیر قمی وعیاشی)

اور معانی الاخبار کی روایت میں اسکے ساتھ یہ تتمہ بھی مذکور ہے۔''و مما علمنا هم من القرآن یتلون''ہم نے جو انہیں قرآن کا علم دیا ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں بنابریں بعید نہیں ہے کہ اس رزق سے ہر قسم کا جسمانی وروحانی رزق مراد لیا جائے اور بعض مفسرین کی اس تفسیر کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ خدا کی ہر نعمت کی زکوٰۃ الگ الگ ہے چنانچہ مال و دولت کی زکوٰۃ تو وہی عام زکوٰۃ وفطرہ ہے، عہدہ ومرتبہ کی زکوٰۃ محتاجوں کی دادرسی اور مطلب برآری کرنا ہے علم کی زکوٰۃ اس کی نشر واشاعت کرنا اور جاہلوں کو پڑھانا ہے۔ہدایت کی زکوٰۃ بے ہدایت لوگوں کی راہنمائی کرنا ہے اور قوت وطاقت کی زکوٰۃ کمزوروں کی مدد ونصرت کرنا اور ان کو ظالموں کے

پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلانا ہے اور حکومت و سلطنت کی زکوٰۃ نظام عدل و انصاف قائم کرنا ہے وغیرہ وغیرہ (تفسیر صافی وتفسیر سید شہر)۔

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ...... الآ یۃ۔

(د) ایمان بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

متقیوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ جو قرآن وشرع اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے یا جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہ آیت ختم نبوت کی بیّن دلیل ہے

اس آیت میں بھی اور اس کے علاوہ جہاں بھی قرآن مجید میں آسمانی وحی اور کتب پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ اور آپ سے پہلے والی وحی اور کتب پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہیں بھی آپ کے بعد والی وحی یا کتاب پر ایمان لانے کا حکم یا ذکر نہیں ہے۔ جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی وحی آخری وحی اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے بعد کوئی وحی یا کتاب نازل ہونے والی ہوتی تو ضرور اس پر ایمان لانے کا حکم اور اس کا ذکر بھی ہوتا۔ مگر پورے قرآن میں اس بات کا کہیں کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کی ناقابل رد دلیل ہے۔

وَ بِالْاٰخِرَةِ...... الآ یۃ۔

(ح) ایمان بالآخرۃ۔

آخرت پر ایمان و اذعان۔ اگرچہ آخرت پر ایمان و ایقان ایمان بالغیب میں داخل ہے مگر ایمان بالآخرت کی اہمیت کے پیش نظر اس کا علیحدہ صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ یہ آخرت پر ایمان ہی وہ عقیدہ ہے جو آدمی کو دنیا میں ظلم و عدوان اور ہر قسم کے گناہ وعصیاں سے باز رکھتا ہے۔ اگرچہ اس میں آدمی کا کتنا ہی بڑا دینوی فائدہ ہو اور اس کو صداقت وسچائی عدالت وانصاف، دیانت و امانت اور ایثار وقربانی کا دامن تھامنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں اس کا دینوی نقصان ہی ہو۔ الغرض عقیدہ وہ راسخ ہوتا ہے جس کا انسان کی عملی زندگی پر اثر

نمایاں نظر آئے۔لہٰذا اگر آخرت پر ایمان کے عقیدہ کا انسان کی عملی زندگی میں کوئی اثر نظر نہ آئے اور اس میں اعتدال کا جلوہ دکھائی نہ دے تو پھر ماننا پڑیگا کہ یہ صرف زبانی اقرار ہے مگر قلبی طور پر انکار ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی ہیں جو آخرت میں فوز وفلاح پائینگے۔

آیات القرآن

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۝۵ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ۝۸ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ۝۹ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ۝۱۰ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ۝۱۱

ترجمۃ الآیات

یہی لوگ اپنے پروردگار کی ہدایت پر (قائم) ہیں اور یہی وہ ہیں جو (آخرت میں) فوز وفلاح پانے والے ہیں۔(۵) (اے رسول) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ان کیلئے برابر ہے۔آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں بہرحال وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۶) خدا نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔اور (آخرت میں) ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔(۷) اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روز

آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔(۸) خدا اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔مگر انہیں اس کا (احساس) نہیں ہے۔(۹) ان کے دلوں میں (نفاق کی) ایک بیماری ہے۔سو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی ہے اور ان کے (مسلسل) جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(۱۰) اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔(۱۱)

تشریح الالفاظ

(۱) الْمُفْلِحُوْنَ۝ یہ فلاح سے مشتق ہے اور فلاح کے معنی ہیں مقصد میں کامیاب ہونا، کام کا درست ہونا اور نجات پانا

(۲) غِشَاوَۃٌ اس لفظ کے معنی ہیں پردہ اور ڈھکنا (۳) یُخٰدِعُوْنَ یہ خدع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دھوکہ دینا اور دغابازی کرنا۔

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ......الآیۃ۔

سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں ایسے خالص اہل ایمان کے بارے میں ہیں جو ظاہراً و باطناً مومن ہیں۔اس کے بعد والی دو آیتیں خالص اہل کفر کے بارے میں ہیں جو ظاہر او باطنا کافر ہیں اس کے بعد والی تیرہ آیتیں ان منافقین کے متعلق ہیں جو ظاہر میں تو مسلمان نظر آتے ہیں۔مگر باطن میں کافر ہیں کیونکہ ان میں اقرار لسانی تو ہے مگر تصدیق جنانی (قلبی) نہیں ہے جو لازمہ اسلام ہے۔

کفر کیا ہے اور کن چیزوں کے انکار سے آدمی کافر بنتا ہے؟:

سو واضح ہو کہ لغت عرب میں کفر کے معنی جہاں چھپانے اور ناشکری کرنے کے ہیں وہاں اس کے ایک معنی انکار کرنا بھی ہیں۔ لہٰذا جو شخص اصول اسلام جو کہ توحید، نبوت اور قیامت ہیں ان سب کا یا ان میں سے کسی ایک کا جان بوجھ کر انکار کرے وہ کافر ہے اور کافر کا بھی فرد کامل ہے یا وہ ضروریات اسلام جن پر تمام اسلامی فرق

ومسالک کا باوجود اپنے باہمی اختلافات کے اتفاق ہو۔ جیسے نماز پنجگانہ کا وجوب ان کی رکعتوں کا سترہ ہونا، ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت، حج کا وجوب، زکوٰۃ کی فرضیت اور مودۃ اہل بیت علیہم السلام کا وجوب وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص ضروریات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اگرچہ اسلامی طریقہ پر سلام کرے اور روبقبلہ ہو کر نماز بھی پڑھے اور اپنے مسلمان کہلانے پر اصرار بھی کرے۔ الغرض جو کچھ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے لائے ہیں اور وہ قطعی طریقہ سے ثابت ہے اس کے انکار کرنے کا دوسرا نام کفر ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ایمان کی طرح شدت وضعف میں کفر کے بھی کئی مراتب ہیں۔ سب یکساں نہیں ہیں

بہر حال اس آیت میں خداوند عالم نے اپنے ازلی وابدلی علم کی بنا پر خبر دی ہے کہ یہ لوگ اپنی ضد وہٹ دھرمی اور کج روی سے جس طرح کفر وفجور پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ اس سے باز نہیں آئینگے اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

اب یہ بات تو واضح ہے کہ اس سے عام کفار مراد نہیں ہیں تو پھر وہ کون خاص کافر ہیں؟ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مکہ کے بعض بڑے بڑے کفار وسرداران قریش مراد ہیں جو اسلام کا انکار کرنے اور شمع اسلام کو گل کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ جن میں کچھ جنگ بدر میں واصل جہنم ہوئے اور کچھ بعد والی جنگوں میں کیفر کردار کو پہنچے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر تمام کفار کی یہی حالت ہوتی تو پھر رشد وہدایت اور اسلام وایمان کا دروازہ بند ہو جاتا اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا اور ان کا آنا عبث ہو کر رہ جاتا۔ ''تعالی اللہ عن ذلك علوا کبیراً. اور جب کوئی کافر اسلام نہ لاتا تو شجرہ اسلام کس طرح پھلتا، پھولتا اور پروان چڑھتا اور یہ کافر جو اسلام لائے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھی یہ سب کچھ کس طرح روبعمل آتا؟؟

خَتَمَ اللہُ...... الآیۃ۔

کسی چیز پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر کی کوئی چیز اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور اندر کی کوئی چیز باہر نہ نکل سکے۔ بنا بر ایں اگر اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو پھر تو وہ ایمان نہ لانے اور کفر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جبکہ یہ بات مسلمات عقل وشرع کے سراسر خلاف ہے عدلیہ کے برحق مسلک کہ انسان فاعل مختار ہے کے صحیح اسلامی نظریہ کے بالکل منافی ہے۔

بنا بریں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہاں ان لوگوں کی بدعملیوں، ہٹ دھرمیوں، کج رویوں اور کفر کیشیوں کی وجہ سے جو حالت ہو گئی ہے۔ تمثیلی شکل میں اسے بیان کیا جا رہا ہے کہ جس طرح حفظان صحت کے اصولوں کو مسلسل پائمال کرنے کی وجہ سے بعض اعضاء جیسے معدہ وغیرہ اس طرح بیکار ہو جاتے ہیں کہ ان کے وجود وعدم

میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا بالکل اسی طرح روحانی قوتوں کے حفظان کے چند اصول ہوتے ہیں جن کی مسلسل خلاف ورزی کرنے سے وہ روحانی قوتیں اس طرح ناکارہ ہوجاتی ہیں کہ دل ودماغ میں حق وباطل کے درمیان تمیز کرنے اور آنکھوں سے عبرت انگیزی اور کانوں سے نصیحت آموزی کی صلاحیت سلب ہوجاتی ہے۔تو گویا اب ان اعضاء کا وجود وعدم برابر ہوگیا ہے۔اور وہ اس طرح شل ہوکر رہ گئے ہیں کہ گویا ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ گئی ہے۔اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔

لیکن مشاہدہ شاہد ہے کہ نہ ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ ہوتا ہے اور نہ کانوں پر کوئی مہر۔تو ماننا پڑے گا کہ ان کے دلوں پر کوئی مادی مہر نہیں ہے۔ یہ مجاز ہے اور استعارہ وکنایہ ہے اور اگر فی الواقع کوئی ایسی خاص علامت ہے جو سیاہ نقطہ کی طرح ان کے دل ودماغ میں پائی جاتی ہے۔ جسے ملائکہ یا اولیاء اللہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔جیسا کہ اس مضمون کی ایک روایت حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔(عیون الاخبار)۔

تو یہ بھی ان کے کفر وفجور اور بغض وعناد اور گناہ وعصیاں کا نتیجہ وثمرہ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

''بَلْ طَبَعَ اللهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ '' (بلکہ خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے)۔سورہ نساء آیت۔۱۵۵

اس سے واضح ہوا کہ اس حقیقی یا مجازی مہر لگنے کا سبب ان کا کفر ہے اور مہر اس کا نتیجہ ہے ان کا کفر اس مہر لگنے کا ثمرہ ونتیجہ نہیں ہے یعنی پہلے مہر نہ تھی۔اگر لگی تو ان کے کفر وانکار کی وجہ سے لگی ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۱۴ ''۔یعنی جو برے اعمال اور کرتوت وہ کیا کرتے تھے ان کا زنگ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا۔(سورہ مطففین آیت۔۱۴)

یہ کہیں زنگ، کہیں پردہ اور کہیں مہر کی تعبیر اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ضد، ہٹ دھرمی، کج روی، کج اندیشی اور بدعملی کی وجہ سے ان سے ایمان اختیار کرنے اور راہ راست پر آنے کی توفیق ہی سلب ہوگئی ہے فہم لا یومنون یہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں ان کے گناہ وعصیاں، ظلم وعدوان اور کفر وانکار کی سزا ہے کہ ان سے اصلاح احوال کی توفیق ہی سلب کر لی گئی ہے اور اس طرح ان کے دل ودماغ، چشم وگوش کی تمام قوتیں اور ان کی توانائیاں ناکارہ اور ختم ہوگئی ہیں اور ہر داعی حق چشم بصیرت سے ان کی حالت دیکھ کر یہ محسوس کرتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے اور ان کا آئینہ دل اس قدر میلا کچیلا ہوگیا ہے کہ اب اس میں آفتاب ہدایت

کے نور کو اپنے اندر منعکس کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ان تین اعضاء کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ علم ومعرفت حاصل کرنے کا مرکز قلب ہے اور اس کے ظاہری وسائل و ذرائع دیدہ و گوش ہیں اور ایسے بدبختوں کیلئے زبردست عذاب ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ یہاں قلب سے مراد وہ مضغۂ گوشت نہیں ہے جو سینہ کے اندر ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو ارادہ، تعقل اور احساس کا مرکز ہے جسے محاورہ عرفی اور عام بول چال میں دل کہا جاتا ہے۔ جو ارادی افعال کا مصدر ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ........الآیۃ۔

قبل ازیں یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ اس آیت سے لے کر تیرہ (۱۳) آیات تک منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے (تفسیر صافی وبرھان) ان آیات شریفہ میں منافقین کی منافقانہ اور دو عملی روش ورفتار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اسلام میں منافقوں کے وجود اور ان کی ضرر رسانیوں کا تذکرہ

حقیقت الامر یہ ہے کہ آغاز اسلام سے لے کر آج تک اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر ضرر وزیاں اس اندرونی دشمن نے مار آستین بن کر پہنچایا ہے اتنا بیرونی دشمنوں و کفار ومشرکین نے نہیں پہنچایا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات میں منافقوں کا وجود ایک نا قابل انکار حقیقت ہے جس پر تاریخی شہادتوں کے علاوہ خود قرآن کی مختلف آیات بلکہ پوری سورتیں شاہد عادل کے طور پر موجود ہیں۔ البتہ معمولی سا اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا اسلام میں یہ بیماری ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئی یا مکہ میں اس کی ابتداء ہو گئی تھی؟ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ہجرت سے پہلے منافقین کا نشان نہیں ملتا (ضیاء القرآن)۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا آغاز ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں ہو گیا تھا۔ جس میں بعد ازاں برابر اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے آخری دور حیات میں یہ ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ صاحب ضیاء القرآن نے مکہ میں منافقین کے نشان نہ ملنے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس وقت مسلمان ہونا ہر قسم کے ظلم وستم کا تختہ مشق بننا تھا اور اس لئے کسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کیلئے مصیبتوں کو دعوت دے جس پر اسکا ایمان ہی نہیں ہے بظاہر یہ استدلال خاصا وزنی نظر آتا ہے لیکن اگر دنیاداروں کے حالات وکوائف پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ آنے والی متوقع آسودگی وخوشحالی اور اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کیلئے ابتداء

میں بڑی بڑی زحمتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ طالبعلم کی محنت' کسان کی زحمت' تاجر کی مشقت اور ایک سیاستدان کی سال ہا سال کی تگ ودو اور کدو کاوش اسی فطری جذبہ کے مختلف مظاہر ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمان بننا ہر قسم کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بننا تھا' مگر ایک تو یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی بلکہ بعد ازاں حالات قدرے بدل گئے تھے اور دوسرے کچھ لوگوں کو راہب نے خبر دی تھی کہ عنقریب مکہ میں ایک دعویدار نبوت ظاہر ہوگا اور تمہیں ان کی وجہ سے بڑے دنیوی فوائد حاصل ہوں گے (تاریخ الخلفاء' سیرت حلبیہ' صواعق محرقہ وغیرہ)۔

لہٰذا انہوں نے اس طمع میں اسلام کا اظہار کیا اور کچھ لوگ ان کی تحریک پر اسلام میں داخل ہوئے اور کچھ لوگ حالات کا رخ دیکھ کر اور متوقع فتوحات وغنائم کی امید پر ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ'' کہتے ہوئے اسلام کی کشتی پر سوار ہو گئے اور پھر سایہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔

منافقین کی مختلف اقسام کا بیان

مشہور اسلامی سکالر مولانا مودودی ہمارے اس متعلقہ مسئلہ کے بارے میں سور بقرہ کے پیش لفظ میں آنحضرت کی مدنی زندگی کے دور کے متعلق لکھتے ہیں ''دعوت اسلامی کے اس مرحلہ میں ایک نیا عنصر بھی ظاہر ہو گیا تھا اور یہ منافقین کا عنصر تھا۔ اگرچہ نفاق کے ابتدائی آثار مکہ کے آخری زمانہ میں بھی نمایاں ہونے لگے تھے مگر وہاں صرف اس قسم کے منافق پائے جاتے تھے جو اسلام کے برحق ہونے کے معترف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کے لئے تیار نہ تھے کہ اس حق کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی اور اپنے دنیوی تعلقات کا انقطاع اور ان مصائب وشدائد کو بھی برداشت کرلیں جو اس مسلک حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر اس قسم کے منافقین کے علاوہ چند اور قسموں کے منافق بھی اسلامی جماعت میں پائے جانے لگے۔ ایک قسم کے منافق وہ تھے جو قطعاً اسلام کے منکر تھے اور محض فتنہ برپا کرنے کیلئے جماعت مسلمین میں داخل ہو جاتے تھے۔

دوسری قسم کے منافق وہ تھے جو اسلامی جماعت کے دائرہ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا مفاد اس میں دیکھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی اپنا شمار کرائیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام سے بھی ربط رکھیں تاکہ دونوں طرف کے فوائد سے متمتع ہوں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان متردد تھے انہیں اسلام کے برحق ہونے پر کامل اطمینان نہ تھا

مگر چونکہ ان کے قبیلہ یا خاندان کے بیشتر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لئے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو امرِ حق کہنے کی حیثیت سے تو اسلام کے قائل ہو چکے تھے مگر جاہلیت کے طریقے' اوہام اور رسمیں چھوڑنے اور اخلاقی پابندیاں قبول کرنے اور افرائض اور ذمہ داریوں کا بار اٹھانے سے ان کا نفس انکار کرتا تھا۔ سورہ بقرہ کے نزول کے وقت ان مختلف اقسام کے منافقین کے ظہور کی محض ابتداء تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اجمالی اشارات فرمائے ہیں بعد میں جتنی جتنی ان کی صفات اور حرکات نمایاں ہوتی گئیں اسی قدر تفصیل کے ساتھ بعد کی سورتوں میں ہر قسم کے منافقین کے متعلق ان کی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہدایات بھیجی گئیں۔''۔(تفہیم القرآن جلد ا صفحہ ۴۸)

اس موضوع پر ہمیں مزید کچھ خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ولا ینبئك مثل خبیر۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت منافقین موجود تھے:

ہم یہاں صرف اس قدر واضح کرنا چاہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے ساتھ منافقین کا خاتمہ نہیں ہو گیا تھا بلکہ وہ برابر موجود تھے فاضل شبلی نعمانی رقمطراز ہیں''اور جب آنحضرتؐ کی وفات واقع ہوئی تو مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا''۔صحابی رسولؐ حذیفہ یمانی کہا کرتے تھے کہ:

''ان المنافقین الیوم شر منھم علی عھد النبی کانوا یومئذٍ یسرون و الیوم یظھرون ''۔آج کل کے منافق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے بھی بدتر ہیں وہ اس وقت پوشیدہ طور پر ریشہ دوانیاں کرتے تھے مگر آج کھل کر کھیل رہے ہیں۔(بخاری جلد ۴ ص ۱۴ طبع مصر)

چنانچہ اس اثنا میں اسلام' مسلمانوں اور خاص طور پر خاندان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوا وہ انہی لوگوں کی کارستانیوں کی داستان خونچکان ہے۔والی اللہ المشتکی۔

منافق کسے کہا جاتا ہے؟:

منافق اس کو کہا جاتا ہے کہ جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل سے انکار کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی اور سچا مسلمان بننے کیلئے صرف زبانی اسلام کا اقرار کرنا اور اس کے ظاہری احکام پر عمل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ قلبی تصدیق کا ہونا بھی ضروری ہے۔اور چونکہ منافقین میں یہ تصدیق نہیں پائی جاتی اس لئے ان کے دعوائے اسلام وایمان کے باوجود خداوند عالم ان کے دعوی کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے''وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ ''۔یہ مومن نہیں ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ......الآیۃ

منافق لوگ اپنی دوغلی چال اور منافقانہ روش ورفتار سے بظاہر تو اہل ایمان اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فریب و دھوکہ دیتے تھے کہ وہ اس طرح کی روش اختیار کر کے اہل اسلام اور مخالفین اسلام کی نگاہوں میں ہر دلعزیز بن جائینگے۔ مگر خداوند عالم رسول کو دھوکہ دینے کو خود خدا کو دھوکہ دینا قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ خدا اور اہل ایمان کو کیا دھوکہ دینگے وہ تو ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب والشھادہ ہے اور جب وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی منافقانہ سازشوں کی اطلاع دے دیتا ہے اور پھر آپ مسلمانوں کو بتا دیتے ہیں اور اس طرح ان کی منافقت کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے تو ان کی فریب کاری کا وزر و بال خود انہی پر پڑتا ہے اور وہ اس طرح ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں کہ نہ ادھر کے رہتے ہیں اور نہ ادھر کے رہتے ہیں مگر ان احمقوں کو اس کا شعور نہیں ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ......الآیۃ

جس طرح مختلف جسمانی و بدنی بیماریاں ہوتی ہیں کوئی چھوٹی اور کوئی بڑی۔ جن کی وجہ سے آدمی کا مزاج حد اعتدال سے نکل جاتا ہے اور نظام صحت میں خلل پڑ جاتا ہے اسی طرح کچھ روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کوئی معمولی اور کوئی بڑی سخت جن کی وجہ سے نفس انسانی کے کمال میں خلل واقع ہو جاتا ہے انہی بڑی سخت روحانی بیماریوں میں سے ایک بیماری نفاق بھی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ ''۔اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی ہے۔البقرہ۔۱۰

خدا کے ان کی اس بیماری کو بڑھانے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ خدا ان کو اپنی توفیق سے محروم رکھتا ہے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے ان کی یہ بیماری بڑھ جاتی ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اس روش سے اسلام' بانی اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں مگر اس کے برعکس جب خدائے قدیر ان کی شان و شوکت اور عزت و عظمت میں اور اضافہ کر دیتا ہے تو یہ اس سے کڑھتے اور جلتے ہیں جس سے ان کی بیماری میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

الغرض اس بیماری میں اضافہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ ان کے مسلسل جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنا اسلامی نقطۂ نگاہ سے کس قدر سنگین گناہ ہے۔

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ......الآیۃ۔

چونکہ منافقین ہر وقت فتنہ وفساد پھیلانے اور آتش بغض وعناد فروزاں کرنے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان کے برخود غلط ہونے کا عالم یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ کیونکہ زمین میں خدا میں فتنہ وفساد پھیلانا قتل مومن سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔''اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ''(سورہ بقرہ آیت۔۱۹۱)۔تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں خدا فرماتا ہے' درحقیقت یہی مفسد ہیں جو خود بھی شک وانکار کی وجہ سے برباد ہو چکے ہیں اور اپنی مفسدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے دوسروں کو بھی خراب و برباد کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔

آیات القرآن

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ﴿۱۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ
نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ
ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

خبردار۔درحقیقت وہی فساد پھیلانے والے ہیں لیکن انہیں شعور نہیں ہے۔(۱۲) اور جب

ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ خبردار۔ یہی لوگ خود بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ہیں (۱۳) اور یہ لوگ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ان (مسلمانوں) سے تو ہم صرف مذاق کر رہے ہیں (۱۴) خود اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے اور انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور وہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں۔ (۱۵) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔ سو نہ تو ان کی تجارت سودمند ہوئی اور نہ ہی انہیں ہدایت نصیب ہوئی۔ (۱۶) ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی اور جب آگ نے اس کے گرد ونواح کو روشن کر دیا ہے تو اللہ نے ان کی روشنی (بینائی) سلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا اب انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ (۱۷)

تشریح الالفاظ

(۱) السُّفَهَآءُ یہ سفیہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بے وقوف

(۲) مُسْتَهْزِءُوْنَ استہزاء کے معنی ہیں ٹھٹھا کرنا۔

(۳) فَمَا رَبِحَتْ ربح کے معنی ہیں نفع اور فائدہ

تفسیر الآیات

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ......الآیۃ

اسلام کا اظہار تو یہ منافقین بھی کرتے تھے۔ مگر ان کے قول وفعل کا تضاد اور ان کے اعمال وافعال کی دورنگی دیکھ کر جب مخلص مسلمان از راہ ہمدردی ونصیحت ان سے کہتے تھے کہ تم اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح اور (مخلص اور سچے) لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ جو یک رنگ ہو کر صرف ایک طرف کے ہو کر رہ گئے ہیں اصل عقلمند تو ہم ہیں جو دونوں سے فوائد حاصل

کر رہے ہیں کہ اگر کافروں کا فتح ہوئی تو ہم ان کے بھی ساتھی ہیں اور اگر مسلمانوں کو فتح وفیروزی حاصل ہوئی تو ہم ان کے بھی ہمراہ ہیں اسی کا نام تو سیاست ہے خدا فرماتا ہے حقیقی بے وقوف اور احمق تو یہی منافق ہیں جنہوں نے چندروزہ فانی عیش وآرام کو جاودانی زندگی کے مفاد پر قربان کر کے اسے ترجیح دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں کو برا اور مخلص اہل ایمان اور اہل حق کو احمق و بے وقوف کہنا باطل پرستوں کا پرانا طریقہ کار رہا ہے۔ اور وہ بھی رو برو نہیں کہتے بلکہ پس پشت کہتے ہیں اور بدزبانی وگلہ گوئی کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور اگر سامنے آئیں تو تملق و چاپلوسی سے کام لیتے ہیں اور بچھے جاتے ہیں اور اس طرح صلح کل بن کر مصلحت کے نام پر اپنی منافقت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں مگر ان کی عقل پر پتھر پڑے ہوتے ہیں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ ......الآیۃ۔

یہ ہے منافقین کی دوغلی اور دوہری پالیسی کی مکمل تصویر کہ جب مخلص اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں اور کفار کے سرغنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مسلمانوں سے مذاق کر رہے ہیں۔ خدا فرمارہا ہے کہ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ......الآیۃ۔

خداوندعالم کی ذات استہزاء، تمسخر اور مکر وفریب جیسے مذموم کاموں سے منزہ ومبرّا ہے لہٰذا جب اس قسم کے الفاظ اسکے بارے میں استعمال کئے جائیں تو اس وقت ان الفاظ کے وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو مخلوق کے متعلق ان سے مراد لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی لفظ کے معنی متعین کرتے وقت اس کی نسبت واضافت کو بڑا دخل ہوتا ہے لہٰذا جب اس قسم کے الفاظ خدا کے بارے میں استعمال ہوں تو ان کا مطلب ان کاموں کی سزا دینا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے ثابت کیا ہے کہ ''اصل الاستهذاء الانتقام ''یعنی استہزاء کا مفہوم انتقام لینا ہے یعنی اللہ ان کو ان کی اس حرکت کی سزا دیتا ہے اور ان سے انتقام لیتا ہے اور اس قسم کے لفظوں کا خدا پر اطلاق علم بدیع کی صنعت مشاکلہ کی بنا پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک معنی کو دوسرے معنی والے لفظ سے اس لئے ادا کرنا کہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ واقع ہوئے ہیں جیسے:

''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴ ''(سورہ آل عمران آیت۔ ۵۴)۔

''وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا''(سورہ شوریٰ آیت۔ ۴۰)

''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠''(سورہ بقرہ آیت۔ ۱۹۴)

یہاں خدا نے مکر کی سزا کو مکر، برائی کی سزا کو برائی اور ظلم کے بدلہ کو ظلم سے تعبیر کیا ہے حالانکہ ظلم اور برائی کی سزا عدل وانصاف کہلاتی ہے اس میں کوئی برائی نہیں ہوتی ہے بہر حال وہ لوگ بخیال خویش خدا سے تمسخر کرتے ہیں اور خدا ان کو ان کی اس شرارت کی یہ سزا دیتا ہے کہ دنیا میں ان پر اسلام کے احکام جاری کرتا ہے اور آخرت میں ان سے کفار والا سلوک کرے گا اور انہیں ابدی جہنم میں جھونکے گا۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی ......الآیۃ۔

خدائے حکیم نے یہاں منافقوں کی حالت زار، ان کی ذہنی وفکری کشمکش اور سراسیمگی کو دو مثالیں دے کر اجاگر کیا ہے پہلی مثال ان منافقین کی ہے جو اپنے نفاق میں بالکل راسخ تھے اور محض دنیوی مفاد کی خاطر اظہار اسلام کیا تھا۔ ورنہ اسلام سے انہیں دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا ان کی مثال آگ روشن کرنے والے اور اس سے کچھ استفادہ کرنے والے اور پھر اندھا ہو جانے کی سی ہے بالکل اسی طرح ان منافقین نے کفر کو چھپا کر اسلام کا اظہار کیا اور اس کے بعض فوائد حاصل کئے جیسے نکاح، میراث اور مال وجان کا تحفظ وغیرہ لیکن منافقت کی موت مرنے سے ظلمت عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ یا خدا نے جب ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا تو وہ اہل ایمان میں ذلیل ورسوا ہو گئے اور ابدی سعادت حاصل نہ کر سکے۔

دوسری مثال ان منافقین کی ہے جو فی الجملہ اسلام کی حقانیت سے متاثر تو تھے مگر دنیوی اغراض فاسدہ کے تحت اس سعادت کو حاصل نہ کر سکے۔ ان کی مثال اس موسلا دھار بارش اور اس کی تاریکی میں گرفتار شخص کی سی ہے کہ جس طرح آدمی اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔ (حالانکہ وہ سراسر رحمت ہے اور زمین کی حیات کا باعث ہے) اور اس سے بھاگتا ہے مگر اندھیرا اسے بھاگنے نہیں دیتا اور بجلی کی چمک سے بھی پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح منافقین اسلام اور قرآن کو پسند نہیں کرتے (حالانکہ وہ سراسر رحمت ہیں اور دلوں کی حیات ابدی کا موجب ہیں) وہ اس سے بھاگتے ہیں مگر بھاگ بھی نہیں سکتے۔ لہٰذا طوعاً کرھاً اس کا اظہار کرتے ہیں مگر اس کے فوائد وبرکات سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتے کبھی (جب امن کی حالت ہو تو) چلتے ہیں اور کبھی (جب جہاد کا وقت آئے تو) رک جاتے ہیں یا جب فتح ہوتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور جب شکست ہوتی ہے تو رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور جب کفار ومنافقین کی مذمت سنتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں ان کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

بالآخر خدا انہیں ان کی منافقانہ روش ورفتار پر ذلیل ورسوا کر دیتا ہے جو پہلے دن بھی کر سکتا تھا مگر وہ عجلت سے کام نہیں لیتا ہے بہرکیف ارشاد خداوندی ہے کہ یہ منافقین دنیا میں تو استعارہ وکنایہ کے طور پر بہرے، گونگے اور اندھے ہیں مگر آخرت کے دن اور آتش دوزخ کی لپیٹ میں آ کر صحیح معنوں میں بہرے، گونگے اور اندھے ہو

جائینگے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

''وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا ؕ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ ''۔یعنی قیامت کے دن ہم ان کو اندھا محشور کریں گے اور وہ اس وقت اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے اوران کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(سورہ بنی اسرائیل آیت۔۹۷) یہ ہے خلاصہ اس تفسیر کا جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔(برھان)

آیات القرآن

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝۱۸ اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ
ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝۱۹ يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ
اَبۡصَارَهُمۡ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ
قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۲۰ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ
وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝۲۱ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ
فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ
الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۲

ترجمۃ الآیات

پس وہ ایسے بہرے' گونگے اور اندھے ہیں کہ اب (گمراہی سے راہ ہدایت کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔(۱۸) یا (پھر ان کی مثال ایسی ہے جیسے) آسمان سے زوردار بارش برس رہی ہو جس میں تاریکیاں ہوں۔اور گرج چمک بھی اور وہ گرنے والی بجلیوں سے مرنے کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں۔حالانکہ اللہ ہر طرف سے کافروں کو گھیرے ہوئے

ہے۔ (۱۹) قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں کو اچک لے (انہیں خیرہ کردے) جب بجلی ان کیلئے اجالا کرتی ہے تو وہ اس کی روشنی میں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت و بصارت (سننے اور دیکھنے کی طاقت) کو زائل کر دیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰) اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت (پرستش) کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور انہیں بھی جو تم سے پہلے ہو گذرے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۲۱) وہی (پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کا شامیانہ لگایا (اور اسے چھت بنایا) اور آسمان (بلندی) سے پانی برسایا۔ اس سے تمہاری روزی کے لئے کچھ پھل برآمد کئے سو جان بوجھ کر (کسی کو) اللہ کا ہمسر وشریک نہ بناؤ۔ (۲۲)۔

تشریح الالفاظ

(۱) صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ صمٌ اصم کی جمع ہے جس کے معنی بہرے کے ہیں بکمٌ ابکم کی جمع ہے جس کے معنی گونگے کے ہیں اور عمیٌ اعمی کی جمع ہیں جس کے معنی اندھے کے ہیں۔

(۲) کَصَیِّبٍ صیبٌ کے معنی ہیں بارش والا بادل

(۳) اَنْدَادًا یہ ندٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مثل اور نظیر

تفسیر الآیات

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا...الآیۃ۔

خداوند عالم جب سابقہ بیس آیات میں مومنین کافرین اور منافقین کے صفات حالات اور واقعات کا تذکرہ فرما چکا تو اب تمام بنی نوع انسان کو اپنی عبادت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے جو انسان کی خلقت کی غرض وغایت ہے اور جس کی خاطر قرآن نازل ہوا ہے۔

عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ اس کی بقدرت ضرورت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بذیل آیہ ’’ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ‘‘ میں وضاحت کی جا چکی ہے خدا کی عبادت کیوں کی جائے؟ اس لئے کہ وہ ہمارا پروردگار

ہے، ہمارا مالک ومختار ہے اور پالنہار ہے اور ہمارا اور ہمارے آباء واجداد کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اس نے ہمیں ان انفسی احسانات کے علاوہ کچھ آفاقی انعامات سے بھی نوازا ہے۔اس نے ہمیں آرام پہچانے اورزندگی کی گاڑی با آسانی چلانے کی خاطر زمین کا بچھونا بچھایا اور آسمان کا سائبان لگایا، بادلوں سے بارش برسائی اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے ہر قسم کی پیداوار پیدا کر کے ہماری روزی کا انتظام فرمایا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاجروں کی طرح جنت کے طمع ولالچ میں یا نوکروں کی طرح جہنم کے خوف وڈر کی وجہ سے خدا کی عبادت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خدا کو منعم ومحسن اور لائق عبادت سمجھ کر آزاد بندوں کی طرح اس کی عبادت کرنی چاہیے (جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے)۔

اس عبادت کی غرض کیا ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ قرآن نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ '' لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ '' (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) اور پرہیزگار بن کر جنت الفردوس کے حقدار بن جاؤ۔اس سورہ کے آغاز میں بذیل '' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ '' تقویٰ کی لغوی وشرعی حقیقت اور متقیوں کے صفات پر گفتگو کی جا چکی ہے مزید برآں کہ اتباع ہواوہوس کی ضد کا نام تقویٰ ہے اور اگر ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔اسلام کی ہر تعلیم اور ہر عبادت کا مقصد انسان کے اندر روح تقویٰ کا پیدا کرنا اور بیدار کرنا ہے۔روزہ رکھنے کا مقصد تقویٰ ہے '' لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ '' (سورہ بقرہ آیت۔۱۸۳) حج کرنے کا ہدف تقویٰ ہے '' فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج آیت۔۳۲) ''۔

زیر بحث آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی ساری عبادات، کا منشا تقویٰ کا حصول ہے '' لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ '' اسلام میں معیار فضیلت تقویٰ ہے۔'' اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ '' (سورہ حجرات آیت۔۱۳)۔خدا عمل اہل تقویٰ کے قبول کرتا ہے '' قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ مائدہ آیت۔۲۷) ''۔ اللہ کے محب اہل تقویٰ ہیں۔'' اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (سورہ انفال آیت۔۳۴) '' اللہ کے محبوب اہل تقویٰ ہیں۔'' اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ توبہ آیت۔۴۷) ''

حضرت علی۔کے غلام اہل تقویٰ ہیں۔لا نہ امام المتقین۔قرآن سے فیض والے اہل تقویٰ ہیں '' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ '' (سورہ بقرہ......۲) آخرت میں کامیاب ہونے والے اہل تقویٰ ہیں '' وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورہ اعراف......۱۲۸) '' اور سب سے بڑھکر جنت الفردوس میں جانے والے اہل تقویٰ ہیں '' اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ '' (سورہ طور......۱۷)۔بہرنو محسن ومنعم حقیقی کے ان تمام احسانات وانعامات کے تقاضے دو ہیں ایک یہ کہ ہم صرف اسی کی خالص عبادت کریں۔ اعبدو الله مخلصین له الدین کسی اور کی

عبادت نہ کریں دوسرے یہ کہ اس کی توحید خالص کا اقرار کریں اور کسی اور کو اس کا مقابل اور شریک نہ بنائیں۔ ''فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا'' (سورہ بقرہ آیت۔۲۲)۔ کیونکہ خدا والے کام کوئی اور انجام نہیں دے سکتا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

''اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴿۴۰﴾''۔ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہاری روزی کا بندوبست کیا ہے پھر (ایام زندگی پورے ہونے پر) تمہیں موت کا مزا چکھاتا ہے پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ (اے مشرکو!) جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو ان میں کوئی ایسا ہے جو خدا والے یہ کام انجام دے سکے؟ (پھر خود جواب دیتا ہے) خدا اس سے پاک ہے جو کچھ مشرک اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ (سورہ روم آیت۔۴۰)

پھر مقام ربوبیت اور شان الوھیت کی مزید وضاحت پارہ نمبر ۲۰ کے پہلے رکوع میں کی گئی ہے جہاں پورے پندرہ ایسے کام تفصیل سے گنوائے گئے ہیں جو مقام الوہیت سے مخصوص ہیں ان آیات محکمات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہوتی ہے کہ جو شخص ان امور کی نسبت کسی بھی مخلوق کی طرف دیتا ہے وہ بنص قرآن مشرک ہے اور جو مشرک ہے وہ بنص قرآن نجس ہے ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' (سورہ توبہ آیت ۲۸)۔ اور جو بوجہ شرک نجس ہے۔ اس پر بنص قرآن جنت حرام ہے ''مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ'' (سورہ مائدہ آیت۔۷۲)۔ لہٰذا اگر رطب و یابس کے کسی مجموعہ میں کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے جس سے کسی غیر اللہ کا خالق و رازق ہونا ظاہر ہوتا ہے تو مخالف قرآن و اسلام ہونے کی وجہ سے اسے غالیوں و نصیریوں کی من گھڑت سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینکا جائیگا جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار کی جلد ہفتم میں، فاضل لکھنوی نے استقصاء الافحام میں اور دوسرے اعلام نے اپنی تحقیقی کلامی کتابوں میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے اس موضوع کی دیگر تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''احسن الفوائد'' اور ''اصول الشریعہ'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

ایک ضروری وضاحت

آگے بڑھنے سے پہلے زمین و آسمان کی حقیقت اور دیگر بعض دوسری کائناتی چیزوں کی حقیقت کے بارے میں اجمالاً اس قدر عرض کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ ''قرآن مجید میں زمین و آسمان اور دیگر کائنات عالم کا جو ذکر ہے وہ اس مقصد کیلئے نہیں ہے کہ ان کی حقیقتوں اور ماہیتوں کو بیان کیا جائے بلکہ ایک تو ان کے افادی

پہلوؤں کو جو بنی آدم سے متعلق ہیں نمایاں کر کے اللہ کی نعمتوں کا احساس کرانا منظور ہے اور دوسرے ان کی عظمت اور حیرت انگیز خلقت کی طرف توجہ دلا کر خالق کی عظمت وقدرت کی طرف توجہ دلانا مطلوب ہے۔ زمین چاہے کروی ہو اور چاہے مسطح بہر حال جہاں تک ہمارے لئے اس کے کارآمد اور محسوس پہلو کا تعلق ہے وہ ایک بچھونے ہی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں خاص توجہ دلانے والا جزء یہ ہے کہ یہ بچھونا کس نے قرار دیا؟ ظاہر ہے کہ اسی نے جس نے زمین کو خلق فرمایا اسی طرح آسمان وہ کوئی ٹھوس جسم ہے یا سیال مادہ ہے اسے قرآن کچھ نہیں بتاتا۔ بے شک اس کی محسوس شکل جو ہر آنکھ کے سامنے ہے وہ یہی ہے کہ وہ ہمارے سروں پر ایک چھت کی طرح بلند ہے بس اسی کو سامنے رکھ کر اس کے خالق کی جانب توجہ دلائی گئی ہے اس کو سائنس اور ریاضی کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی حقیقتوں کو معلوم کرنے کے میدان میں فہم بشری کو تگ ودو کی پوری آزادی حاصل ہے۔ السماء کی لفظ جو پہلی دفعہ ہے وہ تو آسمان کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ اس کی سمت یعنی اوپر کا رخ مقصود ہے۔ عربی میں بلندی کے رخ کی ہر شے کو سماء کہتے ہیں"۔ (فصل الخطاب)

سبحان اللہ۔ قرآن نے توحید کے نازک مسئلہ کو کس طرح فطری اور دلنشین اور موثر انداز میں ذہن نشین کرایا ہے جس سے عوام وخواص یکساں مستفید ہوتے ہیں بخلاف فلسفہ، حکمت کی کتابوں کے اور ان کی فنی باریکیوں، بھاری بھر کم علمی اصطلاحات اور پیچیدہ استدلالات کے کہ وہ انسان کے دل ودماغ کو مرعوب تو کر سکتے ہیں مگر اسے دولت یقین وایمان سے لبریز نہیں کر سکتے۔ سچ ہے۔

پائے استدلالیاں چوبین بود
پائے چوبین سخت بے تمکین بود

آیات القرآن

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۝۲۴ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ

قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵

ترجمۃ الآیات

اور جو کچھ (قرآن) ہم نے اپنے بندہ (خاص) پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس (کے کلام اللہ ہونے) میں شک ہے تو تم اس کے مانند ایک ہی سورہ لے آؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو ایک اللہ کو چھوڑ کر اپنے سب حمایتیوں و ہم نواؤں کو بھی بلا لو۔ (۲۳) لیکن اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے تو پھر (دوزخ کی) اس آگ سے ڈرو۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ (۲۴) اور (اے رسول) ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ کہ ان کیلئے (بہشت کے) ایسے باغ ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جب بھی انہیں ان (باغات) سے کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ (اس کی صورت دیکھ کر) کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں (دنیا میں) کھانے کو مل چکا ہے حالانکہ انہیں جو دیا گیا ہے وہ (صورت میں دنیا کے پھل سے) ملتا جلتا ہوگا (ذائقہ الگ ہوگا) اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۵)

تشریح الالفاظ

(۱) شُهَدَآءَكُمْ — یہ شہید کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گواہ، گواہی میں امین، اللہ کی راہ میں مارا جانے والا، حمایت کار

(۲) وَقُوْدُ — وقود کے معنی ہیں ایندھن

تفسیر الآیات

قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ خالدہ ہے

قرآن مجید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صحت و صداقت کا وہ معجزہ ہے جو آپ

کے اعلان نبوت سے لے کر آج تک معجزہ تھا، معجزہ ہے اور آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک معجزہ رہے گا۔ معجزہ جو کہ اعجاز سے ہے جس کے لغوی معنی عاجز کرنے والا کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں خدائے قدیر کے اس خارق عادت (مجرائے طبیعی کے خلاف) فعل کا نام ہے جسے وہ اپنے کسی نبی یا اس کے وصی کے دعوائے نبوت و وصایت کے وقت بطور سند ان کی نبوت و وصایت کی صداقت ثابت کرنے کی غرض سے اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے (کتب کلامیہ)

یہی وجہ ہے کہ اس کی نسبت خدا کی طرف بھی ہوتی ہے اور معجزنما (نبیؐ و امامؑ) کی طرف بھی۔ ہاں البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ نسبت خدا کی طرف حقیقی ہوتی ہے کیونکہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے یہ معجزہ ظاہر کرتا ہے اور نبی و امام کی طرف مجازی ہوتی ہے کہ ان کی دعا و استدعا پر ظاہر ہوتا ہے خدائے حکیم نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کی ضرورت کے مطابق معجزہ دیا ہے۔

خداوند عالم جہاں قادر ہے وہاں علیم بھی ہے اور جہاں علیم ہے وہاں حکیم بھی ہے اس لئے اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مختلف اعصار و ادوار میں ہر ہر نبی کو وہ معجزہ دیا (ظاہر فرمایا) جس کی اس دور میں ضرورت تھی۔ الغرض جس عہد میں جس چیز کا زیادہ چرچا تھا اور جس پر لوگ زیادہ فخر و ناز کرتے تھے اس دور کے نبی کو اسی قسم کا معجزہ دے کر ان لوگوں کا غرور و پندار خاک میں ملا دیا چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سحر و ساحری کا بڑا زور تھا تو خدائے علیم و حکیم نے جناب موسیٰ کو ید بیضا اور عصاء کے اژدھا بننے کا معجزہ دے کر سب جادوگروں کو عاجز کر دیا جب عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب و حکمت کا بڑا چرچا تھا تو خدائے خبیر و قدیر نے ان کو نابینے کو بینا اور مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ دے کر سب طبیبوں اور حکیموں کو عاجز و درماندہ کر دیا اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد معدلت انگیز میں لوگوں کو اپنی فصاحت و بلاغت، طاقتِ لسانی اور قادر الکلامی پر بڑا فخر و ناز تھا اور اسے ہی سرمایہ افتخار قرار دیا جاتا تھا حتی کہ عرب اپنے مقابلہ میں کل کائنات کو اعجم (گونگا) سمجھتے تھے تو قادر و قیوم خدا نے آنحضرت کو فوق العادہ فصاحت و بلاغت کا وہ شاہکار (قرآن) عطا فرمایا جس نے تمام فصحاء و بلغاء کی زبانوں پر تالے لگا دیئے چنانچہ خداوند عالم نے تمام منکرین رسالت کو عموماً اور عالم عرب کو خصوصاً چیلنج کیا کہ اگر تمہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک ہے تو اس جیسی کوئی کتاب بنا کر لاؤ۔

جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے باوجود ایسی کتاب نہ لاسکے تو قرآن نے یہ کہہ کر ان کی غیرت و حمیت پر تازیانہ لگایا کہ

''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ''۔(کہد یجئے کہ اگر تمام انس وجن متحد ہو کر بھی کوشش کریں کہ اس جیسی کتاب لائیں تو ہرگز نہیں لاسکیں گے)۔(سورہ بنی اسرائیل آیت۔۸۸)

مگراس کے باوجود جب وہ ایسا نہ کر سکے تو قرآن نے اپنے چیلنج میں قدرے نرمی کرتے ہوئے دوسرا علان فرمایا کہ

''فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ ''(سورہ ھود آیت۔۱۳)

کہ اگر پورے قرآن جیسی کتاب نہیں لاسکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لاؤ۔یہ دوسرا تازیانہ تھا جو ان کی جوادطبع کو مہمیز کرنے کیلئے انہیں لگایا گیا مگر وہ اسے بھی شیر مادر کی طرح پی گئے۔تو جب خداوند عالم نے بموجب''دروغگو را باید تا خانہ اش رسانید''اس چیلنج کو یہاں تک نرم کردیا کہ فرمایا:

''اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ''۔جو کچھ خدا نے اپنے بندہ (خاص) پر نازل کیا ہے۔(اس کے کلام اللہ ہونے میں) اگر تمہیں کچھ شک ہے تو اس کے مانند ایک سورہ ہی لے آؤ۔(سورہ بقرہ آیت۔۲۳)

یہاں خدا نے ان کو ایک اور تازیانہ عبرت رسید کیا۔فرمایا: ایک اللہ کو چھوڑ کر اپنے سب حمایتوں اور ہم نواؤں کو بھی بلالو۔اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔مگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے اور نہ قیامت تک کرسکیں گے۔

لہٰذا جب تم انفرادی واجتماعی کوشش وکاوش سے بھی ایسا نہ کرسکو تو پھر تسلیم کرلو کہ یہ کسی فوق البشر طاقت کی قدرت کا کرشمہ ہے۔قرآن مجید کی بعض سورتیں تو دوسو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہیں جیسے سورہ بقرہ اور بعض صرف تین آیتوں پر مشتمل ہے جیسے سورہ العصر تو مخالف اسلام طاقتوں کیلئے کتنا ہی سہل طریقہ تھا۔کہ کم ازکم تین آیتوں کی کوئی سورہ بنا کر پیش کردیتے تو اس طرح جہاں قرآن کے اس چیلنج کا جواب ہوجاتا وہاں اسلام وقرآن کی صداقت کا خاتمہ بھی ہوجاتا۔مگر مشاہدہ شاہد ہے کہ مشرق ومغرب کے دشمنان اسلام وقرآن چودہ سو سال کی مسلسل جدوجہد اور کدوکاوش کے باوجود آج تک جبکہ پندرھویں صدی کا بیسواں سال بھی قریب الاختتام ہے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ ہی قیامت تک دے سکیں گے انشاءاللہ۔

تو آیا اس کے بعد بھی قرآن کے کلام اللہ ہونے' اسلام کے دین برحق ہونے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق نبی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟ اور کسی بھی منصف مزاج شخص

کے لئے انکار کی کچھ گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اس لئے خدا ایسے لوگوں کو یہ دھمکی دینے میں حق بجانب ہے کہ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

قرآن کے وجوہ اعجاز

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ قرآن کن وجوہ کی بنا پر معجزہ ہے؟ اس سلسلہ میں اختلاف فکر ونظر پایا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے مقدمہ میں شرح و بسط سے بیان کر دی ہے۔ یہاں اجمالاً اس قدر عرض کیا جاتا ہے کہ قرآن کی اعجازی حیثیت کے بارے میں مختلف علماء کے آراء ونظریات مختلف ہیں۔ کوئی اسے فوق العادت فصاحت و بلاغت کی وجہ سے معجزہ سمجھتا ہے تو کوئی اس کی فوق العادہ تاثیر بے نظیر کو وجہ اعجاز قرار دیتا ہے۔ کوئی اس کے بیان کردہ قصص و حکایات کی صحت و صداقت کو اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل سمجھتا ہے تو کوئی اخبار غیبیہ کی حقانیت کو اس کی حقانیت کا بین ثبوت جانتا ہے اور کوئی اس کے انوکھے طرز استدلال و احتجاج کو اس کے خالق فطرت کے کلام معجز نظام ہونے کا برہان قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے کامل و اکمل عادلانہ نظام شریعت اور اس کے تعلیم کردہ اخلاق عالیہ کو اس کے کلام خدا ہونے کی ناقابل رد دلیل تصور کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

عباراتنا شتی و حسنك واحد
وکل الی ذاك الجمال یشیر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزہ خالدہ عطا کرنے کی وجہ

چونکہ انبیاء ماسلف کی نبوتیں محدود زمان و مکان کیلئے تھیں اس لئے خدائے حکیم نے ان کو معجزات بھی وہ عطا فرمائے جو صرف ان انبیاء کے حین حیات تک باقی رہے چنانچہ آج نہ جناب خلیل خدا ہیں اور نہ ان کا معجزہ گل وگلزار نہ جناب موسیٰ۔ ہیں اور نہ ان کا ید بیضاء وعصا۔ اور نہ جناب عیسیٰ علیہ السلام دار دنیا میں موجود ہیں نہ ان کا معجزہ ابراء اکمہ و احیاء موتی۔ لیکن چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت خاتمیہ مکان وزمان کے حدود و قیود سے ماوراء تھی اور ان کی نبوت نے صبح قیامت تک باقی رہنا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ ان کو دوسرے جز وقتی معجزات کے علاوہ ایک ایسا معجزہ خالدہ بھی عطا کیا جاتا جس کی اعجازی حیثیت قیامت تک برقرار ہے۔ بس یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی معجزہ خالدہ ہے۔

اچھی چیز کا شوق اور بری چیز کا خوف انسانی فطرت میں داخل ہے

اچھی چیز کی طلب اور اسے حاصل کرنے کی خواہش بری چیز سے نفرت اور اس سے بچنے کی تمنا خالق

حکیم نے ہر شخص کی فطرت میں ودیعت کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خود نیک ہو یا بدفطرت اچھی خوراک' اچھی پوشاک' اچھی سواری' اچھے مکان۔ اچھے ساز وسامان' اچھے بیوی بچوں' اچھے مذہب، اچھے نبی وامام کا خواہشمند نظر آتا ہے اور ہر شخص خواہ نیکوکار ہو یا بدکار' بری پوشاک' برے مکان' بری جائیداد' بری اولاد اور برے یار سے نفور وگریزاں نظر آتا ہے اور چونکہ ملت و مذہب کی مذہبی تعلیم کے مطابق جنت سب سے اچھی جگہ کا نام ہے اور جہنم سب سے بری جگہ کا نام۔ اس لئے ہر شخص خواہ وہ پرہیزگار ہو یا بدکار جنت کا طلبگار نظر آتا ہے اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ انسان کے اسی فطری جذبہ کے تحت ہر ملت و مذہب کے مذہبی لٹریچر میں بڑے دلآویز انداز میں جنت کی رغبت اور اس کا شوق دلایا گیا ہے اور بڑے خوفناک انداز میں جہنم سے نفرت اور اس کا خوف دلایا گیا ہے۔

خدا نے بھی انسان کے اس فطری جذبہ کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا:

''اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝۳۸ ''۔ ہر شخص کے اندر یہ طمع ولالچ پایا جاتا ہے کہ اسے جنت نعیم میں داخلہ مل جائے۔ (سورہ معارج آیت۔ ۳۸)

یہ الگ بات ہے کہ جدھر سب لوگ جانا چاہتے ہیں ادھر بہت کم خوش قسمت لوگ جائیں گے اور جدھر کوئی بھی نہیں جانا چاہتا ادھر بہت زیادہ بدبخت لوگ جائیں گے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کا سادہ اور صاف جواب یہ ہے کہ جنت میں جانا تو سب لوگ چاہتے ہیں مگر اکثر لوگوں کو جنت میں جانے کا طریقہ کار معلوم نہیں ہے اور جہنم سے بچنا تو سب چاہتے ہیں مگر اکثر لوگوں کو اس سے بچنے کا سلیقہ معلوم نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور اچھے کام پر ہے

اگر مختلف ملل و مذاہب کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اہل مذاہب نے اس سوال کا جواب قدرے مختلف دیا ہے یعنی بعض مذاہب نے عقیدہ وایمان پر زیادہ زور دیا ہے اور عمل کو نظرانداز کر دیا ہے اور بعض نے عمل وکردار کو زیادہ اہمیت دی ہے اور عقیدہ وایمان کو نظرانداز کر دیا ہے تمام ادیان عالم میں سے دین اسلام ہی واحد دین فطرت ہے جس نے اخروی نجات کے حصول اور جنت میں دخول اور جہنم سے بچاؤ کیلئے ایمان اور نیک کام (عمل صالح) کو یکساں اہمیت دی ہے اور اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے کیلئے دونوں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے جسے شک ہو وہ پورے قرآن اور پورے دفتر احادیث کا بنظر غائر اور عمیق نگاہ سے مکرر سہ کرر مطالعہ کرے ہر جگہ اسے ایمان کے ساتھ نیک کام اور نیک کام کے ساتھ ایمان کا

التزام نظر آئیگا کسی جگہ بھی نہ صرف ایمان پر دخول جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور نہ ہی صرف عمل پر جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ نجات کیلئے صرف عقیدہ وایمان کافی ہے یا کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کیلئے صرف عمل صالح اور نیک کام کافی ہے تو محتاط سے محتاط لفظوں میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے شخص نے یا تو قرآن وحدیث کو پڑھا نہیں ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر اسے سمجھا نہیں ہے۔ ورنہ سارا قرآن اور پورا دفتر حدیث اس حقیقت سے چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

نجات کے سلسلہ میں ایمان اور نیک کام کا باہمی فرق

ہاں البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص میں ایمان ہے۔مگر کچھ عملی کمزوریاں پائی جاتی ہیں تو خدا کے فضل سے شفعاء کی شفاعت سے یا پھر سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل ہونے کا نہ صرف امکان ہے بلکہ یقین ہے۔یعنی ایسا شخص ہرگز مخلد فی النار نہیں ہوگا۔لیکن اگر کسی شخص میں ایمان نہیں ہے بلکہ کفر، شرک یا نفاق کی وجہ سے بے ایمان ہے۔تو وہ ہزار نیک عمل کرے وہ بہر حال مخلد فی النار ہی ہوگا اور اس صورت میں اس کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا:

'' وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ''۔(اے رسول) ان لوگوں کو جنت الفردوس کی بشارت دے دو جو ایمان لائے اور اس کے ساتھ ساتھ اچھے عمل بھی کئے۔(سورہ بقرہ آیت۔۲۵)

پس اس بشارت عظمی کے استحقاق کیلئے دونوں چیزوں کا وجود ناگزیر ہے اس کے بغیر کوئی اس کا مستحق قرار نہیں پا سکتا۔پس جہنم سے مکمل نجات کیلئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ہونا ضروری ہے اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

علامہ سید علی نقی لکھنوی لکھتے ہیں:

''مژدہ کے مستحق کون ہیں؟ وہ جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ قرآن کریم میں کسی ایک جگہ بھی جنت اور نعیم آخرت کی بشارت صرف ایمان پر مرتب نہیں کی گئی ہے بلکہ ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالح کا ادا کرنا ضروری سمجھا ہے۔اس کے بعد کاش ان کی آنکھیں کھلیں جو صرف جماعت مومنین کا لقب اختیار کر کے اپنے کو اعمال صالحہ سے بے نیاز سمجھ لیتے ہیں اور ''مومن'' ہونے کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کے بغیر ہی نعمات بہشت کے خواب خوشگوار میں مست ہیں اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ صرف اعمال کی پابندی کرنا اور اصول عقائد کی خبر نہ رکھنا بھی صرف نجات کیلئے کافی نہیں ہے''۔(فصل الخطاب)

جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ

خداوند کریم نے جنت کی بے شمار نعمتوں میں سے یہاں صرف دو نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک جنت کے پھلوں کا دوسرا ازواج مطہرات کا۔ جب بہشتیوں کو جنت میں کھانے کیلئے پھل دیئے جائیں گے تو وہ ان کو دیکھتے ہی کہہ اٹھیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی (دنیا میں) مل چکے ہیں۔ مگر جب وہ کھائیں گے تو وہ مزہ پائیں گے۔ جس سے ان کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

الغرض دنیا و آخرت کے پھلوں کا ظاہری رنگ و روپ ایک جیسا ہو گا مگر آخرت کے پھلوں کی لذت دنیا کے پھلوں سے بدر جہاز یادہ ہو گی۔ بلکہ ان کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ ہو گی۔ اور تسکین جسم و جاں کیلئے زوجائیں ملیں گی خواہ وہ جنت کی حور العین ہوں یا دنیا کی مومن خواتین۔ وہ سب جہان سے اپنے حسن و جمال میں بے مثال ہوں گی۔ وہاں تمام نسوانی کثافتوں اور اخلاقی نجاستوں سے بھی پاک و پاکیزہ ہوں گی۔ اور پھر یہ بہشتی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے نہ وہاں موت کا کھٹکا ہو گا اور نہ وہاں سے نکالے جانے کا کوئی اندیشہ ہے۔ جس سے ان کی لذت کر کری ہو جائے جیسا کہ دنیائے فانی میں ہمیشہ یہ کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس لئے وہ بڑے آرام و اطمینان سے وقت گزاردیں گے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (سورہ حدید آیت۔۲۱)۔

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ
كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ۲۶ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى
الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۲۷ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ
اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۲۸

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ
فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَبِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ اس بات سے ہرگز نہیں شرماتا کہ (کسی مطلب کی وضاحت کیلئے) مچھر یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی حقیر چیز) کی مثال بیان کرے۔ پس جو لوگ مومن ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ یہ (مثال یقینا) حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟ اللہ ایسی مثال سے بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت کرتا ہے اور وہ گمراہی میں نہیں چھوڑتا مگر فاسقوں (نافرمانوں) کو (۲۶) جو خدا سے مستحکم عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور جس (رشتہ) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ اسے توڑتے ہیں۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں (دراصل) یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۲۷) بھلا تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم مردہ (بے زبان) تھے تو اسی نے تمہیں زندہ کیا (جاندار بنایا) پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر وہی تمہیں زندگی دے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۸) وہی تو وہ (اللہ) ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے پھر آسماں کی طرف توجہ فرمائی تو سات آسمان ہموار و استوار کر دیئے۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (۲۹)

تشریح الالفاظ

(۱) بَعُوْضَةً — اس لفظ کے معنی ہیں مچھر

(۲) الْفٰسِقِیْنَ — یہ فسق سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بدکاری اور نافرمانی

(۳) یَنْقُضُوْنَ — نقص سے مضارع کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں عہد کو پختگی کے بعد توڑنا اور خراب کرنا

(۴) الْخٰسِرُوْنَ یہ خسارے اور خسران سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گھاٹا اُٹھانا اور ہلاک ہونا

تفسیر الآیات

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ ......الآية

انسان کا دل ودماغ چونکہ حسیات سے زیادہ مانوس ہے۔ اس لئے وہ معقولات کو سمجھنے کیلئے ہمیشہ محسوسات کا سہارا لیتا ہے اور اس طرح حقائق کو بآسانی سمجھ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق فطرت جا بجا مختلف حقیقتیں لوگوں کو سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرانے کیلئے مثالوں سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے:

''وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۝۴۳ ''(سورہ عنکبوت آیت۔۴۳)۔

(ہم مثالیں دیتے تو سب لوگوں کیلئے ہیں مگر ان کو سمجھتے وہی لوگ ہیں جو کچھ علم وعقل رکھتے ہیں)

چنانچہ جب اس نے اپنے اسی دستور کے مطابق منافقین کی حالت زار بتانے کیلئے مذکورہ بالا دو مثالیں دیں۔ مشرکین کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے مکھی کی مثال دی کہ

''اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ''(سورہ حج آیت۔۷۳)

جو لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔

یا جیسے کفار ومشرکین کی سرزنش کرتے ہوئے ان کو مکڑی کی مثال دی:

'' مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ''(سورہ عنکبوت آیت۔۴۱)

جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سرپرست ٹھہراتے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے

تو ''بموجب خوئے بدرا بہانہ بسیار'' انہوں نے ان مثالوں کو قرآن کے کلام اللہ نہ ہونے کی دلیل بنالیا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا وہ اس میں ایسی حقیر چیزوں کی مثال نہ دیتا۔ خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے یہ کہ اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کسی مطلب کی وضاحت کیلئے مچھر یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز جیسے مکھی کی مثال دے کیونکہ یہ بات اس کی شان کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مثال کا مقصد کسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا تو وہ مقصد کبھی کسی بڑی چیز کی مثال سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی کسی حقیر چیز کی مثال سے مثلاً

اگر خدا بتوں کی عاجزی کی مثال مکھی سے نہ دیتا کہ وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر اڑ جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ تو کیا شیر یا ہاتھی سے دیتا کہ وہ تو اتنے عاجز ہیں کہ ایک شیر یا ہاتھی بھی نہیں بنا سکتے؟ معلوم ہوا کہ ایسے احمقانہ ایراد اور بودے اعتراضات وہی کج فطرت، کند ذہن اور بے سلیقہ لوگ ہی کر سکتے ہیں جن کے دل و دماغ میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ورنہ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے کہ صدف کی

نیز اس قسم کی مثالوں سے بعض اوقات لوگوں کا امتحان لینا بھی مقصود ہوتا ہے کہ ان حقیقتوں کو سمجھ کر اور ان کو تسلیم کر کے اپنے ایمان کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور اپنی ناسمجھی سے ان پر بودے اور رکیک ایراد کر کے اپنی جہالت و ضلالت کا ثبوت کون فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ایسی ہی مثالوں سے بہت سے لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور بہت سوں کے حصہ میں گمراہی آتی ہے اور یہ گمراہی انہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهٖ ......الآية

مفسرین میں قدرے اختلاف ہے کہ یہاں '' يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ '' آیا یہ کفار کے قول کا تتمہ ہے۔ جنہوں نے ان مثالوں کی دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا تھا '' مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ''۔ کہ اللہ کا اس مثال سے کیا مقصد ہے؟ کہ بہت سوں کو اس سے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کیونکہ

ع

كلام العدى ضرب من الهذ يان۔

اور اگر یہ خداوند کا کلام ہے (كما هو الظاهر) کیونکہ کفار کا کلام '' مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا '' پر ختم ہو گیا۔ اور یہ کلام خدا کی جانب سے ان کے ایراد کا جواب ہے تو اس صورت میں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن نے گمراہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف کیوں دی ہے؟ اس قسم کی اور بھی بعض آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جن کا ترجمہ بالعموم یہی کیا جاتا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور یہ ترجمہ کرنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر خدا گمراہ کرتا ہے تو پھر گمراہ ہونے والے کا قصور کیا ہے؟ اور اگر خدا خود گمراہ کرے اور خود ہی بدراہ کرے اور پھر جہنم میں بھی جھونکے۔ تو کیا یہ کھلم کھلا ظلم نہیں ہے؟ اور کیا خدا ظالموں

پر لعنت نہیں کرتا اور کیا اس کا یہ فرمان نہیں ہے کہ ''مَا اللہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ'' خدا اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا (سورہ مومن آیت۔۳۱)۔

دین میں جبر و تفویض نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ ان کے بین بین ہے

بہر حال یہ بات علم کلام میں نا قابل رد دلائل و براہین سے ثابت کی جا چکی ہے۔ کہ دین میں نہ جبر ہے کہ بندہ بالکل مجبور ہو اور نہ ہی تفویض ہے کہ بندہ بالکل مطلق العنان اور آزاد هو بل الا مر بين الا مرين حق ان دونوں نظریوں کے بین بین ہے۔ یعنی خدا نے انسان کو نیکی اور بدی کی قوت دیکر فاعل مختار بنا دیا ہے کہ چاہے تو نیکی کرے اور چاہے تو بدی کرے مگر اسے اپنے حال پر بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس کا امتحان لینے کی خاطر داخلی طور پر ایک طرف اسے عقل سلیم عطا کی ہے جو نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور دوسری طرف نفس امارہ بھی اس میں ودیعت کیا ہے جو برائی کی طرف دعوت دیتا ہے پھر خارجی طور پر ایک طرف نبی و امام جیسے ہادی پیدا کئے ہیں اور دوسری طرف شیطان جیسے گمراہ کنندہ کو خلق فرمایا ہے اور پھر انسان کو ان میں سے جس کا چاہے حکم ماننے جس کا چاہے نہ ماننے اس کا اختیار دیا ہے۔

''قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ'' حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ (سورہ کہف آیت ۲۹)

ہاں البتہ اسکی توفیق وخذلان بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ یعنی اگر بندہ عقل اور نبی و امام کا حکم مان کر نیکی کرنے کا ارادہ کرے تو توفیق الہٰی اس کے شامل حال ہوتی ہے اور ایسے غیبی اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ جن کی وجہ سے بندہ بآسانی وہ نیکی کر گزرتا ہے اور اگر بندہ نفس امارہ اور شیطان کا حکم مان کر برائی کرنا چاہے تو خدا اس سے اپنی توفیق سلب کر لیتا ہے جسے خذلان کہا جاتا ہے۔ اور پھر انسان بآسانی برائی کر گزرتا ہے۔

بنا بریں اگر قرآن وسنت میں کوئی ایسی آیت یا روایت پائی جائے جو موہم جبر ہو یعنی جس سے جبر ظاہر ہوتا ہو تو اسے متشابہہ سمجھ کر اس کی ایسی معقول تاویل کرنا لازم ہوگی جس سے اس کا آیات محکمات اور عقلی مسلمات سے ظاہری تصادم ختم ہو جائے۔ بھلا شیطان بھی گمراہ کرے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (سورہ بقرہ آیت۔۳۶)) فرعون بھی گمراہ کرے۔ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ (سورہ طٰہٰ آیت۔۷۹)۔ اور سامری بھی گمراہ کرے اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (سورہ طٰہٰ آیت۔۸۵) اور العیاذ باللہ خدا بھی گمراہ کرے تو

ناطقہ سر بگر یباں ہے کہ اسے کیا کہیے ؟

پھر ان میں فرق کیا رہ جائے گا ؟۔

موہم جبر آیات کی دو معقول تاویلیں

بنا بریں یہاں دو تاویلیں کی جاسکتی ہیں۔(۱) چونکہ ان لوگوں کی گمراہی بظاہر اس مثال کی وجہ سے عمل میں آئی جو خدا نے دی تھی اس لئے مجازاً ان کی گمراہی کی نسبت خدا کی طرف دے دی گئی وباب المجاز واسع (۲) جیسا کہ آیت کے آخری حصہ سے واضح ہے کہ خدا فاسقوں فاجروں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے۔لہٰذا جب آدمی اپنی کج روی اور غلط اندیشی سے گمراہی کو اختیار کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو خدا اس سے اپنی توفیق سلب کر لیتا ہے اور پھر اس طرح انسان بآسانی گمراہ ہو جاتا ہے:

''وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ'' خدا ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔(سورہ بقرہ آیت۔۱۷)

یہی تاویل حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے مروی ہے۔(عیون الاخبار)

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے کئی آیات میں اضلال اور ازاغہ کی نسبت اپنی طرف مکلفین کے عمل بد کی مکافات کے طور پر دی ہے ارشاد ہوتا ہے''فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ'' جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو خدا نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔(سورہ صف......۵)''كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ ۳۴'' اسی طرح خدا اس کو گمراہی میں چھوڑتا ہے جو اسراف کرنے اور شک کرنے والا ہو۔(سورہ مومن آیت۔۳۴)

خود ہماری زیر بحث آیت میں فرمایا کہ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۲۶''(سورہ بقرہ۔۲۶) کہ وہ اس سے گمراہی میں نہیں چھوڑتا۔مگر ان فاسقوں کو جو''يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ''(سورہ بقرہ۔۲۷) جو اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے پختہ عہد و پیمان کو (عالم الست وغیرہ میں) توڑتے ہیں۔اور اس کی عبادت و اطاعت سے منہ موڑتے ہیں اور خلق و خالق کے وہ تعلقات (حقوق اللہ اور حقوق العباد) جن کو جوڑنے کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے وہ انہیں توڑتے ہیں۔اور مزید برآں خود گمراہ ہو کر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر کے زمین میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں۔دراصل یہی بدبخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔الحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقتہ۔

فاسق کا مفہوم

مخفی نہ رہے کہ فقہی اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرے اور چونکہ فسق کے لغوی معنی خارج ہونے کے ہیں یعنی جو اللہ کی اطاعت سے خارج ہو جائے اور ظاہر ہے یہ خروج کبھی کفر و شرک کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔اس لئے کبھی کافر کو بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے۔

''ومن کفربعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ ...الآية

اس آیت مبارکہ میں خدائے حکیم اپنے منکرین کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ تم کس طرح خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہو جس کے وجود کی ہزاروں آفاقی وانفسی نشانیوں اور دلیلوں کے علاوہ تم خود سب سے بڑا شاہکار ہو۔

اتزعم انک جرم صغیر

و فیک انطوی العالم الاکبر

تم بے جان تھے۔اس نے تم میں جان ڈالی پھر موت دے گا پھر زندہ کرے گا بعدازاں میدان حشر میں لائے گا۔الغرض جس نے تمہیں دو موتوں اور دو حیاتوں کے مرحلہ سے گزارا ہے۔پھر تیسری بار زندہ کرکے میدان حشر میں لائے گا۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں

ایک یہ کہ یہاں دو موتوں اور دو حیاتوں سے کونسی موت وحیات مراد ہے؟ محقق مفسرین نے پہلی موت سے وہ موت مراد لی ہے جو نفخ روح سے پہلے نطفہ ومضغہ وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہے جبکہ آدمی کوئی قابل ذکر چیز نہیں ہوتا اور دوسری موت سے مراد وہ طبعی موت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ہر شخص کو آتی ہے اور پہلی زندگی سے مراد یہ دنیوی زندگی ہے جو نفخ روح سے شروع ہوتی ہے اور دوسری زندگی سے وہ برزخی زندگی مراد ہے جو دوسری موت کے بعد قبر میں شروع ہوتی ہے (جس میں نکیرین کا سوال وجواب اور فشار قبر اور شدائد برزخ کا سامنا کرنا ہے) اوراس دوسری زندگی سے قیامت کی زندگی مراد لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے بعد ارشاد قدرت ہے ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔اہل علم جانتے ہیں کہ ''ثم'' کی لفظ تراخی اور بعد مدت کیلئے آتی ہے یعنی اس حیات کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔مگر جلدی نہیں۔اور یہ جب ممکن ہے۔دوسری زندگی قبر کی زندگی تسلیم کی جائے۔اور ''ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ'' سے قیامت کی زندگی مراد لی جائے اور اگر ''ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ'' سے قیامت کی زندگی مراد لی جائے تو پھر ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟ کیونکہ حشر میں تو قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد لوگ فوراً بارگاہ رب العزت میں پہنچ جائیں گے جو لوگ برزخ اوراس کے واقعات قبر اور نکیرین کے سوال وجواب کا ثبوت قرآن سے طلب کرتے ہیں۔ان کے لئے اس آیت

میں لمحہ فکر یہ ہے۔دوسرے یہ کہ جب خداوند عالم یہاں اپنے احسانات گنوار ہا ہے۔تو پھر موت کو اس میں شامل کرنے کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موت بھی محسن حقیقی کا ایک بہت بڑا احسان ہے ور نہ ۔۔۔ع

نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟

''تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۙ۝۱ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوةَ ...'' اور یہ موت ہی ہے جو آدمی کو دنیا کے جھمیلوں سے نکال کر آخرت کی ابدی زندگی اور جنت الفردوس کی طرف لے جاتی ہے۔(سورہ ملک آیت۔۱،۲)

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ ...الآیۃ

انسان کے اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ خالق کائنات نے زمین کی تمام چیزیں حضرت انسان کیلئے پیدا کی ہیں۔انسان ہی مخدوم ہے اور باقی ہر چیز اس کی خادم۔لہٰذا اب یہ اس کا کام ہے کہ ہر چیز سے خدمت لے اور اس سے استفادہ کرے اور یہ بات آدم علیہ السلام اور ملائکہ کے قصہ سے بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا نے کس طرح انسان کو مخدوم بنایا۔اب اگر انسان اپنے مرتبہ و مقام کو خود بھول جائے۔اور مخدوم ہو کر خادم بن جائے اور کائنات کا مطلوب ہو کر دنیا کی حقیر چیزوں کا طالب بن جائے۔بلکہ اس قدر راہ راست سے بھٹک جائے اور اپنے مقام و مرتبہ سے اس قدر نیچے آجائے کہ اپنے خالق و مالک اور محسن اعظم کی چوکھٹ کو چھوڑ کر جمادات،نباتات اور حیوانات کو اپنا معبود بنا کر،ان کی پرستش کرتا ہوا نظر آئے کبھی بتوں کو سجدہ کرے تو کبھی جنڈیوں کا طواف کرے اور کبھی گاؤ ماتا کی پوجا پاٹ کرے؟ یاللعجب؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں ہے اور اگر کوئی چیز ضرر رساں ہے جیسے مضر صحت اشیاء اور زہریلے جانور وغیرہ تو اگر ان کی خلقت کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی خیر کا پہلو ان کے شر کے پہلو پر غالب نظر آئیگا۔جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔بہر حال یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ۔۔۔۔۔۔ع

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں

چیزوں میں اصل اباحت پر استدلال

علماء کے فتاویٰ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔کہ اشیاء عالم میں اصل اباحت ہے کہ ہر چیز کو مباح

سمجھا جائے جب تک اس کی حرمت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو جو اس کے قائل ہیں وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

''هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (سورہ بقرہ آیت ۲۹)''

نیز حدیث شریف میں بھی وارد ہے کہ

''کل شئی مطلق حتی یردفیه نهی''

ہر چیز مطلق ہے جب تک اس کے بارے میں نہی وارد نہ ہو (وسائل الشیعہ)

اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حرمت ہے جب تک قرآن وسنت سے کسی چیز کا حلال ہونا ثابت نہ ہو وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کے انسان کے فائدے کیلئے پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حلال بھی ہو و هو الاحوط۔ اور اگر خلق لکم میں ''لام'' کو سببیہ قرار دیا جائے کہ زمین کی ہر چیز انسان کی وجہ سے اور اس کے سبب سے پیدا کی گئی ہے یعنی مقصود بالذات انسان ہے اور باقی چیزیں اس کے طفیل میں پیدا ہوئی ہیں تو اس بنا پر اس آیت کا اس اختلافی مسئلہ سے ربط ہی ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ العالم۔

ثُمَّ اسْتَوٰى......الآية

پھر خداوند عالم آسمان کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ جب استوی کا صلہ ''الی'' ہو تو اس کے معنی متوجہ ہونے کے ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی خلقت آسمان سے پہلے ہوئی ہے۔ جبکہ دوسری جگہ ارشاد قدرت ہے:

''وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝۳۰'' (نازعات آیت۔ ۳۰) یعنی آسمانوں کے بعد زمین کو بچھایا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زمین کی خلقت تو پہلے عمل میں آئی تھی مگر اسے بچھایا اور قابل استفادہ خلقت آسمان کے بعد کیا گیا تھا (تفسیر کاشف)

اور صاحب فصل الخطاب نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ:

''آسمان ایک واحد شکل میں زمین سے پہلے خلق ہوا۔ اس کے بعد زمین کی تخلیق ہوئی اور زمین کی خلقت کے بعد پھر آسمان کو سات طبقوں پر تقسیم کیا گیا۔ اسی لئے ''استوی'' کے لفظ کے ساتھ ''السماء'' بطور مفرد آیا ہے اور اس کے بعد سبع سموات کی صورت میں اس کے درست کئے جانے کا ذکر ہے''۔ (فصل الخطاب)

آسمان کے ٹھوس ہونے یا صرف حدنظر ہونے کا بیان:

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہے یا صرف حدنظر کا نام ہے اور اگر حدنظر کا نام ہے تو اس سے آگے کیا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن خاموش ہے کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید سائنس یا ھیئت کی کوئی کتاب نہیں ہے کہ تخلیق کائنات سے بحث کرے قرآن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انسان اس کائنات ارض وسماء میں غور فکر کرے اور اس کے خالق ومالک کے وجود اور اس کی قدرت کا اقرار کرے اور اس کی عبادت واطاعت کرے اور اس کے بے کراں انعامات کا شکریہ ادا کرے۔

سات آسمانوں کا تذکرہ

خداوند عالم نے آسمانوں کی تعداد سات بتائی ہے جن کے نام اور اجمالی حالات سے اہل علم واقف ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام نے سات آسمانوں سے مشہور سات سیاروں کے مدار مراد لئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) کرہ قمر	(۲) کرہ عطارد	(۳) کرہ زہرہ
(۴) کرہ شمس	(۵) کرہ مریخ	(۶) کرہ مشتری
(۷) کرہ زحل۔		

اب اگر تحقیق جدید سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ ان کی تعداد نو ہے یعنی سات سابقہ بشمول نیپچون اور پلوٹو تو قرآن اس کی نفی نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بات علم الاصول میں ثابت کی جا چکی ہے کہ عدد کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا (جبکہ شرط کا علی الاشہر اور صفت کا علی الاظہر مفہوم ہوتا ہے) مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میری ملکیت میں سات کتابیں ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس سے زیادہ کا مالک نہیں ہے اور بنا بریں ہوسکتا ہے کہ سات آسمانوں کا خصوصی ذکر کرنے کا مقصد یہ ہو کہ ان میں کچھ ایسی خصوصیات ہوں جو دوسروں میں نہیں ہیں۔ واللہ العالم بحقائق الکائنات التی یضیق عن احصائھا نطاق البیان و الکلام۔ وھو بکل شئی علیم۔

آیات القرآن

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ‌ؕ قَالُوۡٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ

بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۝۳۰ وَعَلَّمَ اٰدَمَ
الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ
هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ۝۳۱ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا
عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ۝۳۲ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ
بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ
اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ
تَكۡتُمُوۡنَ۝۳۳

ترجمۃ الآیات

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ (جانشین) بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کیا تو اس میں اس کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا۔ اور خون ریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری حمد وثناء کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس (پاکیزگی بیان) کرتے ہیں۔ فرمایا: یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (۳۰) اور اس (اللہ) نے آدم کو (تمام چیزوں کے) نام سکھائے۔ پھر ان کو (جن کے نام سکھائے تھے) فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو (کہ تم خلافت کے زیادہ حقدار ہو) تو مجھے ان اشخاص کے نام بتاؤ۔ (۳۱) انہوں نے کہا (نقص وعیب سے) تیری ذات پاک ہے۔ ہمیں اس کے سوا جو تو نے ہمیں تعلیم دیا ہے (سکھایا ہے) اور مزید کچھ علم نہیں ہے بے شک تو بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے (۳۲) فرمایا: اے آدم! ان کو ان کے نام بتاؤ۔ تو جب آدم نے ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتا دیئے تو خدا نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے سب مخفی رازوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے ہو اور وہ بھی جو تم (اندرون دل) چھپائے ہوئے تھے (۳۳)۔

تشریح الالفاظ

(۱) وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ یہ سفک سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بہانا

(۲) مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ بداوابداء کے معنی اظہار کے ہیں اور

(۳) کتمان کے معنی اخفا کے ہیں۔

تفسیر الآیات

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ......الآیۃ۔

خداوند عالم نے ہمیں بے شمار رحمتوں سے نوازا ہے ان میں سے بعض اہم نعمتوں جیسے ہمیں خلعت وجود عطا کرنے ہمیں زندہ رکھنے کیلئے زمین و آسمان پیدا کرنے اور ہمارے فائدہ کیلئے کل کائنات بنانے کا مختصر لفظوں میں تذکرہ کرنے کے بعد یہاں ہمارے بابا آدم علیہ السلام کی خلقت اوران کے بے پایاں علم وفضل اوران کی خلافت الٰہیہ کی نعمت کا تذکرہ فرمارہا ہے اور گویا اس پیرایہ میں زبان حال سے فرمارہا ہے کہ تم بھلا کس طرح اس منعم ومحسن خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں ان بے پایاں عنایات وانعامات سے نوازا ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے یہاں چند چیزوں پر فی الجملہ تبصرہ کرنا ضروری ہے جس سے آنے والے حقائق کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ا۔لفظ ''اذ'' کی تحقیق

یہ لفظ ظرف مکان ہے یہ کسی گذشتہ واقعہ کی یاددلانے کے موقع پر آتا ہے جس طرح اذا کسی مستقبل کے واقعہ پر آتا ہے۔یہ فعل مقدر جیسے ''اذکر'' سے محلاً منصوب ہے جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ تصور کرو۔یاد کرو۔ اس کے بعد کسی ایسے واقعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔جو مخاطب کے علم میں ہوتا ہے اور اگر اس کے علم میں نہ ہو تو کم از کم متکلم کو تو اس کی واقعیت کا اس طرح قطعی علم ہوتا ہے کہ وہ ایک معلوم حقیقت کے طور پر اس کا حوالہ دے سکتا ہے (تفسیر ماجدی وتدبر قرآن)

اس بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ ''اذ'' سے آغاز کردہ واقعہ کا ہمیشہ مخاطب کے علم میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اصل مقصد،اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طرف توجہ مبذول کرانا ہوتا ہے کہ وہ اسے معلوم کرے اور اس کے نتائج وعواقب میں غور وفکر کرے۔

۲۔لفظِ ''ملائکہ'' کی تحقیق

لفظ ''ملائکہ'' جس کے معنی ہیں فرشتے یہ لفظ ''ملئك'' کی جمع ہے کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ گرادیا گیا اور اس کی زبر ''لام'' کی طرف منتقل کر دی گئی اس طرح وہ لفظ 'ملك'' بن گیا ''ملئك یا الو که (اس بنا پر کہ یہ لفظ اسی سے مشتق ہے) کے معنی پیغامبر کے ہیں جس کا ترجمہ فرستادہ اور فرشتہ ہے چونکہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں تک پیغام رسانی ملائکہ سے ہی متعلق ہے اور وہی اس کام پر مامور ہیں اگر چہ ڈیوٹی سب کی نہیں بلکہ ان میں سے بعض کی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ''اللہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ'' (سورہ حج آیت ۔ ۷۵) خدا فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام رساں منتخب کرتا ہے۔

لہٰذا مجازاً سب کو ملائکہ کہہ دیا گیا اور یہ نام ملک اسم جنس بھی ہوسکتا ہے جس کا فرشتوں کے تمام اقسام پر اطلاق ہوتا ہے۔(مجمع البیان)

(۳) فرشتوں پر ایمان کے جزءِ ایمان ہونے اور ان کی حقیقت کا بیان:

دنیا کے ہر قدیم وجدید مذہب میں کسی نہ کسی طرح ملائکہ کے وجود پر ایمان رہا ہے اور بالخصوص دین اسلام میں تو ملائکہ کے وجود پر ایمان رکھنے کو جزء ایمان قرار دیا گیا ہے' قرآن مجید کی آیات متکاثرہ اور احادیث متواترہ ان کے وجود پر دلالت کرتی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ جو امر قرآنی آیات اور معصومی روایات سے پایہ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اجسام لطیفہ نورانیہ رکھتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ انبیاء ومرسلین ان کو ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھتے تھے ان کو جسم وجسمانیات سے بالکل مجرد قرار دینا' یا عقول یا نفوس فلکیہ یا صرف قوی اور طبائع سے ان کی تاویل کرنا راہ ہدایت سے انحراف کرنے کے مترادف ہے۔ اور ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجلسیؒ نے رابع عشر بحارالانوار میں افادہ فرمایا ہے اور برادران اسلامی کے قاضی دوانی نے شرح عقائد اور علامہ تفتازانی نے بھی شرح مقاصد میں ایسا ہی افادہ فرمایا ہے:

''ان لملآئکة اجسام لطیفة نورانیة قادرة علی التشکلات المختلفة''

۴۔ملائکہ کی کثرت تعداد

خلاق عالم نے اس قدر کثیر تعداد میں ملائکہ پیدا کئے ہیں کہ ان کی تعداد کو اس کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''والذی نفسی بیدہ لملآئکۃ اللہ فی السّموات اکثر من عد التراب فی الارض وما فی السماء موضع قدم الا و فیھا ملك یسبحه و یقدسه......الآخر'' مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ زمین میں مٹی کے ذروں سے بھی آسمانوں میں فرشتے زیادہ ہیں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ موجود نہیں ہے جو اس کی تسبیح و تقدیس کر رہا ہے(انوار نعمانیہ وغیرہ)

۵۔فرشتوں کے مختلف اقسام

آیات وروایات سے فرشتوں کی مختلف قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔مثلاً

(۱) کچھ انبیاء و مرسلین تک خدائی پیغام پہنچاتے ہیں''اللهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ''(سورہ حج آیت۔۷۵)

(۲) کچھ حاملین عرش الٰہی ہیں''اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ''(سورہ مومن آیت۔۷)

(۳) کچھ ملائکہ جنت ہیں''الْمَلٰٓئِكَةِ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ''(سورہ رعد آیت۔۲۳)

(۴) کچھ ملائکہ دوزخ ہیں''وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا الْمَلٰٓئِكَةً''(سورہ مدثر آیت۔۳۱)

(۵) کچھ کراما کاتبین ہیں''يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ''(سورہ انفطار آیت۔۱۲)

(۶) کچھ ملائکہ محافظین ہیں''وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً''(سورہ انعام آیت۔۶۱)

(۷) کچھ ملائکہ حساب وکتاب ہیں جن کو نکیرین کہا جاتا ہے

(۸) کچھ ملائکہ موت و حیات ہیں''قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ''(سورہ سجدہ آیت۔۱۱)

(۹) کچھ ملائکہ بحار و قفار و امطار ہیں جو دریا بہاتے اور بارش برساتے ہیں

(۱۰) کچھ ملائکہ مدبرات الامر ہیں''فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا''(سورہ نازعات آیت۔۵)

گویا یہ وہ خدا کے آلات واسباب ہیں جن سے خدا اپنی سلطنت کی تدبیر وانتظام میں کام لیتا ہے۔ اور یہ اس کے اہل کار ہیں۔ یہ خدا کے رشتہ دار یا اس کے شریک کار نہیں ہیں۔جیسا کہ بعض جاہل لوگ خیال کرتے ہیں۔

۶۔فرشتے معصوم ہیں

تمام ارباب ملل و مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرشتے معصوم ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ''بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ﴿۲۷﴾ ''۔(سورہ انبیاء آیت۔۲۶،۲۷)

یہ فرشتے خدا کے وہ مکرم اور عبادت گذار بندے ہیں جو کسی قول وفعل میں اس کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے بلکہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ایک اور جگہ فرماتا ہے:

''لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمۡ وَ يَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ''(سورہ تحریم آیت۔۶)

اللہ نے ان کو جو حکم دے دیا ہے وہ اس میں اس کی معصیت ونافرمانی نہیں کرتے۔

اگرچہ مشہور یہی ہے کہ فرشتوں کی عصمت بالکل اجباری ہے لہٰذا اگر وہ بالفرض گناہ کرنا بھی چاہیں تو کر نہیں سکتے۔مگر اس صورت میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو پھر ان کا کمال کیا ہے اور ان کی مدح وثناء کرنے کا محل کیا ہے؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ تو واقعاً وہ نہیں کر سکتے جیسے وہ گناہ جن کا تعلق خورد ونوش یا جنسی خواہش سے ہے۔کیونکہ یہ چیز خالق نے ان میں خلق ہی نہیں کی۔مگر جہاں تک دوسرے بعض علمی وعملی گناہوں کا تعلق ہے تو اس کے امکان واختیار کی نفی کرنا مشکل ہے اگرچہ مقام عمل میں وہ گناہ کرتے نہیں ہیں واللہ العالم۔

۷۔خدا نے فرشتوں سے یہ گفتگو کس عنوان سے کی تھی کہ ''میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں''؟

یہ بات قابل غور وفکر ہے کہ خداوند عالم نے کس انداز اور کس عنوان سے فرشتوں سے یہ گفتگو کی تھی۔مشورہ لینے کیلئے؟ اذن طلب کرنے کیلئے؟ یا محض ان کو اطلاع دینے کیلئے؟ ظاہر ہے کہ یہاں یہی آخری بات ہی درست ہے کہ خداوند عالم نے اپنے ارادہ سے فرشتوں کو مطلع فرمایا ہے۔پہلی دونوں شقیں باطل ہیں کیونکہ خدا بے نیاز ہے وہ کسی سے مشورہ لینے یا اپنے کسی کام میں کسی سے اجازت لینے کا ہرگز محتاج نہیں ہے۔خدا نے انساں کی آمد اور اس کی خلقت کا اعلان کر دیا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا خلیفہ کس کا جانشین؟ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آدم اور بنی آدم کی خلقت سے پہلے زمین میں نسناس نامی ایک مخلوق موجود تھی۔جس کی حد سے زیادہ عصیاں کاریوں اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے خدائے قہار نے اسے

ہلاک و برباد کر دیا۔ اور ان کی جگہ جناب آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا۔ لہٰذا یہ نسناس کے جانشین ہیں۔
(۲) جو کچھ وارثان علم قرآن کے ارشادات اور فریقین کے محقق مفسرین کے بیانات سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خدا کی نیابت و جانشینی مراد ہے کہ اس کی زمین میں رشد و ہدایت کیلئے خدا کی نیابت کرے کسی کا خلیفہ اور جانشین وہ ہوتا ہے جو اس کی سلطنت میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام پر عمل کرائے۔ اور اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ یہ اعلان سن کر ملائکہ نے بھی دبے لفظوں میں اپنے استحقاق خلافت کی خواہش ظاہر کی ہے۔

۸۔ فرشتوں نے کس بنا پر کہا تھا تو اسے پیدا کر رہا ہے اور خلیفہ بنا رہا ہے جو خون ریزی کرے گا اور فساد پھیلائے گا

یہ بات غور طلب ہے کہ فرشتوں کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی تھی؟ اس سوال کے مفسرین اسلام نے مختلف جوابات دئے ہیں۔

(۱) بعض مفسرین کے اقوال اور بعض آثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سابقہ مخلوق (نسناس) کی عصیاں کاریوں کو بچشم خود دیکھ کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ مخلوق بھی اسی طرح گل کھلائے گی۔

(۲) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے انسان کی متضاد چیزوں (جیسے آب و آتش اور خاک و ہوا وغیرہ) اور متخالف قومی (غضبیہ و شہویہ وغیرہ) سے خلقت دیکھ کر یہ خیال کیا تھا۔

(۳) بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ خود خداوند عالم نے ان کو انسان کے حالات و کوائف سے فی الجملہ آگاہ فرمایا تھا۔ جب انہوں نے خداوند عالم سے جناب آدم علیہ السلام کی خلقت و خلافت کا اعلان سنا تو انہوں نے خدا سے ان کے حالات کے بارے میں استفسار کیا اور خدا نے ان کو انسان کے مفصل حالات بتائے۔ (روح المعانی)

ورنہ وہ عالم الغیب نہیں تھے یہی توجیہ احسن اور ملائکہ کے حالات کے زیادہ مطابق ہے۔

۹۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ آیا فرشتوں کی یہ بات بطور اعتراض تھی یا بطور استفہام؟

کہ انہوں نے یہ جان کر کہ انسان خون ریزی بھی کرے گا اور فساد بھی پھیلائے گا اور پھر خلیفۃ اللہ بھی ہوگا۔ اس پر اپنے قلبی اضطراب اور تعجب کا اظہار کیا تھا اور اس کی خلقت میں مصلحت ایزدی معلوم کرنا چاہی تھی؟

حقیقت الامر یہ ہے کہ چونکہ فرشتے معصوم ہیں۔ لہٰذا وہ خدا پر اعتراض کریں؟ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اپنی عقل اور اپنے علم کے مطابق کہ معصوم اور تسبیح و تقدیس الٰہی کرنے والی مخلوق کی موجودگی میں ایسے انسان کو خلیفۃ اللہ بنانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں خدا سے استفہام کیا تھا و بس۔ خدا نے یہاں اجمالی جواب دینے پر اکتفا کیا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بعدازاں جناب آدم علیہ السلام کا علمی تفوق ظاہر کر کے ان کے اس عہدہ کے لئے حقیقت ثابت فرمائی جس کا فرشتوں نے بھی اعتراف کیا۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا......الآیۃ

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ خداوند عالم نے جو اسماء آدم کو تعلیم دیے تھے اس سے مراد کیا ہے؟

(۲) دوسرے یہ کہ جب خدا نے علم کے ذریعہ جناب آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں کو اکٹھی تعلیم دیتا پھر امتحان لیتا۔ لیکن صرف آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور فرشتوں کو دی ہی نہیں تو پھر امتحان لینے کا کیا جواز؟

سو پہلے امر کے متعلق عرض ہے کہ عام مفسرین نے کائنات کی تمام اجناس، جمادات، نباتات اور حیوانات، انواع، اصناف اور ان کے افراد کے نام مراد لئے ہیں کہ خدا نے جناب آدم علیہ السلام کو کائنات کی تمام بڑی چھوٹی اشیاء کے نام سکھائے اور بعض آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور بعض مفسرین نے ان اسماء سے مراد ان کے مسمیات ان کے حقائق خواص اور صفات مراد لئے ہیں۔ (مجمع البیان , صافی , المیزان , معانی الاخبار)

اور بعض حضرات نے ان سے مخصوص ذوات مقدسہ کے اسماء گرامی مراد لئے ہیں۔ جس کی تائید مزید اس بات سے ہوتی ہے کہ " ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ "۔ میں ھم کی ضمیر اور ھؤلاء کا اشارہ بتاتا ہے کہ یہ کچھ صاحبان عقل شخصیتیں ہیں اور امتحان اس بات کا لیا جا رہا ہے کہ ان مسمیات کو دیکھ کر ان کے ناموں کی تطبیق کر کے بتاؤ کہ کس کا کیا نام ہے۔ بعض اخبار و آثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ شخصیتیں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تھیں۔ (برہان و نور الثقلین وغیرہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حافظہ کا نہیں۔ بلکہ ذہانت و فطانت کا امتحان ہے۔ جس میں انسان فرشتوں سے افضل ثابت ہوا ہے۔ (الاء الرحمٰن بلاغی وغیرہ) اور پہلی دو تفسیروں کے مطابق ذوی الارواح والعقول مخلوق کی

دوسری مخلوق پر اس کے شرف ومجد کی بنا پر غلبہ دے کر ذوی العقول والے ضمائر واشارات استعمال کئے گئے ہیں۔

بظاہران دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔آخر کائنات کی ہر چیز میں یہ ذوات مقدسہ بھی داخل ہیں۔تو اگر بعد میں ان کا خصوصی تذکرہ ہے تو اسے تخصیص بعد التعمیم کا نام دیا جاسکتا ہے۔واللہ العالم۔اور جہاں تک دوسرے امر کا تعلق ہے کہ خدا نے فرشتوں کو یہ تعلیم کیوں نہیں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں میں اپنی ساخت ,مزاج اور جبلت کے مطابق اس بات کی اہلیت ہی نہیں تھی کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا نام ,اس کی حقیقت اور خاصیت کو سمجھ سکیں اور پھر معلومات سے مجہولات کا استخراج کر سکیں۔مگر انسان میں اس کی ساخت ,فطرت اور جبلت ومزاج کی وجہ سے اس قسم کے علم کے حاصل کرنے کی اہلیت ولیاقت پائی جاتی ہے اور وہ پایاں ناپذیر علمی وعقلی استعداد کا مالک ہے اور یہی بات خداوند عالم ثابت کرنا چاہتا تھا کہ فرشتے اس عہدہ کے اہل نہیں ہیں۔

بہر حال جب اس علمی امتحان میں جناب آدم کامیاب ہوگئے تو ملائکہ نے اعتراف کر لیا کہ:'' سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ ''(سورہ بقرہ آیت۔۳۲)

اور تسلیم کر لیا کہ جس کا علم وفضل زیادہ ہے خلیفۃ اللہ بننے کا زیادہ حقدار وہی ہے۔اس پر خداوند عالم نے فرمایا:'' میں نے نہیں کہا تھا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' اور'' يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ '(سورہ مائدہ آیت۔۹۹)اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو(کہ تم تسبیح وتقدیس کرتے ہو)اور وہ بھی جو تم (اندرون دل) چھپائے ہوئے تھے(کہ شاید اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق خلق نہیں کہ جو ہم سے افضل ہو۔لہٰذا اس خلافت کے ہم زیادہ حق دار ہیں)۔(تفسیر عیاشی وصافی)۔

قرآنی معیار خلافت

اس قرآنی واقعہ سے واضح وآشکار ہوا ہے کہ خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز کرتا ہے۔گنہگار مخلوق تو در کنار معصوم مخلوق بھی اجماع کر کے کسی کا انتخاب نہیں کرسکتی اور پھر اس قرآنی واقعہ سے یہ بھی روشن ہوتا ہے کہ خدا جسے اس منصب جلیل کیلئے منتخب کرتا ہے وہ سب سے افضل واعلیٰ ہوتا ہے اور یہ کہ معیار افضلیت اسلامی وقرآنی نقطہ نگاہ سے علم ,ایمان ,عمل وتقویٰ اور قوت وطاقت ہے۔اسی بنا پر مذہب شیعہ خلافت الٰہیہ کے نصّی ہونے کا قائل ہے۔نہ اجماعی وشورائی وغیرہ کا۔

''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ '' اللہ بہتر جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون؟(سورہ بقرہ آیت۔۲۲۰)

اگر مدتوں تک شب و روز ہمراہ رہنے کے باوجود فرشتوں کو معلوم نہیں ہو سکا کہ ابلیس جن ہے یا فرشتہ؟ تو عام انسانوں کو کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ انسانی لباس میں ابلیس کون ہے اور حقیقی انسان کون؟ بنابریں خلیفہ کا انتخاب خدا ہی کر سکتا ہے اور یہ بات بالبداہت معلوم ہے کہ اگر جاہلوں کا مجموعہ جاہل ہوتا ہے اور اندھوں کا مجموعہ اندھا تو گنہگاروں کا مجموعہ گنہگار ہی ہوگا نہ کہ عصمت شعار۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے کہ امت غلطی پر اجماع نہیں کر سکتی۔ اس حساس اور نازک موضوع کی جملہ تفصیلات و جزئیات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

آیات القرآن

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓٮِٕكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَؕ اَبٰى
وَاسۡتَكۡبَرَ‌ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ﴿۳۴﴾ وَقُلۡنَا يٰٓاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ
وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ وَكُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا‌ ۖ وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ
الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا
فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ‌ ۖ وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ
وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ
كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ﴿۳۷﴾ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا
مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ
عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴿۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ ابلیس کے سوا سب سجدہ میں گر گئے۔ اس نے انکار و تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ (۳۴) اور ہم نے کہا اے آدم۔ تم اور تمہاری بیوی دونوں بہشت میں رہو۔ اور اس سے جہاں سے تمہارا

دل چاہے مزے اور فراغت کے ساتھ کھاؤ۔لیکن اس (مخصوص) درخت کے پاس نہ جاؤ (اس کا پھل نہ کھانا) ورنہ تم زیاں کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔(٣٥) تب شیطان نے (اس درخت کے باعث) ان کے قدم پھسلائے۔اور انہیں اس (عیش و آرام) سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا اب تم (زمین پر) اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر اور تمہارے لئے زمین میں ایک خاص وقت تک ٹھہرنے اور فائدہ اٹھانے کا سامان موجود ہے۔ (٣٦) اس کے بعد آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ دعا کے کلمات (حاصل کئے) تو اس نے ان کی توبہ قبول کی کیونکہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔(٣٧) ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ۔اس کے بعد اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے۔تو ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے(٣٨)۔

تشریح الالفاظ

(١) اَبٰی ‏ اباء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں انکار کرنا (٢) رغدًا ‏ اس کے معنی فراخ زندگی گزارنے والا

(٣) اِهْبِطُوْا ‏ ھبوط سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اترنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا

تفسیر الآیات

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ...الآیۃ

جب جناب آدم علیہ السلام کا علمی تفوق اور ان کی ہر طرح افضلیت ثابت ہوگئی تو خداوند عالم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ چنانچہ سب ملائکہ بشمول جبرائیل میکائیل و اسرفیل وغیرہ سب کے سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے تکبر کی وجہ سے ابا و انکار کیا۔اور خدا کے اس سوال پر کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔خدا کے حکم کو یوں چیلنج کیا کہ

"خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (سورہ اعراف آیت۔١٢)"

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا فرشتوں میں سے نہ تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے کہ: ''کان من الجن فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ'' یہ شیطان جنوں میں سے تھا سو اپنے پروردگار کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ (سورہ کہف آیت۔ ۵۰)

اور بخیال خویش یہ سمجھا کہ آگ خاک سے افضل ہوتی ہے کیونکہ وہ اوپر کی جانب جاتی ہے اور خاک نیچے کی طرف۔ اور اپنی ناسمجھی سے یہ نہ سمجھا کہ آگ خائن ہوتی ہے۔ اس میں جو چیز ڈالی جائے وہ اسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اور خاک امین ہوتی ہے کہ اگر ایک دانہ اس کے سپرد کیا جائے تو وہ سات سو دانے واپس لوٹاتی ہے۔ لہٰذا وہ وقت معلوم تک ملعون و مطرود قرار دیا گیا۔ یہاں کچھ وکلائے ابلیس بموجب مدعی سست و گواہ چست اس کی بے جا وکالت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یہ حکم صرف فرشتوں کو تھا اور شیطان جن ہونے کی وجہ سے اس حکم میں شامل ہی نہ تھا تو اگر اس نے سجدہ نہیں کیا تو اس کا کیا قصور تھا؟ اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ یہاں قاعدہ تغلیب کی بنا پر یقیناً اس کو یہ حکم شامل تھا جب اکثر و افضل کو حکم تھا تو بطریق اولیٰ اقل اور مفضول کو بھی شامل تھا کیونکہ اوامر و احکام وغیرہ میں ہمیشہ مغلوب غالب کے تابع ہوتا ہے جس طرح قرآنی احکام میں ہر جگہ مذکر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جب کہ بالاتفاق ان میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ اور اس بات کی سب سے بڑی دلیل کہ یہ حکم اس کو بھی تھا۔ ایک تو یہ ہے کہ اس کے سجدہ نہ کرنے پر خدا نے اس سے پوچھا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اور دوسری یہ کہ شیطان کا جواب میں یہ عذر پیش نہ کرنا کہ بوجہ جنّ ہونے کے یہ حکم تو اس کے شامل حال ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کا خلقت کی بحث کو چھیڑنا اور ابلیسی قیاس کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ حکم اسے شامل ہے۔

نیز خدائے رحمن اور شیطان کے اس سوال و جواب سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اصل خلقت معیار فضیلت نہیں ہے کہ کون نوری ہے؟ کون ناری ہے؟ اور کون خاکی ہے؟ اس بحث کا آغاز ابلیس لعین نے کیا تھا جس کے مریدان باصفا آج تک اس کی پیروی کرتے ہوئے انہی لایعنی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ نوری کون اور خاکی کون؟ خدائے حکیم نے تو پہلے دن ہی نوریوں کو خاکی کے سامنے سجدہ ریز کر کے اس بحث کا خاتمہ کر دیا تھا کہ اصل خلقت معیار افضلیت نہیں ہے۔ بلکہ علم معیار فضیلت ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام اور ملائکہ کے قصہ سے عیاں ہے۔ عمل و تقویٰ ہے جیسا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورہ حجرات آیت۔ ۱۳)'' سے ظاہر ہے ایمان و عمل صالح ہے جیسا کہ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ

الْبَرِیَّۃِ (سورہ بیّنہ آیت۔۷)'' سے واضح ہے اور قوت و طاقت ہے جیسا کہ ''اِنَّ اللہَ اصْطَفٰہُ عَلَیْکُمْ وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (سورہ بقرہ آیت۔۲۴۷)'' سے آشکار ہے۔

یہ سجدہ کس قسم کا تھا؟

یہ سابقہ بحثیں توضمنی حیثیت کی تھیں اصل بات جو یہاں اہم ہے وہ یہ ہے کہ یہ سجدہ جو فرشتوں سے کرایا گیا، کس قسم کا تھا؟ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں

(۱)تعظیمی (۲)تعبدیدی

جو مخلوق میں سے کسی بزرگ شخصیت کو کیا جائے اسے سجدہ تعظیمی کہا جاتا ہے اور جو عبادت کے طور پر خدا کو کیا جائے اسے سجدہ تعبیدی کہا جاتا ہے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ وہ جناب آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی خاطر کرایا گیا تھا۔ اور اسی حوالہ سے علامہ سید علی نقی نے بھی فصل الخطاب میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ مگر انہوں نے بھی اور جس مفسر و محدث نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ وضاحت ضرور کی ہے کہ یہ تعظیمی سجدہ صرف سابقہ شریعتوں اور امتوں میں جائز تھا۔ شریعت اسلامیہ میں ہر قسم کا سجدہ خدا کی ذات سے مخصوص ہے۔ چنانچہ

(۱)علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''محتمل است کہ سجدہ تحیت درامم سابقہ مجوز بودہ باشد, دریں امت حرام شدہ'' (حیات القلوب جلداول)

(۲)اور علامہ سید علی حائریؒ فرماتے ہیں:

''ورایں سجدہ تعظیمی درامم سلف جاری وساری الی نزول واز احیتم بتحیہ'' بو دپس بہ سبب آں سلام مقرر شدہ (لوامع التنزیل جلد۱)

(۳)اور علامہ علی نقی فرماتے ہیں:

''بے شک اسلام میں اس طریقہ تعظیم کا استعمال غیر اللہ کیلئے ممنوع ہو گیا ہے لیکن قبل الاسلام اس کی ممانعت نہ تھی'' (فصل الخطاب جلد۱)

(۴)فاضل بریلوی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''سجدہ تحیت پہلی امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں منسوخ کیا گیا۔ اب کسی کیلئے جائز نہیں''۔ (کنز الایمان حاشیہ نمبر ۱۴ ص ۹)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس بزرگ نے بھی امم سابقہ میں اس سجدہ تعظیمی کے جواز کا تذکرہ کیا ہے یا اس کے جواز کا احتمال ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ہی اس بات کی صراحت کردی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں یہ سجدہ حرام ہے۔ اوراس کی جگہ اب سلام، مصافحہ اور معانقہ مقرر ہوا ہے۔ صرف فاضل طباطبائی نے المیزان میں یہ لکھا ہے کہ:

''یستفاد منه جواز السجود لغیر الله فی الجمله اذا کان تحیة و تکرمة للغیر ...الخ''

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

مگر جہاں تک ہماری ناچیز تحقیق دقیق کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ سجدہ وہ ذاتی عبادت ہے جو ہر شریعت میں خدا سے مختص رہا ہے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے جس کی حرمت ذاتی ہے جو تخصیص کے بھی قابل نہیں ہے۔ اسی لئے وہ ہمیشہ ہر شریعت میں سوائے اللہ کے حرام رہا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ عبادت کے معنی کسی ہستی کے سامنے انتہائی درجہ کی عاجزی و تذلل کے اظہار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب ہر قسم کی عبادت ذات خداوندی کیلئے مخصوص ہے جیسا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کا مفاد ہے۔ تو پھر سجدہ کس طرح کسی اور کیلئے روا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تحقیقی قول یہ ہے کہ خداوند عالم نے جناب آدم علیہ السلام کو قبلہ قرار دے کر اپنی ذات کو سجدہ کرایا تھا۔ جیسا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: کان السجود لله و کان آدم قبلة۔ (احتجاج طبرسی)

نبود سجده ایشاں از برائے آدم بلکه آدم قبله ایشاں بود از برائے خدا سجده می کر دند و امر نمود حق تعالی که بجانب او رو دارند۔ (حیات القلوب ج ا ص ۴۲ طبع ایران)۔

فرشتوں کا یہ سجدہ جناب آدم علیہ السلام کیلئے نہیں تھا۔ بلکہ آدم ان کے قبلہ تھے خدا نے ان کو حکم دیا تھا کہ جناب آدم علیہ السلام کی طرف منہ کریں (اور سجدہ خدا کو کریں)۔ بنابریں یہ سجدہ آدم علیہ السلام کو قبلہ سمجھ کر کیا گیا تھا اور جناب یعقوب علیہ السلام، ان کی زوجہ اور ان کی اولاد کا سجدہ۔ جو انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام کو زندہ اور وہ بھی مصر کے تخت حکومت پر متمکن دیکھ کر کیا تھا وہ سجدۂ شکر تھا جو بارگاہ خدا میں کیا تھا۔ سجدۂ تعظیمی نہ تھا۔ بنابرایں 'خرّوا له'' میں جو''لام'' ہے وہ ''لام'' سببیه ہے کہ انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام کی وجہ سے (خدا کو) سجدہ کیا تھا۔ ورنہ ماں باپ اور (باپ بھی نبی) باپ بیٹے کو تعظیمی سجدہ کریں اور بیٹا خاموش رہ جائے۔ (العیاذ باللہ) اس طرح کیا جناب یوسف علیہ السلام کے اخلاق و نبوت پر حرف نہیں آئے گا

؟؟''فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (سورہ یونس آیت۔۳۵)''

ایک شبہ کا ازالہ

علامہ سید علی نقی نے اس سجدہ کے سجدہ تعظیمی ہونے پر اس چیز سے استدلال کیا ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی اس کے شاہد ہیں کیونکہ سجدہ کی اضافت ''لام'' کے ساتھ ہوئی ہے (لام) جو مسجود کا پتہ دیتی ہے۔قبلہ کیلئے ''الی'' آنا چاہئے ''لام'' نہیں۔(فصل الخطاب)

اس کا جواب واضح ہے کہ عربی زبان میں ''لام'' بمعنی ''الی'' استعمال ہوتی رہتی ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں استعمال ہوئی ہے۔

ما کنت احسب ان الامر منصرف
عن بنی هاشم ثم عن ابی الحسن
الیس اول من صلی لقبلتکم
و اعرف النّاس بالقرآن والسنّن

مجھے یہ وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ خلافت جناب ہاشم کے خاندان سے اور بالخصوص جناب ابوالحسن علی علیہ السلام کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔کیا حضرت علی علیہ السلام وہ پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے تمہارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے؟اور کیا وہ سب لوگوں سے زیادہ قرآن وسنت کے عالم وعارف نہیں ہیں؟

یہاں ''لقبلتکم'' میں ''لام'' بمعنی ''الی'' استعمال ہوئی ہے۔تفصیل کیلئے مغنی وغیرہ نحو کی کتب مبسوطہ دیکھی جاسکتی ہیں اور جہاں تک اسلام میں سجدہ تعظیمی وتکریمی کے غیر اللہ کیلئے حرام ہونے کا تعلق ہے تو یہ چیز عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے کلام وفرمان اور ان کی سیرت وکردار اور ان کے اخلاق واطوار سے روز روشن سے بھی زیادہ واضح وآشکار ہے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں''۔ (اصول کافی)

ان ذوات مقدسہ کے حین حیات میں کئی لوگوں نے ان کو سجدہ کرنا چاہا۔مگر انہوں نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی اور ہمیشہ یہی فرمایا کہ ہر قسم کا سجدہ ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے (کتب سیر وسوانح) بے شک اسلام بزرگ شخصیتوں کی تعظیم وتکریم کا حکم دیتا ہے اس سے منع نہیں کرتا۔مگر اس نے ہر چیز کے کچھ حدود و قیود مقرر کئے ہیں اور وہ ہر ہر معاملہ میں اعتدال کا دامن تھامنے کا حکم دیتا ہے اس لئے وہ اس بات کی اجازت نہیں

دیتا کہ کسی کی تعظیم مین اس قدر جھکا جائے کہ رکوع وسجود سے مشابہت لازم آئے جو کہ ذات خداوندی سے مخصوص ہیں اس موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد اور اصلاح الرسوم کی طرف رجوع فرمائیں۔

عصمت انبیاء کا بیان

اسْكُنْ اَنْتَ ...الآية

اس بات پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جناب آدم علیہ السلام نبی تھے اور انبیاء کی عصمت کے بارے میں بد قسمتی سے امت مسلمہ میں قدرے اختلاف ہے اور کچھ مسلمان ان کے گناہ وعصیاں کے قائل ہیں, کچھ کبیرہ وصغیرہ میں فرق کرتے ہیں۔ کچھ عمدی وسہوی میں اور کچھ علمی وجہلی میں اور کچھ قبل وبعد نبوت میں تفریق کے قائل ہیں مگر جس بات پر فرقہ حقہ اثناء عشریہ اور دیگر محققین اسلام کی رائے مستقر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین مہد سے لحد تک ہر قسم کے اعتقادی زیغ وضلال, اور ہر قسم کے عملی گناہ وعصیاں۔ اور اپنی تمام مقدس عملی زندگی میں ہر قسم کے زلل وخلل سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں۔''لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ ''(سوری تحریم۔٦) اوران ذوات مقدسہ کی عصمت وطہارت پر بے شمار عقلی وشرعی ادلہ وبراہین قائم ہیں جن کا ایک شمہ ہم نے بھی احسن الفوائد واثبات الامامت میں بیان کر دیا ہے۔ باقی سب دلائل و براہین کو چھوڑ کر یہاں صرف ایک عقلی اور ایک شرعی دلیل کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عصمت انبیاء کی ایک عقلی دلیل

جب نبی و رسول لوگوں کی اعتقادی وعملی اصلاح احوال کیلئے, اور انہیں شیطان کے چنگل سے آزاد کرانے اور خالق دوجہان کے اوامر ونواہی کی تعمیل کرانے کیلئے آتے ہیں تو اگر خدانخواستہ وہ خود شیطان کی اطاعت شعاری اور خدائے رحمٰن کی معصیت کاری کرنے لگ جائیں تو پھر بموجب۔۔۔۔۔ع

چوں کفر از کعبہ بر خیز د کجاماند مسلمانی

اور جب خود راہبر گمراہ ہوجائے تو پھر

آں خویشتن است کرا رہبری کند ؟

کیا اس طرح ان کی بعثت عبث و بے کار نہیں ہوجائیگی اور پھر اس کا مقصد کیا باقی رہ جائیگا؟ تعالی الله عن ذلك علوا کبیراً۔

عصمت انبیاء کی ایک شرعی دلیل

قرآن کا بیان ہے کہ شیطان کے سجدہ سے انکار کرنے اور اس کے ملعون ومطرود قرار پانے کے بعد اس کے اور خدا کے درمیان کچھ مکالمہ ہوا تھا۔ شیطان نے کہا تھا بارالہا تو نے مجھ پر لعنت کر کے راندہ بارگاہ تو بنا دیا ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور سب کو گمراہ کروں گا۔ خدا نے فرمایا تھا بے شک تو اپنا سارا زور لگا لینا۔ ''اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ''۔ جو میرے مخلص بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا (سورہ حجر آیت۔ ۴۲)۔ اور آخر کار شیطان نے بھی یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ'' اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ'' میں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی سب کو گمراہ کروں گا (سورہ حجر آیت۔ ۴۰)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطان نبیوں، رسولوں اور اماموں کو بھی معاذ اللہ گمراہ و بدراہ کر سکتا ہے اور وہ اس کے دام ہمرنگِ زمین میں پھنس کر خدا کی معصیت کاری کر سکتے ہیں تو پھر خدا کے وہ مخلص بندے کون ہیں جو ابلیس کی تلبیس سے محفوظ ہیں؟ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کے مخلص بندے یہی انبیاء و مرسلین اور ان کے اوصیاء منتجبین صلوات الله علیهم اجمعین ہیں نہ کوئی اور۔ لہٰذا اگر قرآن مجید میں کچھ ایسی آیات پائی جاتی ہیں۔ جن سے ان ذوات مقدسہ کے گناہ وعصیاں کا وہم وخیال پیدا ہوتا ہے تو ان کو متشابہ سمجھ کر ان کی کوئی ایسی معقول توجیہ وتاویل کرنا لازم ہوگی جس سے ان عقلی وشرعی مسلّمہ عقیدہ کے ساتھ ان کا یہ ظاہری تضاد وتصادم ختم ہوجائے۔

وہ آیات جن سے جناب آدم علیہ السلام کا گنہگار ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔

یہاں جناب آدم علیہ السلام سے متعلقہ آیات جن سے ان کے گناہ وعصیاں پر استدلال کیا جاتا ہے ان کا تذکرہ اور بڑے اختصار کے ساتھ ان کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ان کو ایک مخصوص درخت کے پاس جانے سے روکا گیا تھا۔ مگر وہ اس کے پاس گئے جب کہ نہی حرمت کیلئے ہوتی ہے۔

(۲) خدا نے فرمایا تھا اگر اس درخت کے قریب گئے تو ظالم بن جاؤ گے جبکہ ظلم گناہ ہے۔

(۳) شیطان نے ان کو پھسلایا۔

(۴) جناب آدم علیہ السلام کیلئے لفظ عصیان وغوایت استعمال ہوا ہے فَعَصٰى رَبَّهٗ وَ غَوٰى اور عصیاں کے معنی گناہ کے ہیں۔

(۵) جناب آدم علیہ السلام کا لباس اتر گیا، جنت سے نکالے گئے اور مفارقت حوا میں گرفتار ہوئے یہ گناہ کی سزا نہیں تو اور کیا ہے؟

(۶) جناب آدم علیہ السلام نے توبہ کی اور خدا نے توبہ قبول کی ظاہر ہے کہ توبہ گناہ سے ہی کی جاتی ہے۔

(۷) جناب آدم علیہ السلام نے توبہ کے الفاظ میں کہا تھا'' وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورہ اعراف آیت۔ ۲۳)'' اور ظاہر ہے کہ خسارہ گناہ کے ارتکاب سے ہی ہوسکتا ہے

ان ایرادات کے مختصر مگر جامع جوابات

ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اشکالات کے ترتیب وار مختصر مگر جامع جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) نہی ہمیشہ حرمت کیلئے نہیں آتی۔جس کی خلاف ورزی حرام و باعث گناہ وعصیاں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نہی کبھی تنزیہی وارشادی بھی ہوتی ہے جس کی خلاف ورزی حرام نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے ترک اولی لازم آتا ہے اور دنیا میں زحمت ومشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب مالک غلام سے کہے لا تزن ولاتسرق۔ زنا نہ کر اور چوری نہ کر۔ تو یہ نہی تحریمی ہوگی اور اس کی مخالفت حرام اور جب کہے کہ لا تشترھذاالثوب۔ یہ کپڑا نہ خرید۔ تو یہ نہی ارشادی ہوگی کہ کپڑا خراب ہے۔ اگر خریدے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ یہاں بھی خدا نے فرمایا تھا:

هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ (سورہ طٰہٰ آیت۔۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹)''

یہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوائے۔ ورنہ زحمت ومشقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تمہیں اس میں بھوک نہیں لگتی (دنیا میں لگے گی) یہاں ننگے نہیں ہوتے ہو (یعنی دنیا میں لباس اتر جائے گا) اس میں تمہیں پیاس نہیں لگتی (دنیا میں لگے گی) اس میں تمہیں دھوپ نہیں لگتی (دنیا میں دھوپ لگے گی)

چنانچہ اس درخت کا پھل کھانے سے یہ سب کچھ ہوا۔ یہ کسی گناہ کی سزا نہیں تھی بلکہ اس درخت کے پھل کا اثر وضعی تھا جو ظاہر ہوا۔ اور اسی ضرر وزیاں سے محفوظ رہنے کیلئے خدا نے راہنمائی کی تھی کہ اس کے قریب نہ

جانا ورنہ زحمت اٹھانا پڑے گی۔

(۲) ظلم کے ایک معنی ہیں وضع الشئ فی غیر محلہ ہے کہ کسی چیز کا بے محل رکھنا۔ اور دوسرے معنی ہیں نقصان وزیاں اٹھانا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

''كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا'' (سورہ کہف آیت۔ ۳۳)

وہ دونوں باغ ہر وقت پھل دیتے تھے اور کسی چیز کی کمی نہیں کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس درخت کا پھل کھانے سے جناب آدم علیہ السلام کا ظاہری نقصان تو ہوا کہ جنت سے نکلنا پڑا۔ مگر اس طرح ہر نقصان اٹھانا حرام تو نہیں ہوتا نہ وہ ظلم علی النفس تھا جس سے آدمی جہنم کا مستوجب ہوتا ہے اور نہ ہی ظلم علی الغیر تھا جس سے آدمی ظالم قرار پاتا ہے۔

(۳) شیطان کے پھسلانے کی اس سے بڑھکر اور کوئی حقیقت نہیں ہے کہ ''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ'' ۔(اعراف۔ ۲۱) کہ اس نے خدا کے نام کی قسم کھائی تھی کہ میں خلوص نیت سے نصیحت کر رہا ہوں۔ مگر جناب آدم علیہ السلام وحوّا نے یہ خیال کر کے کہ بھلا کوئی مخلوق خالق کے نام کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتی ہے؟ اس کی قسم پر اعتماد کر لیا اور درخت کے قریب چلے گئے حالانکہ ان کے شایان شان اور ان کیلئے اولی یہ تھا کہ براہ راست خدا سے رابطہ قائم کر کے اس سے دریافت کر لیتے کہ بارالہا کیا شیطان نے سچی قسم کھائی ہے یا جھوٹی۔ مگر ایسا نہ کیا اسی کا نام اصطلاح شریعت میں ترک اولی ہے جو گناہ نہیں ہوتا۔ مخفی نہ رہے کہ شیطان جنت میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ باہر کھڑے ہو کر بآواز بلند (ناداهما) جناب آدم وحوا علیہم السلام سے کلام کیا تھا۔

(۴) عصیاں کے معنی خلاف ورزی کے ہیں۔ اب اس کا دارومدار امر ونہی کے وجوبی وتحریمی یا ارشادی وتنزیہی ہونے پر ہے۔ لہٰذا امر وجوبی اور نہی تحریمی کی خلاف ورزی حرام ہے اور گناہ ہے مگر امر ارشادی اور نہی وتنزیہی کی خلاف ورزی صرف ترک اولی کہلاتی ہے اور ہم پہلے اشکال کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی وارشادی تھی لہٰذا اس طرح یہ خلاف ورزی ترک اولی قرار پائے گی نہ کہ گناہ۔ باقی رہا لفظ ''غوٰی'' تو جس طرح اس کے معنی گمراہی کے ہیں اسی طرح اس کے ایک معنی ناکامی کے بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس مقصد کی خاطر جناب آدم علیہ السلام نے اس نہی ارشادی کی خلاف ورزی کی تھی اس مقصد کے حاصل کرنے میں ناکام ہوئے (ہمیشہ جنت میں رہنے کی بجائے الٹا جنت سے نکلنا پڑ گیا)

(۵) پہلے اشکال کے جواب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ لباس کا اترنا، بول وبراز کی حاجت کا ہونا اور پھر جنت سے نکلنا اور زحمت اٹھانا اس درخت کا اثر وضعی تھا۔ کسی گناہ کی سزا نہیں تھی۔ جس طرح زہر خواہ عمداً کھائی

جائے خواہ سہواً ہو اس کا اثر اس سے جدا نہیں ہوتا۔ ان الشئ اذا وجد وجد بأثارہ لان اثر الشئ لا ینفك عن الشئ۔

(۶) توبہ ہمیشہ گناہ وعصیاں سے ہی نہیں ہوتی بلکہ ایک مندوب ومستحب امر کے ترک یعنی ترک اولیٰ پر بھی ہوتی ہے کیونکہ حسنات الابرار سئیات المقربین (کہ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقرب بارگاہ لوگوں کیلئے گناہ متصور ہوتی ہیں) توبہ کے لفظی معنی رجوع کرنے کے ہیں جس طرح ایک گنہگار گناہ کرکے توبہ و انابہ کرتا ہے اسی طرح ایک مقرب بارگاہ ترک اولی کرکے اور اس کا خمیازہ بھگت کر اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ مقربین بارگاہ ایک مستحب کام کے ترک کو وہ اہمیت دیتے ہیں جو عام گنہگار فعل حرام کے ارتکاب کو بھی نہیں دیتے اور اس بات کا بین ثبوت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی وہ دعائے توبہ ہے۔ جو صحیفہ کاملہ میں موجود ہے۔

(۷) توبہ کے الفاظ کا جواب ابھی سابقہ چھٹے اشکال کے جواب سے واضح وعیاں ہے اعادہ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

ضروری وضاحت

اس بات میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ وہ مخصوص درخت کس چیز کا تھا؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ گندم کا تھا۔ بعض کا خیال ہے انگور کا تھا بعض انجیر کا بتاتے ہیں اور بعض کھجور کا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ان روایات میں سے کونسی روایت صحیح ہے؟ فرمایا سب صحیح ہیں کیونکہ جنت کا درخت دینوی درختوں کی مانند نہیں ہوتا کہ اس پر ایک ہی پھل لگتا ہے۔ بلکہ وہ ایسا ہوتا ہے کہ جنتی جس پھل کے کھانے کی خواہش کرتا ہے وہی پھل اس پر لگ جاتا ہے۔ (عیون الاخبار، بحار الانوار)

فائدہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ......الآیۃ۔

وہ کلمات کون سے تھے جن کی برکت سے جناب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی؟ اس میں مختلف قول ہیں

(۱) وہی دعا تھی جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ '' رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۲۳ ''۔ (سورہ اعراف آیت۔ ۲۳)

(۲) حدیث میں ہے کہ وہ یہ دعا تھی:

"لا اله الا انت سبحانك اللّهم بحمدك عملت سوء و ظلمت نفسى فاغفر لى وتب على انك انت التواب الرحيم "۔(اصول کافی۔۳)

(۳) پنجتن پاک ؑ کا واسطہ دے کر بارگاہ رب العزت میں توبہ کی تھی۔ (اصول کافی , عیاشی و صافی۔ کذا فی الدر منثور)

قُلْنَا اهْبِطُوْا......الآیۃ۔

بظاہر یہ خطاب جناب آدم وحوا اور ابلیس کو ہے۔سجدہ سے ابا انکار کے بعد اگر چہ شیطان کو بزم ملائکہ سے تو نکال دیا گیا تھا۔مگر ہنوز وہ مکانی طور پر عالم بالا ہی میں تھا۔مگر اب جھوٹی قسم کھانے اور وسوسہ انگیزی کرنے کے بعد عالم بالا سے نکال دیا گیا۔ بہر حال جناب آدم وحوا کا وہاں سے اخراج تو ان کے اقدام کا اثر وضعی اور لازمی نتیجہ تھا۔مگر شیطان کا اخراج اس کی اس حرکت شنیعہ اور شرارت کی سزا تھی۔ اور ان کی باہمی عداوت کا مطلب واضح ہے کہ جناب آدم وحوا علیہم السلام اور شیطان کے درمیان ایسی عداوت ہوگی جو نسلاً بعد نسل بھی چلتی رہے گی۔اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (سورہ بقرہ آیت۔۱۶۸)۔

بہر حال جناب آدم وحوا کا درخت کے قریب جانا اور اس کا پھل کھانا اور اس کے نتیجہ میں اس کے اثر وضعی کا مرتب ہونا اور ان کے جلدی جنت سے نکلنے کا ایک ظاہری سبب بن گیا ورنہ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ جناب آدم علیہ السلام پیدا ہی خلافت ارضی کے لئے کئے گئے تھے۔(اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً)۔لہٰذا اپنے اس مقصد خلافت کی تکمیل کیلئے ایک نہ ایک دن بدیر یا سویر انہیں دنیا میں تشریف تو ضرور لانی تھی اور ایک خاص وقت تک اس معمورہ ہستی اور اس عالم آب وگل میں رہ کر فریضہ تبلیغ و ہدایت انجام دینا تھا اور دنیا کے ہم وغم اور رنج والم سے اپنا حصہ پانا تھا۔کیونکہ قید حیات اور بند غم لازم وملزوم ہیں۔

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى ...الآیۃ

اس کے بعد اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا اس کیلئے کوئی رنج والم اور حزن و ملال نہ ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حزن و ملال اور رنج والم سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خدا کی فرمانبرداری اور ہادیان برحق کی اطاعت گزاری ہے وبس۔اور جو کفر اختیار کریں گے اور آیات الٰہیہ کو جھٹلائیں گے وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

آیات القرآن

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ۠﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ
اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًاؗ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ
يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۠﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلائیں گے وہی لوگ دوزخ والے
ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۳۹) اے بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) میری
وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور تم مجھ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو میں
بھی تم سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کروں گا اور تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۴۰) اور اس
کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل کی ہے۔ جو اس (تورات) کی
تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کے اولین منکر نہ بنو اور آیتوں کو (ان میں
تحریف کر کے) تھوڑی قیمت (دنیوی مفاد) پر فروخت نہ کرو۔ اور مجھ ہی سے (میری

نافرمانی سے) ڈرو۔(۴۱)اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جانتے بوجھتے ہوئے حق کو نہ چھپاؤ۔(۴۲)اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔اور(میری بارگاہ میں) رکوع کرنے (جھکنے)والوں کے ساتھ رکوع کرو(باجماعت نماز ادا کرو)۔(۴۳) کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب خدا کی تلاوت کرتے رہتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟(۴۴) اور (مشکلات ومصائب کے وقت) صبر (روزہ) اور نماز کے ذریعہ (خدا سے) مدد مانگو اور یہ (نماز) یقینا بہت گراں ہے سوائے ان بندوں کے جو خشوع و خضوع رکھنے والے ہیں۔(۴۵)اور(بارگاہ خداوندی میں) عاجزی کرنے والے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کا سامنا کرنا ہے (اس کے حضور پیش ہونا ہے)اور(آخرکار)اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔(۴۶)

تشریح الالفاظ

(۱)فَارْهَبُوْنِ یہ رھب سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ڈر اور خوف

(۲)لَا تَلْبِسُوا یہ لبس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی امر کو مشتبہ اور خلط ملط کرنا

(۳)عَلَى الْخٰشِعِيْنَ یہ خشوع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں عاجزی کا اظہار کرنا اور فروتنی کرنا

تفسیر الآیات

بنی اسرائیل کا تذکرہ اور ان کے عروج وزوال کی داستان

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ...الآیۃ۔

خداوند عالم نے اس سورہ کے آغاز سے لے کر اب تک بنی آدم کو(جن میں مومن, کافر اور منافق سب داخل ہیں) خدا اور رسول اور آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانے ,اس کی عبادت واطاعت کرنے کی عمومی دعوت دی ہے اور دیگر بعض متعلقہ مسائل جیسے خلقت آدم وحوا اور ان کے ہر سہ طبقات ,ان کے حالات وکوائف , پھر نیکوکاروں کو جنت الفردوس کی بشارت اور بدکاروں کو جہنم کی نذارت کے تذکرہ کے بعد خاص طور پر بنی

اسرائیل کا ذکر شروع کیا ہے اور یہ ذکر آیت نمبر ۴۰ سے لے کر مسلسل آیات نمبر ۱۲۳ چودھویں رکوع کے بعد تک چلا گیا ہے اور ان کو اسلام کی طرف راغب وقائل کرنے کیلئے پہلے ان کی خاندانی شرافت کا تذکرہ کیا ہے، بعد ازاں ان کو روکا ٹوکا گیا ہے۔ اور پھر ان کو راہ راست پر آنے اور اس پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اسرائیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اسراء اور ایل۔ عبرانی زبان میں ''اسراء'' کے معنی ہیں عبد اور قوت اور ''ایل'' کے معنی ہیں اللہ۔ تو اس طرح اسرائیل کے معنی ہوئے عبداللہ یا قوۃ اللہ۔ یہ جناب یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند جناب اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے۔ خداوند عالم نے بنی اسرائیل کو متوجہ کیا ہے کہ وہ عبداللہ یعنی خدا کے عبادت گزار بندے کی اولاد ہیں۔

مجمع البیان میں لکھا ہے کہ عرب جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اسی لئے خدا فرماتا ہے؟:

''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (سورہ حج آیت۔۷۸)''

اور اکثر عجم جناب اسحاق کی اولاد ہیں۔ جناب یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد سمیت اپنے اصلی وطن فلسطین شام سے ہجرت کر کے اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں تشریف لے گئے تھے۔ جہاں وہ اس عہد کے فرعون کے وزیر تھے۔ اور پھر وہاں صدیوں تک بڑے عروج پر رہے۔ مگر بعد میں فراعنہ مصر نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ گرائے۔ ان کے بیٹوں کو قتل کیا اور بیٹیوں کو اپنی خدمت کیلئے زندہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ جناب موسی علیہ السلام نے آکر انہیں فرعونیوں کے ظلم واستبداد سے آزاد کرایا۔ بالاخر جناب یوشع وصی موسی علیہ السلام کے دور میں وہ واپس فلسطین آئے اور جناب یوشع کے بعد ان سے کئی نبی ہوئے مگر آخر کار ان کی کج رفتاریوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ان پر حملہ کر کے انہیں تہس نہس کر دیا۔ ان کی حکومت ختم کر دی بہت سوں کو قتل اور بہت سوں کو قید کیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ ایران نے بخت نصر اور اس کی حکومت کو ختم کیا اور پھر قریباً دوسو سال تک بنی اسرائیل ایران کے ماتحت رہے پھر رومیوں کے زیر تسلط چلے گئے مگر انہوں نے شورش برپا کی لیکن رومیوں نے اسے دبا دیا۔ اور بزور شمشیر انہیں فلسطین سے نکال دیا اس طرح وہ تتر بتر ہو گئے۔ کچھ مصر میں چلے گئے کچھ لبنان اور سوریہ میں اور کچھ عراق وحجاز وغیرہ کے ممالک میں چلے گئے۔۔(تفسیر کاشف)۔

یہاں تک کہ اب ۱۹۴۸ء میں عالم استعمار واستکبار نے مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش کے تحت مختلف اطراف واکناف سے یہودیوں کو یکجا کر کے مسلمانوں کے عین وسط میں ان کی حکومت قائم کر دی۔ جو انہی کے سہارے اور انہی کی بیساکھیوں پر تا حال چل رہی ہے۔ مگر تابکے؟

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا۔

نزول قرآن کے عہد میں یہ بنی اسرائیل دو مذہبوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ایک یہود جو حضرت موسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کو مانتے تھے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔دوسرے نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف نبی بلکہ خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ان دونوں قوموں کو مسلمانوں سے مذہبی اختلاف کے علاوہ یہ تعصب وعناد بھی تھا کہ اسلام کا نبی ان کی قوم سے نہیں آیا بلکہ نسل اسماعیل علیہ السلام سے آیا ہے۔خداوند عالم گویا ان کے اسی رویہ ونظریہ کا جواب دیتے ہوئے اپنے احسانات گنوا کر جو اس نے ان کے ساتھ کئے تھے فرماتا ہے کہ تم نے مسلسل کفران نعمت کیا۔لہٰذا اگر خدا نے تم سے یہ نعمت نبوت سلب کر کے کسی دوسری قوم کو اس کے شکرانہ نعمت کے صلہ میں نوازا ہے تو تم بجبیں کیوں ہوتے ہو؟۔ بنی اسرائیل (یہود) کو خصوصی خطاب کرنے اور ان کو اس قدر اہمیت دینے میں بظاہر یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے وقت عام اقوام عالم میں عموماً اور عالم عرب میں خصوصاً یہودیوں کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔قریباً ہزار سال تک ان میں سلسلۂ نبوت جاری وساری رہا ان میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔اس لئے اردگرد کے عام لوگ ان سے اس قدر مرعوب تھے کہ کہتے تھے کہ اگر یہود نے اسلام قبول کیا تو ہم بھی قبول کرلیں گے۔ نیز خدائے حکیم یہود کی داستان عروج وزوال سنا کر مسلمانوں کو بھی تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ اگر خدا اور رسول کی اطاعت کرتے رہو گے اور اتحاد وتنظیم کا دامن تھامے رہو گے تو عزت و عظمت ,سطوت وسلطنت تمہارا مقدر رہے گی اور اگر عصیاں کاری ,غلط کاری اور کج رفتاری اختیار کرو گے اور انتشار و خلفشار کا شکار ہو جاؤ گے تو تمہاری شامتِ اعمال صورتِ نادر بھی اختیار کرسکتی ہے۔اور اس طرح

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(لاقدر اللہ)

بنی اسرائیل پر خدا کے حسانات کا اجمالی تذکرہ

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ ...الآیۃ۔

''نِعْمَتِيَ''اسم جمع ہے جس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں خداوند عالم نے ان بعض احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو اس نے مخاطبین کے آباء واجداد پر کئے تھے (جبکہ باپ دادا پر احسان ان کی اولاد پر بھی احسان ہوتا ہے) جیسے

(۱)ان میں سے بہت سے انبیاء مبعوث کئے۔

(۲)ان پر بہت سی آسمانی کتابیں نازل کیں جن میں تورات ,زبور ,انجیل بھی شامل ہیں۔

(۳)ان کوفرعون اورفرعونیوں کے ظلم وجور سے نجات دلائی۔

(۴)ان کے سب سے بڑے دشمن فرعون کواس کے لاؤلشکرسمیت غرق کیا۔

(۵)ان پرآسمان سے من وسلوی نازل کیا۔

(۶)ان کے لئے پتھر سے پانی کا چشمہ جاری فرمایا۔

(۷)ان کیلئے دریامیں راستہ بنایا۔

(۸)ان کوعہد سلیمان میں سلطنت عطافرمائی۔

(۹)بادل کوان پرسایہ فگن کیا۔

(۱۰)ان کو وہ کچھ دیا جوکسی اورکونہیں دیا۔''وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝۲۰ ''(سورہ مائدہ آیت۔۲۰)

ان احسانات کے چندتقاضے ہیں؟

ان احسانات کے چندتقاضے ہیں جن میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ ''تم مجھ سے کئے ہوئے عہدو پیمان کوپورا کرو''

اس عہدو پیمان سے کیا مراد ہے؟

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ ......الآیۃ۔

اکثر مفسرین نے اس سے وہ عہدو پیمان مرادلیا ہے جوخدانے تورات میں ان سے لیا تھا کہ میں آخر میں ایک عظیم الشان نبی بھیجوں گا۔جس کی یہ علامات ہونگی جب وہ آجائیں توان پرایمان لانا کیونکہ جوان پر ایمان لائے گا اسے دوگنا اجروثواب دیاجائیگا۔اورجوان پرایمان نہیں لائیگا اسے دوگنا عذاب کیاجائیگا۔توتم اپنا وعدہ پورا کرو۔اس پیغمبرآخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرایمان لاؤ۔میں اپنا وعدہ پورا کرونگا کہ تمہیں دوہرا اجروثواب عطا کروں گا۔''وھوالمروی عن ابن عباس وھوالموافق لسیاق القرآن''۔

وعدہ کی وفاواجب ہے

علاوہ دوسرے دلائل کے خوداسی آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ وعدہ کر کے اسے پورا کرنا واجب ہے ارشادقدرت ہے:''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۝۳۴ ''۔عہدو پیمان کی ایفاء کرو۔کیونکہ

(قیامت کے دن) اس کے بارے میں باز پرس کی جائیگی۔(بنی اسرائیل آیت۔ ۳۴)

خدا فرماتا ہے تم مجھ سے کئے ہوئے وعدے پورے کرو۔ میں تم سے کئے ہوئے وعدے پورے کروں گا۔ خدا کا وعدہ ہے کہ تم دعا کرو۔ میں قبول کروں گا۔''اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (سورہ مومن آیت۔۶۰)'' مگر بعض اوقات دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم اس سے کئے ہوئے وعدے پورے نہیں کرتے اس لئے وہ بھی اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا (کذافی عدۃالداعی عن الصادق علیہ السلام)

وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ......الآیة۔

اور دوسرا تقاضا یہ ہے کہ تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ بنی اسرائیل کے علماء واحبار کو ایمان لانے سے سب سے جو بڑا امر مانع تھا وہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے سابقہ دین کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار کر لیا۔ تو عقیدت مندوں کا ہجوم چھٹ جائیگا۔ اور اس طرح ان کا کافی نقصان وزیاں ہوگا۔ خدا فرماتا ہے۔ اس بات سے مت ڈرو۔ البتہ مجھ سے ڈرو۔ جس کے قبضہ قدرت میں تمہارا سود وزیاں اور نفع ونقصان ہے۔ ایک ضعیف وکمزور انسان سے ڈرنے کا کیا مطلب جو ''لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (سورہ فرقان آیت۔ ۳)'' کا مصداق ہے۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ ......الآیة۔

تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اس کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ۔ جو میں نے (اب نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کی تائید کرتی ہے۔ اور تم اس کے اولین منکر نہ بنو۔ یعنی میرے احسانات وانعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم سب سے پہلے ایمان لاتے اور اگر ایسا نہیں کیا۔ تو کم ازکم سب سے پہلے کافر تو نہ بنو۔ تاکہ دوسرے لوگوں کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بن جاؤ۔ ورنہ ان کے کفر کا وبال بھی تمہاری گردن پر ہوگا۔

دوسروں کی نیکی یا گناہ کا سبب بننے والا اس نیکی یا برائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے

اس آیت سے نیز دوسری بہت سی آیات وروایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص کسی نیکی یا بدی کا سنگ بنیاد رکھے وہ اس نیکی یا بدی کرنے والوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ان کے ثواب یا عذاب میں کوئی کمی واقع ہو۔ (بحاالانوار وغیرہ)

وَ لَا تَشْتَرُوْا ...الآیۃ۔

چوتھا تقاضا یہ ہے کہ میری آیتوں کوتھوڑی قیمت (دنیوی مفاد) پرفروخت نہ کرو۔ یہود کے علماء واحبار ایک تو اپنے دنیوی مفاد کیلئے حق وحقیقت اورآیات وہدایات خداندی کا انکار کرتے تھے, دنیوی مفاد کی خاطر اپنی کتابوں میں تحریف اورتغییر کردیتے تھے اورالفاظ وعبارات اور علامات میں ردو بدل کر دیتے تھے۔ جیسا کہ حی ابن اخطب اورکعب بن اشرف کے بارے میں وارد ہے (مجمع البیان)

خدا نے انہیں اس غلط روش سے روکا ہے۔مگراس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہے کہ بہت قیمت پرفروخت کرو۔ بلکہ اس کا صاف وصریح مطلب یہ ہے کہ دین برباد کرکے جتنابڑا دنیوی مفادبھی حاصل کرو گے وہ اس کے مقابلہ میں تھوڑی قیمت متصور ہوگی۔لہٰذاصرف مجھ سے ڈرو (تاکہ فوزوفلاح پاؤ)۔

دین فروشی حرام ہے

اس آیت اوراس جیسی کئی آیات وروایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ دین فروشی کی طرح دین وعبادت کے کاموں جیسے اذان دینے, نماز باجماعت پڑھانے مجالس سیدالشہداءعلیہ السلام پڑھنے اورقرآن ودینیات پڑھانے پراجرت طے کرکے لینا بھی حرام ہے۔اس موضوع کے دیگر تفصیلات ہماری کتاب ''اصلاح المجالس ''اور''اصلاح الرسوم'' میں دیکھی جائیں۔

وَ لَا تَلْبِسُوا......الآیۃ۔

پانچواں تقاضا یہ ہے کہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔اور جانتے بوجھتے ہوئے حق کو نہ چھپاؤ۔ یہود کو چونکہ اس وقت عرب میں مذہب کی نمائندگی کا مقام حاصل تھا لوگ ان سے نبی عربی کی بابت پوچھتے تھے اوروہ بڑے معصومانہ انداز میں کوئی ایسی شوشہ کی بات کہہ دیتے جس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور آپ کا مشن لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہوجائے اپنے وعظوں میں وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ حق پرست بنواورحق کا ساتھ دو۔مگرعملاً جب خودان کیلئے حق کا ساتھ دینے کاوقت آیاتو وہ حق کا ساتھ نہ دے سکے۔(تذکیرالقرآن)

اگرچہ یہ آیتیں (وَ لَا تَشْتَرُوْا...وَ لَا تَلْبِسُوا) بظاہر یہود کے علماء واحبار کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔مگر بموجب المورد لا یخصص الوارد۔اس کی زد میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جواس قسم کی روش و رفتار کا مظاہرہ کرتے ہیں خصوصاً وہ نام نہاد علماء جو اپنے جھوٹے وقار کے تحفظ, دنیوی مال ومتاع کے حصول اور عامۃ الناس کی نگاہوں میں مکرم ومحترم بننے کی خاطر دین پرسودے بازی کرتے ہیں۔دنیا کے عوض دین فروشی

کرتے ہیں اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے سے ہچکچاتے ہیں بلکہ حق و باطل کو آپس میں گڈمڈ کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وَ هُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (سورہ یوسف آیت۔ ۱۵)۔

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ......الآیۃ۔

اس کا چھٹا اور ساتواں تقاضا یہ ہے کہ نماز قائم کرو (جو بدنی عبادات میں سے افضل عبادت ہے) اور زکوٰۃ ادا کرو (جو مالی عبادات میں افضل عبادت ہے) اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ نماز وزکوٰۃ کی اہمیت اور ان کی عظمت پر بقدر ضرورت اسی سورہ کے آغاز میں بذیل آیت ''وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ'' تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ ''وَارۡکَعُوۡا'' میں نماز باجماعت کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اور انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت میں ضم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس کی اسلام میں ایک خاص اہمیت ہے۔

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ......الآیۃ۔

اس آیت میں گو بظاہر تو خطاب یہود کے علماء واحبار کو ہے مگر اس کی زد میں ہر قوم وملت کے وہ سب مذہب کے اجارہ دار بھی آتے ہیں جن کی گفتار و رفتار میں تضاد ہوتا ہے جو زبانی طور پر کہتے کچھ اور ہیں اور عملی طور پر کرتے کچھ اور ہیں۔ الغرض جو صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ کردار کے غازی نہیں ہوتے۔ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ:

''شب معراج میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا۔ جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں جبرائیل سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا:

''ھوء الاء الخطباء من امتك یا مر ون الناس بالبر و ینسون انفسھم'' (یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے مگر اپنے آپ کو بھلائے رکھتے تھے)۔ (مجمع البیان، قرطبیؒ)

ایسے ہی واعظان غیر متعظ کے بارے میں حافظ شیرازی نے کہا تھا۔

وا عظان کیں جلوہ بر محر اب و منبری کنند
چو بخلوت می روند آں کا ر دیگری کنند
مشکلے دا رم ز د انشمند مجلس باز پرس
توبہ فر مایاں چر ار خو د توبہ کمتری کنند

افلا تعقلون ! کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟ بے شک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی

فرائض میں سے ایک بہت بڑا اہم فریضہ ہے مگر اسے موثر بنانے کی شرط اعظم امرونہی کرنے والے کا خود اپنے امرونہی پر کاربند ہوتا ہے کہ جس کام کے کرنے کا دوسروں کو کہے پہلے خود اس پر عمل کرے اور جس کام سے دوسروں کو روکے پہلے خود اس سے رکے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کی بات لوگوں کے دلوں سے اس طرح پھسل جائے گی جس طرح صاف وشفاف پتھر سے بارش کا پانی پھسل جاتا ہے۔ سچ ہے

ما یخرج من القلب یقع فی القلب و ما یخرج من اللسان لم یتجا و ز الا۔ذان

یعنی

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

بہرحال اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جو باعمل نہ ہو وہ دوسروں کو بالکل امرونہی اور وعظ ونصیحت نہ کرے خود عمل کرنا علیحدہ واجب ہے اور دوسروں کو عمل کی تلقین کرنا علیحدہ واجب۔ تو ایک کے ترک کرنے سے دوسرے کا ترک کرنا تو لازم نہیں آتا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ واعظ اور مبلغ کو باعمل وباکردار ہونا چاہیے تاکہ اس کا موعظ اور اس کی نصیحت نتیجہ خیز ثابت ہو۔

وَ اسْتَعِیْنُوْا......الآیۃ

اس کا آٹھواں تقاضا یہ ہے کہ (مشکلات ومصائب کے وقت) صبر (روزہ) اور نماز کے ذریعہ (خدا سے) مدد مانگو۔ اس میں قدرے اختلاف ہے کہ یہ خطاب بنی اسرائیل کو ہی ہے یا اہل اسلام کو؟ فاضل طبرسی فرماتے ہیں کہ اولی یہ ہے کہ اس میں تمام مکلفین کو شامل قرار دیا جائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

صبر سے مراد روزہ ہے۔ فرمایا جب آدمی پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (تفسیر عیاشی وصافی)

اور انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا کہ:

جب کسی شخص کو دنیا میں ہموم وغموم میں سے کوئی ہم وغم لاحق ہو تو وضو کر کے مسجد میں داخل ہو اور دو رکعت نماز پڑھ کر ازالہ غم کی دعا کرے کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا فرماتا ہے۔ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (مجمع البیان وعیاشی)

پس جب نماز وروزہ کا سہارا لے کر پروردگار عالم کی بارگاہ میں رجوع کیا جائے تو اس کی توفیق شامل

حال ہوتی ہے اور مشکلات ومصائب کے دور وکافور ہونے کی کوئی صورت نکل آتی ہے

وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ......الآية۔

مگر یہ نماز یا روزہ سے سہارا لینا' بہت ہی گراں ہے سوائے ان کے جوخشوع وخضوع رکھنے والے ہیں۔یعنی بارگاہ خداوندی میں عاجزی کرنے والے ہیں ارشاد قدرت ہے:''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ '۔وہ اہل ایمان کامیاب ہوں گے جوخشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں(سورہ مومنون آیت۔۱،۲)

خشوع وخضوع کا تعلق دل و دماغ سے ہے مروی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا جس کے اعضاء وجوارح میں سکون وٹھہراؤ نہیں تھا۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حالت دیکھ کرفرمایا۔''لو خشع قلبه لخشعت جوارحه''اگراس کے دل میں خشوع (عجز وانکسار) ہوتا تو اس کے اعضاء میں سکون ہوتا(وسائل الشیعہ)۔

اس خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟اس جوہر گرانمایہ کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازگزار اپنے دل ودماغ میں تصور قائم کرے کہ وہ سلطان السلاطین اور احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑا ہے لہٰذا وہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے یا جو کچھ اعضاء سے کررہا ہے اس کی طرف متوجہ ہواور اس میں غور وفکر کرے اور اس طرح کھڑا ہوجس طرح ایک بندہ ذلیل اپنے مولائے جلیل کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذرؓ سے فرمایا تھا:

''یا اباذر اعبد ربك كانك تراه و ان لم تكن تراه فانه يراك'

''اے ابوذر!اس طرح اپنے پروردگار کی عبادت کرکہ گویا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے''(عین الحیات از علامہ مجلسیؒ)

پھراس کی کرم نوازیوں پر بھی غور کرے اور اپنی کوتاہیوں اور حیلہ سازیوں پر بھی۔نیز اس سلسلہ میں سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی نماز اور ان کے خشوع وخضوع کے واقعات پر بھی نگاہ رکھے اور اپنی ہر نماز کو اس طرح پڑھے کہ گویا یہ اس کی آخری نماز ہے............۔

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ......الآية۔

جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کا سامنا کرنا ہے۔(اس کے حضور پیش ہونا ہے)اورآخرکار اس کی طرف پلٹ کرجانے والے ہیں۔آیت میں لفظ ظن وارد ہے''اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ''۔جبکہ لغوی اور منطقی طور پر کسی

چیز کے دو پہلوؤں میں سے راجح جانب کو ظن اور مرجوح کو وہم کہا جاتا ہے۔ مگر علماء لغت کے نزدیک یہ لفظ متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے بمعنی گمان بھی اور بمعنی علم ویقین بھی جیسے اس شعر میں استعمال ہوئی ہے۔

فقلت ظنوا بالفی مد جج
سر اتھم فی الفا رس المسر د

چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''یوقنون انھم یبعثون و الظن منھم یقین'' جو یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے خدا کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے ان کا ظن بھی یقین ہوتا ہے۔ (توحید، احتجاج، عیاشی)۔

آیات القرآن

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝۴۷ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝۴۸ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۝۴۹ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۲

ترجمۃ الآیات

اے بنی اسرائیل۔ میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہاں کے لوگوں پر فضلیت دی۔ (۴۷) اور اس دن (قیامت) سے ڈرو جب

کوئی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور نہ ہی کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی۔ اور نہ کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔ اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔(۴۸) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی تھی۔ جو تمہیں بدترین عذاب کا مزہ چکھاتے تھے (یعنی) تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو (اپنی خدمت گذاری کیلئے) زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی بڑی سخت آزمائش تھی۔(۴۹) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو شگافتہ کیا (اسے پھاڑ کر تمہارے لئے راستہ بنایا) اور تمہیں نجات دی اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعونیوں کو غرق کر دیا ہے۔(۵۰) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے (تورات دینے کیلئے) چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر تم نے ان کے بعد گوسالہ (بچھڑے) کو (معبود) بنا لیا۔ جبکہ تم ظالم تھے۔(۵۱) پھر ہم نے اس (ظلم) کے بعد بھی معاف کر دیا۔ تاکہ تم شکر گزار بنو (۵۲)

تشریح الالفاظ

(۱) لَا تَجْزِیْ جزاء کا صلہ جب عن ہو تو اس کے معنی فائدہ پہچانے کے ہوتے ہیں

(۲) عَدْلٌ لفظ عدل کے جہاں ایک معنی انصاف کے ہیں وہاں دوسرے معنی مثل اور نظیر کے ہیں۔

(۳) یَسُوْمُوْنَکُمْ یہ سوم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی کو کسی کام کی تکلیف دینا

(۴) الْعِجْلَ اس کے معنی ہیں بچھڑا

تفسیر الآیات

قرآن میں تکرار کی حکمت

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ......الآیۃ

اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو۔۔۔۔۔ چھ سات آیتوں کے بعد پھر سابقہ بات کی

تکرار اوراس طرح قرآن مجید میں بعض چیزوں کی بار بار کی تکرار ان کی تاکید پر دلالت کرتی ہے۔اس بار بار کی تکرار اورتذکر کے اعادہ کی اثر آفرینی ناقابل انکار حقیقت ہے ارشاد قدرت ہے۔''وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ ذاریات آیت۔۵۵)''''بار بار یاد دلاؤ کیونکہ بار بار کی یاددہانی اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔''

وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ......الآیة

چوتھے پارہ میں کنتم خیر امة کی تفسیر میں واضح کیا جائیگا کہ علی الاطلاق خیرالامم ہونے کا اعزاز خداوندعالم نے امت محمدیہ کوعطا فرمایا ہےاور یہاں جو بنی اسرائیل کی عالمین پرافضلیت کا تذکرہ کیا گیا ہےتو وہ انہی چند مخصوص نعمتوں کی وجہ سے ہے۔جوان آیات میں مذکورہیں (جن کو ہم نے اجمالاً آیت نمبر ۴۰ کی تفسیر میں یکجا بیان کردیا ہے) ظاہر ہے کہ کسی کی کسی جزئی افضلیت سے اس کا علی الاطلاق دوسروں سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ بنابریں عالمین کو اپنے اصلی معنوں میں بحال رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اوراگر بالفرض اس افضلیت سے افضلیت مطلقہ مراد لی جائے تو پھر عالمین کی لفظ میں تصرف کرنا پڑے گا اوراس سے بنی اسرائیل کے عہد کے عالمین مراد لینے پڑیں گے۔(تفسیر صافی)

کیونکہ افضلیت مطلقہ کا تاج خداوندعالم نے امت محمدیہؐ کے سر پر رکھ دیا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا......الآیة

اس دن سے مراد عام مفسرین نے قیامت کا دن مراد ہے مگر بعض نے اس سے موت کا دن مراد لیا ہے۔کہ موت کسی طرح بھی ٹل نہیں سکتی (صافی) کسی بھی مجرم کے بچاؤ کے یہی چند طریقے ہوا کرتے ہیں۔ (۱) بدلہ (۲) سفارش (۳) معاوضہ (۴) کسی کی مدد۔خداوندعالم نے یہاں ان سب طریقوں کی نفی کردی ہے۔ جبکہ ایک گنہگار مومن کیلئے ان میں سے بعض طریقوں کا ثابت ہونا مسلم ہے بنابریں تمام مفسرین نے یہاں نفس سے کافر مرادلیا ہے کسی مناسب مقام (جیسے آیۃ الکرسی کی تفسیر میں) شفاعت کا حقیقی مفہوم اوراسلام میں اس کی حیثیت اوراس کے اثبات کی وضاحت کی جائیگی۔انشاءاللہ۔

اس قسم کی بعض آیات کو دیکھ کر جو بعض مسلمان شفاعت کا سرے سے انکار کردیتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار درست نہیں ہے۔کسی بھی موضوع ومسئلہ کے تمام مثبت ومنفی پہلوؤں کا مکمل جائزہ لینے کے بعد کوئی نظریہ قائم کرنا چاہیے یہاں سب سے پہلے اوراہم بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے ان میں سے اکثر وبیشتر مقامات تو وہ ہیں جہاں اس سے کفار ومشرکین مراد ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآن میں

کہیں شفاعت کی نفی کی گئی۔ ہے (جیسے یہ آیت) اور کہیں اس کا اثبات کیا گیا ہے۔ جیسے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (سورہ بقرہ آیت۔ ۲۵۵)''

اب قرآن میں اختلاف تو ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا علماء محققین نے اس ظاہری اختلاف و تنافی کو اس طرح ختم کیا ہے کہ جہاں شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ وہاں خدا کے اذن و اجازت کے بغیر شفاعت مراد ہے اور جہاں اس کا اثبات کیا گیا ہے وہاں اس سے خدا کے اذن و اجازت کے ساتھ شفاعت مراد ہے۔

وَ اِذْ نَجَّیْنٰکُمْ......الآیۃ

یہاں منعم حقیقی نے اپنے ان انعامات کی فی الجملہ تفصیل بیان کرنا شروع کی ہے جن سے اس نے مختلف اوقات میں بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ ان میں سے ایک احسان عظیم یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو فرعون اور فرعونیوں کے بدترین مظالم سے نجات دلائی۔ وہ بدترین عذاب یہ تھا کہ ان سے جبری مشقت کے دشوار ترین کام لئے جاتے تھے کسی سے ذاتی خدمت لی جاتی' کسی سے کھیتی باڑی کرائی جاتی اور کسی سے گارا اور اینٹ کا کام لیا جاتا اور جو کام کرنے کے قابل نہ ہوتا تھا اس سے بھاری بھر کم جزیہ (ٹیکس) وصول کیا جاتا تھا۔ جس کے ادا نہ کرنے پر اسے سخت سزا دی جاتی تھی اور ان سب مظالم میں سے سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جاتا اور بیٹیوں کو خدمت گذاری کیلئے زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔

فرعون کے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سبب

اس سفا کانہ اور بے رحمانہ قتل و غارت کا سبب عام مفسرین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ ایک بار فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس (شام) کی جانب سے آگ کا ایک زبردست شعلہ آیا جس نے مصر کے قبطی خاندان کے تمام گھروں کو جلا کر بھسم کر دیا۔ مگر بنی اسرائیل کے گھروں کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ جب اس نے معبروں اور کاہنوں سے اپنے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے اسے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کے ہاتھ سے تو بھی تباہ ہوگا اور تیری سلطنت بھی برباد ہوگی۔ چنانچہ اس نے احتیاطی تدبیر کے طور پر حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ اس کام کیلئے مخصوص دائیاں مقرر کی گئیں۔ چنانچہ ہزار ہا بچے ناحق قتل کئے گئے مگر اس کے باوجود نہ فرعون ہلاکت سے بچ سکا۔ اور نہ اس کی سلطنت تباہ ہونے سے بچ سکی۔ قادر مطلق نے جس بچہ سے یہ کام لینا تھا' نہ صرف اسے پیدا کیا۔ اور اس کی حفاظت کا انتظام کیا بلکہ خود فرعون کے گھر اس کی تربیت کا اہتمام کیا۔ سچ ہے۔

تد بیر کند بندہ تقد یر کند خندہ

اور بالآخر وہی ہوتا ہے، جو منظور خدا ہوتا ہے (مجمع البیان۔روح المعانی)۔

(۵۱) وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ.....الآیۃ۔

فرعونی حکومت کے مظالم سے نجات دلانے کیلئے خالق کے حکم سے جناب موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کو ہمراہ لے کر مصر کی سرزمین سے نکلے کہ اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کی طرف روانہ ہو جائیں۔ جب فرعون کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر ان کے تعاقب کیلئے نکلا وہ لوگ اتفاق سے شب کی تاریکی میں راستہ بھول کر دریا کے قریب پہنچ گئے تھے کہ پشت سے فرعونی لشکر آ گیا اب یہ لوگ پریشان ہوئے کہ آگے دریا ہے اور پیچھے دشمن کی فوج۔ وحی خداوندی سے جناب موسیٰ علیہ السلام نے تمام قوم کو حکم دیا کہ وہ بلا تامل دریا کی طرف قدم بڑھا دیں ان کے قدم بڑھاتے ہی دریا کا پانی بیچ میں سے پھٹ گیا اس کی بڑی بڑی موجیں دیواروں کی طرح ادھر ادھر کھڑی ہو گئیں اور موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کے ساتھ اس طرف کے ساحل تک پہنچ گئے۔ مگر جب فرعون اپنے لشکر سمیت دریا کے حدود میں پہنچ گیا۔ تو دونوں طرف سے پانی کی موجیں پلٹ پڑیں اور انہوں نے تمام لشکر کو غرق کر دیا۔ (فصل الخطاب)

سچ ہے

غرے کو غرق کرتا ہے دریائے رود میں

بے کس کو رزق دیتا ہے دشمن کی گود میں

یہ ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جو عادت اور نیچر کے خلاف ضرور ہے مگر محال عقلی نہیں ہے جو مسبب الاسباب کی قدرت قاہرہ سے وجود میں آتا ہے۔

لفظ آل کی تشریح

مخفی نہ رہے کہ آل جو آل یؤل سے ماخوذ ہے۔ جس کی اصل اھل ہے اسی وجہ سے آل کی تصغیر اھیل آتی ہے جس کے معنی ہیں کسی کے قریبی رشتہ دار۔ ہاں البتہ استعمال کے مقام میں ان دو لفظوں میں یہ فرق ہے کہ آل کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہیں کوئی دینی یا دنیوی شرف حاصل ہو۔ جبکہ اہل عام ہے۔ اور اہل کے معنی و مفہوم میں اسلامی مسالک میں اختلاف مشہور ہے کہ کچھ مسلمان اس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص قرابتدار مراد لیتے ہیں او کچھ آپ کی بیویاں، کچھ اصحاب مراد لیتے ہیں اور کچھ اس سے امت کے تمام

سچے پیروکار مراد لیتے ہیں تو جو لوگ آل کے آخری معنی مراد لیتے ہیں وہ بڑے شد و مد کے ساتھ اسی آیت (وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ) سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ ہزاروں لوگ جو فرعون کے ساتھ بحر قلزم یعنی بحر احمر میں غرق ہوئے جنہیں خدا نے آل فرعون کہا وہ سب نہ اس کی اولاد تھے اور نہ قریبی رشتہ دار، بلکہ اس کے پیروکار تھے۔ یہ استدلال اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ فرعون کو ایک خاص شخص سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ جس طرح ایران کے ہر بادشاہ کو کسری اور روم کے ہر بادشاہ کو ہرقل اور قیصر حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی' یمن کے بادشاہ کو تبع اور ترک کے بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا۔ تو یہ سارے قبطی پہلے فرعون کی نسل در نسل سے تھے جس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ یہاں بھی لفظ آل اپنے حقیقی معنی قریبی رشتہ دار میں ہی استعمال ہوئی ہے۔

(۵۲) وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى......الآیۃ۔

مفسرین اسلام بیان کرتے ہیں کہ فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت و بربادی کے بعد جب بنی اسرائیل صحیح وسلامت واپس مصر پہنچ گئے تو خدا نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت ان سے تورات اور شریعت کے عطا کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے لئے پہلے ذی القعدہ کی تیس راتیں منتخب کیں' مگر بعد ازاں اس میں بداء واقع ہو گیا اور اس میں ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں شامل کر کے انہیں چالیس راتیں قرار دے دیا (عیاشی و برہان)۔ چنانچہ یہ تفصیل سورہ اعراف میں مذکور ہے:

''وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً'' (اعراف۔آیت۔۱۴۲) اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا اور اسے مزید دس راتوں سے مکمل کیا اس طرح ان کے پروردگار کا وعدہ چالیس راتوں کا ہو گیا۔

اس آیت میں جس کی تفسیر کی جا رہی ہے دونوں میعادوں کا مجموعہ بیان کیا گیا ہے۔

بداء کا مختصر بیان

جس طرح حالات وظروف کی تبدیلی سے شرعی احکام میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے جسے نسخ کہا جاتا ہے اسی طرح حالات وکوائف کے بدلنے سے تکوینی امور میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے اسے بداء کہا جاتا ہے۔ بہر حال جناب موسیٰ علیہ السلام تیس راتوں کا وعدہ کر کے اور اپنی غیبت اور عدم موجودگی کے دنوں میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر کر کے اور قوم کو بتا کے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم

دے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔مگر یہ بداء قوم موسیٰ علیہ السلام کیلئے ذریعہ ابتلاء ہو گیا۔یعنی جب تیس راتوں کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آئے تو سامری نامی شخص کا داؤ چل گیا اور وہ گوسالہ جو اس نے سونے چاندی سے بنایا تھا اور اس میں جبرائیل کے گھوڑے کے سموں کے نیچے والی خاک ڈالی تھی جس پر سوار ہو کر انہوں نے فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں قدم رکھنے کی ترغیب دی تھی اور سامری نے وہ خاک اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی۔اس نے قوم سے کہا کہ جس خدا سے موسیعلیہ السلام کوہ طور پر کلام و مناجات کرنے اور توراۃ لینے کیلئے گئے تھے۔وہ اب واپس نہیں آئیں گے البتہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ خدا خود چل کر تمہارے پاس آ گیا ہے جو یہ گوسالہ ہے۔

باوجودیکہ جناب ہارون علیہ السلام انہیں اس شرک جلی سے منع کرتے رہے مگر قوم نے ایک نہ سنی اور اس کی بہت بڑی تعداد (جو احادیث میں ستر ہزار مروی ہے) اس بچھڑے کو خدا مان کر اس کی پرستش اور پوجا کرنے لگی اور چالیس دن کے بعد جب جناب موسٰیعلیہ السلام واپس تشریف لائے تو قوم کی اکثریت شرک جلی جیسے ظلم عظیم میں گرفتار ہو چکی تھی۔انہوں نے جناب ہارونعلیہ السلام سے پوچھا کہ تمہاری موجودگی میں میری قوم گمراہ ہوگئی؟ انہوں نے کہا ''اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ (سورہ اعراف آیت۔۱۵۰)'' میں نے تو اپنا فرض ادا کیا اور ان کو منع کیا تھا مگر قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا۔اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔تب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اس طرح توبہ کرو کہ ایک دوسرے کو قتل کرو (جس کی تفصیل بعد ازیں آرہی ہے) اس کے بعد خدا نے انہیں معاف کر دیا تاکہ شکر گزاری کریں۔

آیات القرآن

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ
مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ
فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ
بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ
يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (فرعون تم پر ظلم کر رہے تھے تو) ہم نے موسیٰ کو کتاب وفرقان عطا کی تا کہ تم ہدایت حاصل کرو (۵۳) اور (وہ وقت یاد کرو) جب (موسی نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم۔ یقیناً تم نے گوسالہ کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے خالق کی بارگاہ میں (اس طرح) توبہ کرو۔ کہ اپنی جانوں کو قتل کرو۔ یہی (طریقہ کار) تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس صورت میں اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا' نہایت رحم والا ہے۔ (۵۴) اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا اے موسیٰ! اس وقت تک ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ظاہر بظاہر (اعلانیہ) خدا کو دیکھ نہ لیں۔ سو (اس پر) تمہارے دیکھتے بجلی نے تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ (۵۵) پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ کیا تا کہ (اس احسان کے بعد) تم شکر گزار بن جاؤ۔ (۵۶) اور ہم نے (صحراء میں) تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا (اور کہا) کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور ان لوگوں نے (ناشکری کرکے) ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے (۵۷)

تشریح الالفاظ

(۱) اِلٰى بَارِئِكُمْ یہ برء اور بروء سے مشتق ہے جس کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں

(۲) اَلْغَمَامَ اس کے معنی ہیں بادل

تفسیر الآیات

وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی...الآیۃ۔

بعض مفسرین نے کتاب سے تورات مراد لی ہے اور فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والا) سے معجزہ مراد لیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ہی چیز (تورات) کے دو عنوان ہیں اور فرقان کا کتاب پر عطف کرنا گویا موصوف پر صفت کا عطف ہے۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء ۴۸ میں کتاب کو فرقان' ضیاء اور ذکر کہا گیا ہے۔

''وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ''

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی......الآیۃ۔

جب جناب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کی حالت زار دیکھی تو ان کی زجر و توبیخ کی اور انہیں توبہ کرنے کا حکم دیا اور اس دور میں شرک جو ظلم عظیم ہے کی توبہ یہ تھی کہ مجرم کو قتل کیا جاتا تھا جس طرح کہ ہماری شریعت مقدسہ میں بھی بعض گناہوں جیسے قتل عمد ، فساد فی الارض ارتداد فطری اور محصن و محصنہ کے زنا کی توبہ و سزا قتل مقرر ہے اب اس قتل کرنے کا طریقہ کیا تھا؟ اس سلسلہ میں دو قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔

(۱) گوسالہ پرستوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں اور شمشیر بکف ہو کر ایک دوسرے کو قتل کریں چنانچہ اس طرح ہزارہا لوگ تہہ تیغ ہو گئے ابھی کچھ لوگ زندہ تھے کہ خدائے توّاب نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان کو معاف کر دیا اس طرح جو قتل ہو گئے وہ شہید اور جو بچ گئے وہ تائب قرار پائے۔

(۲) جن بارہ ہزار افراد نے جناب ہارون علیہ السلام کی اطاعت کی تھی اور گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا ان کو حکم دیا گیا کہ شمشیر بکف ہو کر گوسالہ پرستی کرنے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے باختلاف روایات کم و بیش دس ہزار افراد کو قتل کیا تب خدا نے ان کو توبہ قبول کی (قمی و صافی)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور تورات لائے اور بتایا کہ میں نے وہاں خدا سے کلام کیا ہے تو قوم نے مطالبہ کیا کہ جب تک ہم روبرو خدا کو نہ دیکھ لیں اور اپنے کانوں سے کلام الٰہی اور اس کی تصدیق نہ سن لیں۔ تب تک آپ کی یہ بات ہرگز نہیں مانیں گے کہ یہ کتاب خدا ہے اور آپ کلیم اللہ ہیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے بڑا سمجھایا کہ خدا ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا (صافی)۔ بلکہ اسے اس کی آیات و آثار سے پہچانا جاتا ہے مگر جب وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے تو جناب موسیٰ۔ نے اپنی کثیر التعداد قوم میں سے انتخاب در

انتخاب کے بعد ستر آدمیوں کو منتخب کیا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ''۔(سورہ اعراف۔۱۵۵)۔ ہماری وعدہ گاہ کی جانب لیجانے کی خاطر موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کیا۔ جو بظاہر ساری قوم سے بہتر و برتر تھے۔ جب ان کو ہمراہ لے کر کوہ طور پر گئے تو ان کو دامن کوہ میں چھوڑ کر خود آگے تشریف لے گئے۔ اور خدا سے مکالمہ فرمایا جس کی آواز ان لوگوں نے بھی سنی۔ مگر اس کے باوجود خدا کے دیدار پر اصرار کیا اور جناب موسیٰؑ نے مجبوراً سوال کیا اس پر خدا نے ازراہ عتاب ان لوگوں پر بجلی گرائی جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اور جناب موسیٰؑ غش کھا کر گر گئے۔ جب جناب موسیٰؑ کو افاقہ ہوا تو عرض کیا۔ بارالہا! جب قوم کہے گی کہ تو نے ہمارے ستر آدمی ہلاک کروائے تو میں اسے کیا جواب دوں گا۔ لہٰذا انہیں زندہ کر تو خدا نے انہیں زندہ کیا تا کہ شکر گزاری کریں۔

اس واقعہ کے نتائج:

اس واقعہ سے کئی امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) خدا کے قہر و غضب کے اس مظاہرہ سے ظاہر ہے کہ خدا کے دیدار کا مطالبہ کرنا ایک امر محال کا مطالبہ ہے جو خدا کی عظمت اور شان ربوبیت کے سراسر منافی ہے اور اس میں دنیا و آخرت کی تفریق بالکل بے جا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔''قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ (سورہ اعراف آیت۔۱۴۳)''۔(اللہ نے) کہا: تو کبھی مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

(۲) معجزہ فعل خدا ہوتا ہے جسے نبی یا وصی کی دعا و استدعا پر خدا اس کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ معجزہ مردہ کا زندہ کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ جو اگرچہ عادت و نیچر کے خلاف ضرور ہے مگر خلاف عقل یا محال عقلی نہیں ہے۔

(۳) جب جناب موسیٰؑ کے دور میں کئی آدمی ایک بار مر کے دوبارہ زندہ ہو چکے ہیں اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۵۹ میں جناب عزیر علیہ السلام کے سو سال تک مرے رہنے اور پھر زندہ ہونے کا واقعہ مذکور ہے تو اگر جناب امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے وقت کچھ لوگ زندہ ہوں تو اس میں کیا تعجب ہے۔ ادل دلیل علی امکان الشئی وقوع الشئی۔ جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''جو کچھ سابقہ امتوں میں ہوا ہے وہ اس امت میں بھی وقوع پذیر ہو کر رہے گا''۔(درمنثور، کنز العمال وغیرہ)۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ......الآية

بنی اسرائیل کے قصہ کے آغاز پر ہم یہود کی مختصر تاریخی روائیداد قلم بند کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ جناب یعقوب علیہ السلام (جن کا لقب اسرائیل ہے) اوران کی اولاد کا اصلی وطن فلسطین شام تھا جس سے وہ جناب یوسف علیہ السلام کی وزارت مصر کے دور میں مصر چلے گئے اور پھر صدیوں تک وہاں بڑے عروج پر رہے۔ چونکہ ان کے مصر چلے جانے کے بعد عمالقہ نے شام پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی تو اب مدتوں کے بعد فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد خدا نے انہیں حکم دیا کہ اپنے وطن جا کر عمالقہ سے جہاد کر کے اپنے اصلی وطن کو ان سے آزاد کراؤ اور وہاں جا کر آزادی اور عزت وعظمت کے ساتھ زندگی گزارو'' و ادخلوا الارض المقدسه ''۔مقدس زمین (شام) میں داخل ہو جاؤ انہوں نے عمالقہ کی قوت اور اپنی کمزوری کا بہانہ بنا کر جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور یہاں تک کہہ دیا'۔(مائدہ آیت۔ ۲۴) آپ اپنے پروردگار کو ساتھ لے کر ان سے جنگ کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں (جس کی تفصیل سورہ مائدہ آیت رکوع ۸ میں بیان کی جائیگی۔انشاءاللہ)

خدا نے ان کو اس حکم عدولی کی یہ سزا دی کہ پورے چالیس سال تک وادی تیہ کے ریگستان میں سرگرداں ہو کر خاک چھانتے رہے اور پریشان پھرتے رہے۔حالانکہ یہ مقام سینکڑوں میلوں تک پھیلا ہوا کوئی بڑا میدان نہیں تھا۔ بلکہ قریبا دس میل مصر وشام کے درمیان ایک صحراء تھا۔ چونکہ خداوند عالم کو ان کا امتحان وابتلا مقصود تھا اس لئے وہ راستہ بھول جاتے۔ چنانچہ دن بھر سفر کرتے اور جب شام ہوتی تو دیکھتے کہ وہ جہاں سے چلے تھے ہنوز وہیں موجود ہیں۔

اس طرح چالیس سال بیت گئے۔ چونکہ میدان تیہ چٹیل میدان تھا جہاں نہ کوئی عمارت تھی نہ کوئی بڑا درخت اور نہ کوئی سائبان۔ نہ کوئی پانی کا چشمہ تھا اور نہ کوئی کھانے کا سامان۔اب چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اس بے سروسامانی کے عالم میں مر مٹ جاتے۔مگر اس حالت میں بھی خدائے مہربان نے اپنی عنایات بے پایاں کا سلسلہ جاری رکھا اور نہ صرف زندگی کی تمام ضروریات بلکہ سہولیات کا بھی اپنی قدرت کاملہ اور اپنے خصوصی لطف وکرم سے انتظام کر دیا۔دھوپ سے بچنے کیلئے ابر کا سائبان بنا دیا۔پیاس بجھانے کیلئے پتھر سے چشمے بہا دیئے۔

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ ...الآية۔

اور بھوک دور کرنے کیلئے من وسلویٰ کا اہتمام کر دیا۔اگر چہ من وسلوی کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں مگر اہل لغت اور اہل تفسیر کی توضیح وتشریح سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ من ترنجبین کی قسم کی ایک

شھد سے بھی زیادہ شریں شکر تھی جو صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک مختلف بوٹیوں پر گر کر جم جاتی تھی جسے یہ اتار لیتے تھے اور سلوی بھونے ہوئے بٹیر کی قسم کی کوئی خاص لذیز غذا تھی۔ جو جزیرہ نمائے سینا کا خاص پرندہ ہے۔ یہ رات کے وقت نازل ہوتا تھا۔ جس سے ان لوگوں کا بآسانی وقت گزر جاتا اور بغیر کسی محنت و مشقت کے خورد و نوش کا سامان ہو جاتا بقول یہ بٹیرے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور ان سے بھاگتے نہیں تھے اور یہ ان کو پکڑ کر ذبح کر کے کھاتے تھے اور بعض آثار کے مطابق قادر مطلق نے کپڑوں کا بطور اعجاز یہ انتظام کیا کہ وہ نہ میلے ہوتے تھے نہ پھٹتے تھے اور بچوں کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتے بھی جاتے تھے۔ (تفسیر قرطبی)۔ واللہ العالم۔

آیات القرآن

وَاِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا
وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ ط
وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ
لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا
يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ
الۡحَجَرَ ط فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ط قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشۡرَبَهُمۡ ط كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ
مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ
لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا
وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى
بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ ط اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ط وَضُرِبَتۡ
عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ ق وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ

كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ‌ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ۝۶۱

ترجمۃ الآیات

اور (یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے کہا کہ اس بستی (بیت المقدس یا اریحا) میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) مزے سے با فراغت کھاؤ۔ (پیو) اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ (بخشش) کہتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور ہم نیکی کرنے والوں کو کچھ زیادہ ہی (ثواب) عطا کرینگے۔ (۵۸) مگر ان ظالموں نے وہ بات (حطّہ) جو ان سے کہی گئی تھی اسے ایک اور بات سے بدل دیا (اور حطۃ کی بجائے حنطۃ کہا) لہٰذا ہم نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر آسمان سے بڑا عذاب نازل کیا۔ (۵۹) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے (خدا سے) پانی مانگا۔ تو ہم نے کہا اپنا عصا چٹان پر مارو جس کے نتیجہ میں بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس طرح ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ (ہم نے کہا) خدا کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک ہی (قسم کے) کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اس لئے آپ اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ (من وسلویٰ کی بجائے) ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے (پیدا کرے) جو زمین اگاتی ہے جیسے ساگ پات، ترکاری، کھیرا، ککڑی، مسور اور لہسن پیاز۔ موسیٰ نے کہا کیا تم کمتر و کہتر چیز لینا چاہتے ہو اس کے بدلہ میں جو برتر و بہتر ہے۔ اچھا شہر میں اتر پڑو۔ بے شک (وہاں) تمہیں وہ کچھ مل جائیگا جو تم مانگتے ہو۔ اور (انجام کار) ان پر ذلت و خواری اور افلاس و ناداری مسلط ہو گئی۔ اور وہ (اللہ کی نشانیوں) کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے (اور یہ اس لئے بھی ہوا) کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے (سرکشی کرتے تھے) (۶۱)

تشریح الالفاظ

(۱) حِطَّةٌ حطہ کے معنی بخشش کے ہیں

(۲) رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ رجز کے معنی عذاب اور گندگی کے ہیں

(۳) لَا تَعْثَوْا یہ عثی اور عثیان سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کفر، فساد یا غرور میں مبالغہ

(۴) یَعْتَدُوْنَ اس کا مصدر اعتداء ہے جس کے معنی تجاوز کرنے کے ہیں اور جب اس کا صلہ علی ہو تو پھر اس کے معنی ظلم ہوتے ہیں

تفسیر الآیات

ادْخُلُوْا......الآیۃ۔

بالآخر اللہ اللہ کر کے بیت المقدس (یا بروایت اریحا نامی بستی) تک پہنچے (جسے عمالقہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے وعدہ کے مطابق خالی کر کے چلے گئے تھے)۔ تو انہیں حکم دیا کہ اس کے باب حِطّۃ سے ''حطّۃ '' (انہیں بخش دے) کہتے ہوئے سجدہ کناں (جھک کر) اس کے اندر داخل ہو جاؤ۔ مگر یہ شریر اس قدر ابتلاء و آزمائش۔ اور رب کریم کی اس قدر نوازشات کے بعد بھی شرارت اور حکم عدولی سے باز نہ آئے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...الآیۃ

دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی اور سجدہ ریزی و گردن جھکا کر داخل ہونے کی بجائے سینوں کے بل گھسٹ کر (مگر گردن تان کر) داخل ہوئے اور حِطّۃ کا مذاق اڑاتے ہوئے حِنْطَةٌ (ہمیں گندم دے) کہا جس کی پاداش میں خدا نے ان شریروں اور ظالموں پر بڑا سخت عذاب نازل فرمایا۔ بعض اخبار و آثار کے مطابق وہ طاعون کی بیماری تھی جس سے ایک ساعت میں ان کے شیوخ و اکابرین سے چوبیس ہزار آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ اور ان کی چھوٹی اولادیں باقی رہ گئیں اس طرح ان لوگوں سے علم و عبادت منتقل ہو گئے۔ (تفسیر مجمع البیان)۔

اور ایک روایت کے مطابق دن کے بعض حصے میں ایک لاکھ بیس ہزار ایسے آدمی طاعون کی بیماری سے ہلاک ہو گئے جن کے بارے میں یہ بات خدا کے علم میں گزر چکی تھی کہ وہ نہ ایمان لائیں گے، نہ توبہ کریں گے

اور نہ ہی ان کی نسل سے کوئی مومن پیدا ہوگا۔(صافی)

فائدہ

کتب فریقین میں حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔''علی باب حطة''۔(عمدة البیان)اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔

''نحن باب حطتکم''۔ہم ہی تمہاری بخشش کا دروازہ ہیں۔(مجمع البیان)

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ......الآیۃ

یہ سب کچھ ان کے فسق و فجور کی وجہ سے ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم کسی قوم پر بلا سبب کوئی عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ یہ سب کچھ ان کے برے اعمال و افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔سچ ہے

''اِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (سورہ رعد آیت۔۱۱)''۔

جب تک بندے اپنی حالت خود تبدیل نہ کریں تب تک خدا بھی ان کی حالت تبدیل نہیں کرتا۔

دعا اور حدیث وغیرہ میں الفاظ کے اندر ردوبدل کرنے کا شرعی حکم؟

دعا اور حدیث وغیرہ میں الفاظ کے اندر ردو بدل کرنے کا شرعی حکم؟۔بنی اسرائیل کے لفظ حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ کے ساتھ بدلنے اور خدا کے ان پر عذاب نازل کرنے کی مناسبت کے پیش نظر بعض بڑے مفسرین جیسے رازی وغیرہ نے یہاں ضمنی طور پر یہ بحث چھیڑی ہے کہ ادعیہ وغیرہ میں الفاظ کا ادلنا بدلنا جائز ہے۔یا نہ؟ ہم بھی یہاں اس بحث کا خلاصہ بیان کئے دیتے ہیں کہ بعض اوقات الفاظ و معانی دونوں مطلوب خدا ہوتے ہیں جیسے اذان اور نماز اور اسکے اذکار اور قرآن اور اس کی آیات و عبارات تو یہاں تو کسی قسم کا تغیر و تبدل قطعاً جائز نہیں ہے اور بزرگان دین سے منقول دعاؤں کی بھی قریباً قریباً یہی کیفیت ہے کہ وہاں بھی الفاظ کو خواص کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔جس کی رعایت کرنا ضروری ہوتی ہے دعائے غریق کے بارے میں وارد ہے کہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص ہر نماز کے بعد ایک بار دعاء غریق پڑھے گا اس کا ایمان سلامت رہے گا''۔

راوی نے پوچھا: وہ دعا غریق کیا ہے؟

فرمایا یہ ہے۔

''یا الله یا رحمن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك''۔

راوی نے اسے دہرایا تو یوں پڑھا ''یا مقلب القلوب والا بصا ر''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایقینا خدا ملقب القلوب و الا بصا ر ہے مگر تو اس طرح پڑھ جس طرح میں کہہ رہا ہوں ''یا مقلب القلوب''۔(مفاتیح الجنان وغیرہ)۔

اور جہاں اصل مقصد صرف معنی و مفہوم ہوتا ہے الفاظ نہیں ہوتے جیسے اخبار و آ ثار تو وہاں ایک زباں دان رمز شناس اور ماہر کلام شخص کیلئے بنا بر اشہر و اظہر حدیث کا نقل بالمعنی کرنا جائز ہے اگر چہ اصل الفاظ کے ساتھ نقل کرنا افضل و اولیٰ ہے ''لان رب راوللحدیث یر وی الی من افقه منه''۔الفاظ میں اس قسم کا ردو بدل کرنا جس سے اصل مطلب ہی بدل جائے وہ بہر حال حرام اور نا جائز ہے۔رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ جب ایک لفظ بدلنے والوں پر خدائے قہار نے عذاب نازل فرمایا تو ان دین فروش لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو اس کے دین کے عقائد کو تبدیل کرتے ہیں' اعمال کو خراب کرتے ہیں اور معاملات کو بر باد کرتے ہیں الغرض وہ خود گمراہ ہیں ہی اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى......الآیة

یہاں خداوند عالم ان بعض واقعات کی تفصیل بیان فرما رہا ہے جو وادی تیہ میں پیش آئے جن میں سے بعض کا ہم اجمالاً تذکرہ کر چکے ہیں ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس وادی (جز یرہ نمائے سینا) میں چونکہ پانی دستیاب نہیں تھا۔جب ان لوگوں کو پیاس لگی اور جناب موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا تو جناب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے خدا سے پانی طلب کیا تو خدا نے حکم دیا کہ چٹان پر اپنا عصا مار و جب انہوں نے ایسا کیا تو اس سے بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔جن سے ہر قبیلہ نے سیراب ہو کر پانی پیا اور پھر یہ سلسلہ وادی تیہ کے دوران قیام برابر جاری رہا کہتے ہیں کہ وہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے۔

پادری ڈین اسٹینلے (Dena Stanley) نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کیلئے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو ''Siniperstine'' کے نام سے شائع کیا۔اس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔''یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے اس میں شگاف اور دراڑ جا بجا پڑے ہوئے ہیں۔'' سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کیلئے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے یہ اشارہ انہی شگافوں کی طرف ہے۔ص ۳۸۔۷ ۳۔(بحوالہ تفسیر ماجدی)

واضح رہے کہ جناب یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے اور ہر ایک کی اولاد کا ایک ایک قبیلہ تھا ان کو

انتظامی معلاملات میں علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا تھا سب کے حاکم اور افسر بھی الگ الگ تھے۔ اس لئے بارہ چشمے نکلے تھے اور ہر چشمہ سے ایک قبیلہ پانی پیتا تھا۔ ارشاد ہوا کھاؤ یعنی من وسلوی اور پیو یعنی اس چشمہ کا پانی مگر زمین میں فساد نہ پھیلاؤ یہ بھی جناب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جو مجرائے طبیعی اور نیچر کے ضرور خلاف ہے۔ مگر عقل کے خلاف نہیں ہے اور قادر مطلق کی قدرت سے خارج نہیں ہے اور اس کا انکار کرنا جہل و نادانی اور بے ایمانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی......الآیۃ۔

اس وقت کو یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے پروردگار سے کہیے کہ ہمارے لئے ساگ پات، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گہیوں مسور اور لہسن و پیاز پیدا کرے جس کا خدا نے وہ جواب دیا جو قرآن میں مذکور ہے کہ تم کمتر و کہتر چیز لینا چاہتے ہو اس کے بدلہ میں جو بہتر و برتر ہے یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک غذا کھاتے کھاتے اس کا جی بھر جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ وہ جن حالات سے دوچار تھے وہ انہی لوگوں کی سرکشی اور بے راہ روی کا نتیجہ تھے کہ خدا نے فرمایا تھا اب چالیس سال تک یہیں سرگردان و پریشان پھرتے رہو۔ تم پر ارض مقدس میں داخلہ حرام ہے۔ تو ان حالات میں جو کچھ مل رہا تھا وہ بھی غنیمت تھا انہیں صبر و شکر کے ساتھ اس پر اکتفا کرنا چاہیے تھا نہ یہ کہ یہ ناز و نخرے کرتے۔ اور مختلف کھانوں کی فرمائشیں کرتے۔ بہرحال جناب موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ یہ چیزیں یہاں کہاں؟ کسی شہر میں جا کر اترو۔ وہاں تمہیں وہ مل جائیگا جو تم مانگ رہے ہو۔ مگر ابھی تم کس طرح جا سکتے ہو۔ تم تو ہنوز یہاں سزا بھگت رہے ہو۔

یہود کی ذلت ومسکنت کا تذکرہ

وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ......الآیۃ۔

اور سب کچھ بلا وجہ نہیں ہوا بلکہ اس لئے ہوا کہ وہ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اور انبیاء جیسے جناب شعیب علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور یحیٰی و امثالھم کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ذلت و مسکنت کا مفہوم یہ ہے کہ یہود جس قدر بھی سرمایہ دار بن جائیں وہ جہاں بھی ہوں گے اقوام عالم کی نگاہ میں ذلیل ہی سمجھے جائیں گے جس کا مشاہدہ شاہد ہے اور ان کے چند افراد چاہے جس قدر مالدار ہو جائیں ان کے عوام دوسری اقوام عالم سے زیادہ غریب و نادار ہی ہوں گے۔ اور بقول علامہ سید علی نقیؒ واقعہ یہ ہے کہ ایک سود خوار قوم کتنی ہی دولت مند یا پامردی پامردی ہمسایہ کی حکومت کی بھی مالک ہو جائے پھر بھی دنائت نفس اور محتاجی کے احساس سے بلند نہیں

ہوسکتی (فصل الخطاب)۔

بعض مفسرین نے اس مسکنت سے قلبی مسکنت مراد لی ہے۔ کہ یہود کو خدا کی وہ مار ہے کہ وہ سرمایہ دار ہوتے ہوئے بھی فقیر القلب ہوتے ہیں اور حرص ولالچ کی وجہ سے وہ محتاج ہی رہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''الغنى غنى النفس'' (تونگری تو دل کی تونگری ہے) مجمع البیان

مگر کوئی یہودی دل کا تونگر نظر نہیں آتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

تو نگری بدل است نہ بمال
بزرگی بعقل است نہ بسال

یہود کی اس ذلت ومسکنت کی مزید وضاحت ہم ایک دوسری متعلقہ آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے اور وہ یہ ہے ''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ'' (آل عمران آیت۔ ۱۱۲)۔ اور وہیں حبل من اللہ اور حبل من الناس کی بھی پوری توضیح وتشریح کی جائیگی۔ کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس استثناء کا کیا مفہوم ہے فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۶۳ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۴

ترجمة الآیات

بے شک جولوگ مومن، یہودی، نصرانی اور صابی (ستارہ پرست) کہلاتے ہیں۔ (غرض) جو کوئی بھی (واقعی) اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ تو ان (سب) کیلئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر وثواب (محفوظ) ہے اور ان کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے (۶۲) اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے (کوہ) طور کو تم پر اٹھا کر (اور لٹکا کر) یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے (تورات) اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو (اس پر عمل کرو) تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (۶۳) پھر تم اس (پختہ عہد) کے بعد پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا خاص فضل و کرم اور اس کی خاص رحمت نہ ہوتی تو تم سخت خسارہ (گھاٹا) اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے (۶۴)

تشریح الالفاظ

(۱) وَالصّٰبِئِیْنَ یہ صابی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ستارہ پرست

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......الآیة۔

کچھ خوش فہم، وسیع المشرب اور ہر دلعزیز بننے کے شائق لوگ جو وحدت ادیان کے قائل ہیں وہ بمو جب کلمة حق یرادبها الباطل بڑے شد و مد کے ساتھ اس آیت مبارکہ سے اپنے زعم باطل پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ اخروی فوز و فلاح کیلئے دین اسلام کو یا خدا کو عادل یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت یا اہل بیت علیہم السلام کی امامت کو ماننے کی کوئی شرط نہیں ہے بس اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنا اور نیک عمل کرنا کافی ہے ایسے ہی لوگوں پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

قل للذی یدعی فی العلم فلسفة
حفظت شیئاً و غابت عنك اشیاء

ایسے لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے بنابریں اگر اخروی فوز وفلاح اور نجات کیلئے صرف خدا وآخرت کے دن پر ایمان رکھنا اور نیک عمل کرنا کافی ہو تو پھر ان سب آیات کا کیا کیا جائیگا جن میں کہیں خدا کو عادل جاننے کہیں پیغمبر اسلام کو نبی اور خاتم الانبیاء ماننے کہیں اہل بیت نبوت' سے بطور اجر رسالت محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ بنابریں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس آیت میں خداوندعالم نجات کے تمام ٹھیکیداروں اور جنت کے اجارہ داروں کو دعوت عام دے رہا ہے کہ تم کہتے ہو جنت میں وہ جائیگا جو یہودی ہوگا یا جو نصرانی ہوگا۔ یا۔ یا۔ یا۔

ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی خدا وآخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ جنت کا مستحق قرار پائے گا۔ وہ خواہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی وغیرہ۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ایمان باللہ کیا ہے اور اس کا تقاضا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائیگا وہ اس کی صفات جلال و جمال پر بھی ایمان لائے گا اور اس کی صفات کمال میں سے ایک عظیم صفت اس کا عادل ہونا بھی ہے اور یہ وہ قطب آسیا ہے جس کے اردگرد سارے دین کی چکی گھومتی ہے۔

اور جب خدا اور اس کی عدالت پر ایمان لائے گا تو اس کے کلام کو بھی مانے گا۔ اور جب وہ فرمائے گا کہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' تو پھر ان کی نبوت پر بھی ایمان لانا پڑے گا اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مانے گا تو پھر ان کے فرمان 'من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کو ولی و امام بھی ماننا پڑیگا۔ اور قیامت کا ذکر تو صراحتاً آ گیا اور یہی تو اصول ایمان ہیں اور جب ان کے ساتھ واجبات شرعیہ پر عمل کرے گا اور محرمات الٰہیہ سے دامن بچائے گا تو پھر بموجب وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (بقرہ۔۸۲) ایسے ہی لوگ جنت الفردوس میں جائیں گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ ازل سے ابد تک دین ہمیشہ ایک رہا ہے اور شریعت' منہاج اور نسک یعنی احکام اور طریقہ ہائے عبادت اور طرز بودوماند حالات وظروف اور لوگوں کے بدلنے سے بدلتے رہے ہیں مگر ہر دین کے اصول ہمیشہ تین رہے ہیں توحید' نبوت' اور قیامت اور جب سب ادیان کے آخر میں دین اسلام اپنے مخصوص احکام ونظام کے ساتھ آ گیا تو اب خداوندعالم نے واضح اعلان کر دیا ہے کہ

''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ'(سورہ آل عمران آیت۔۱۹)

(جو دین خدا کا پسندیدہ اور اس کے نزدیک قابل قبول اور نجات کا ضامن دین ہے وہ صرف اسلام ہے)

مزید براں دوٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا کہ:

''وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ''(سورہ آل عمران آیت۔۸۵)
جو شخص دین وشریعت اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی اور دین کو اختیار کرے گا اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا (اور اسے آخرت میں نقصان وزیاں اٹھانا پڑے گا)

ان حقائق سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوگئی کہ اُخروی فوز وفلاح حاصل کرنے اور جنت الفردوس میں داخل ہونے کیلئے دین اسلام اختیار کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ والحمد للہ۔

مخفی نہ رہے کہ صائبہ ایک قوم ہے جو خدا وآخرت اور بعض انبیاء کا اقرار کرتی ہے مگر اس کا عقیدہ ہے کہ ستارے خیر وشر اور صحت ومرض وغیرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لئے وہ ستارہ پرستی کرتی ہے۔ اور سب سے پہلے ستارہ پرستی کا ارتکاب نمرود کی قوم نے کیا تھا۔ جن کی طرف جناب خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کو بھیجا گیا تھا۔ (تفسیر کاشف)۔

اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ......الآیۃ۔

جب جناب موسیٰ تورات لے کر کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کو بتایا کہ میں خدا کی جانب سے تورات لایا ہوں جو تمہارے لئے ذریعہ ہدایت اور منارۂ نور ہے اور اس میں حلال وحرام کے احکام ہیں تو انہوں نے اس کا انکار کیا تب خدا نے کوہ طور کو ان پر بلند کیا۔ (جس کی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہے) اور ان سے اسکے تسلیم کرنے پر ہر قلبی وبدنی قوت وطاقت سے عمل کرنے کا عہد وپیمان لیا۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ جب دین میں جبر نہیں ہے تو پھر خدا نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایسا کرنے سے جہاں خدا کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے وہاں ان لوگوں کو فی الجملہ خوفزدہ کرنا مطلوب بھی ہے۔ مگر اس سے وہ جبر واکراہ لازم نہیں آتا جس سے انسان کا اختیار سلب ہو جائے اگر خدا ایسا کرتا تو پھر دنیا جہاں میں کوئی بھی کافر نظر نہ آتا سب ایمان لے آتے ''وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّہُمۡ جَمِیۡعًا ''(سورہ یونس آیت۔۹۹)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سختی ایمان لانے پر نہ تھی بلکہ پہلے اقرار کر کے اب بغاوت ظاہر کرنے اور اسے کچلنے کیلئے یہ کاروائی کی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ کسی بھی حکومت کے باغی کیلئے دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ (۱)۔

اطاعت (۲)۔ یا پھر قتل

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ ......الآية

ان لوگوں کی ڈھٹائی اور بے حیائی قابل دید ہے کہ اس قدر تاکید اور اہتمام وانتظام کے باوجود اس عہد و پیمان سے منحرف ہو گئے سچ ہے۔

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

پھر خدا کا فضل وکرم ان کے شامل حال ہو اور نہ خسارا اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا
بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا
تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً تمہیں ان لوگوں کا تو علم ہے جنہوں نے تم میں سے یوم السبت (ہفتہ کے دن) کے بارے میں زیادتی کی۔ (اور اس دن شکار کر کے قانون شکنی کی) تو ہم نے ان سے کہا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ (۶۵) پس ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کیلئے (سامان) عبرت اور پرہیز گاروں کیلئے نصیحت بنا دیا (۶۶) اور (اس وقت

کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ کہنے لگے آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں فرمایا میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کی میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔(۶۷) انہوں نے کہا ہماری خاطر اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ گائے کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ نہ بالکل بوڑھی ہو اور نہ بالکل بن بیاہی بچھیا۔ بلکہ ان دونوں کے بین (اوسط عمر کی ہو) جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اسکی تعمیل کرو (۶۸) کہنے لگے کہ ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ ایسے شوخ گہرے زرد رنگ کی ہو کہ دیکھنے والے کا جی خوش کر دے (۶۹)

تشریح الالفاظ

(۱) قِرَدَۃً — القرد کے معنی ہیں بندر

(۲) خٰسِئِیْنَ — یہ خسأ اور خسوٗ سے مشتق ہے جس کے معنی دھتکارنے کے ہیں

(۳) فَارِضٌ — اس کے معنی پرانے اور موٹے کے ہیں

(۴) عَوَانٌ — اس کے معنی ادھیڑ عمر کے ہیں

تفسیر الآیات

یوم السبت کی حرمت پائمال کرنے کے نتیجہ میں ایک قوم کے مسخ ہونے کا تذکرہ

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ......الآیة۔

شریعت موسوی میں یوم السبت (بروز سینچر) خاص عبادت اور ذکر الٰہی کا دن تھا۔ اس دن ان کیلئے دنیا کا کاروبار اور شکار کرنا اس قدر حرام اور سخت ممنوع تھا کہ اس کی خلاف ورزی کرنے کی سزا قتل تھی۔ مگر کچھ لوگوں نے یہ حیلہ سازی اور فریب کاری کی کہ جمعہ کے دن دریا کے کنارے گڑھے کھودتے اور پھر چھوٹی چھوٹی نالیوں

کے ذریعہ انہیں دریا سے ملاتے اس طرح ہفتے کے دن مچھلیاں ان گڑھوں میں جمع ہو جاتیں اور اتوار کے دن وہ ان کا شکار کرتے یعنی ان کو پکڑ لیتے۔ اس حیلے بہانے سے ان لوگوں نے خدا کے حکم کو بے اثر بنا دیا۔ ان کی اس ناشائستہ حرکت پر خداوند عالم ان پر اس قدر غضبناک ہوا کہ ان کو مسخ کرکے بندر بنا دیا احادیث میں وارد ہے کہ جس مخلوق کو خدا مسخ کرتا ہے وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتی بلکہ ہلاک ہو جاتی ہے اور نہ ہی آگے اس کی نسل چلتی ہے البتہ خدا اس کی شکل و صورت پر اور مخلوق پیدا کرتا ہے (خصال شیخ صدوق)

اس طرح خدا نے ان لوگوں کو ذلیل و رسوا کرکے ہلاک و برباد کر دیا۔ قرآن کے انداز بیان ''تمہیں معلوم ہیں وہ..........لوگ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت اس واقعہ کا یہود میں چرچا تھا۔ خدا نے اس واقعہ کو اس عہد اور بعد میں آنے والوں کیلئے سزا اور درس عبرت قرار دیا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے احتراز کریں ورنہ ان کے ساتھ بھی ایسا سلوک ہو سکتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ بعض جدید مفسرین نے اس مسخ کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی طبعی اور اخلاقی حالت بندروں جیسی ہو گئی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسخ ہوئے تھے۔ جیسا کہ قرآن کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے اور اخبار و آثار سے بھی یہی واضح و آشکار ہوتا ہے پھر تاویل کی کیا ضرورت؟ یہ واقعہ کہاں واقع ہوا؟ قرآن میں تو صراحت نہیں مگر بعض روایات سے دریا کے کنارے ایلہ نامی بستی کا نام ملتا ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

یہ واقعہ کس دور میں رونما ہوا؟ مشہور یہ ہے کہ جناب داؤد کے زمانہ میں ہوا۔ اس واقعہ ہائلہ سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف حیلوں بہانوں سے شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے ہاں البتہ بعض فقہی حیلے ایسے میں ہیں جن کا شرعی نقطہ نگاہ سے جواز ثابت ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی......الآیة

اس قصہ کی شان نزول میں دو روایتیں ملتی ہیں

ایک یہ کہ بنی اسرائیل کے ایک نیکوکار آدمی کو اس کے ناہنجار، چچازاد بھائی نے جائیداد کے لالچ میں قتل کر دیا اور پھر اسکی لاش کو دوسرے گروہ کے دروازہ پر ڈال دیا اور خود اسکے خون کا مدعی بن بیٹھا۔ (عیاشی از حضرت امام رضا علیہ السلام)

دوسری یہ کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ جس کے باپ سے پہلے اسکے چچا زاد نے رشتہ طلب کیا مگر لڑکی کے باپ نے انکار کر دیا۔ پھر بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی نے رشتہ طلب کیا تو

لڑکی کے باپ نے ہاں کر دی۔ جس پر پہلے شخص نے مشتعل ہو کر لڑکی کے باپ کو قتل کر دیا۔ اور پھر اس کے خون کا مدعی بن بیٹھا (مجمع البیان از حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام)۔

الغرض اس غیر معمولی واقعہ سے شورش بپا ہو گئی لوگ ایک دوسرے پر اس قتل کا الزام لگانے لگے۔ بالآخر جناب موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں رجوع کیا گیا تو انہوں نے بظاہر تو اس قتل کا معمہ حل کرنے کیلئے خدا کے حکم کے مطابق ان کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو مگر دراصل اس مخصوص گائے کے مالک کو مالی فائدہ پہنچانا مقصود تھا جو صالح تھا اور اپنے باپ سے بڑا اچھا سلوک کرتا تھا جس کا یہ عمل خدا کو بہت پسند آیا تھا۔ چونکہ قتل کا یہ معمہ حل کرنے میں حسب ظاہر گائے ذبح کرنے کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے قوم نے کہا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں فرمایا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں سے ہو جاؤں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاق اور تمسخر کرنا جاہلوں کا شیوہ و شعار ہے۔

بہر حال پھر قوم نے وہ سوال و جواب شروع کیا جس کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے کہ اپنے پروردگار سے درخواست کریں کہ وہ کھول کر بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟۔ بالآخر ان صفات کی گائے بنی اسرائیل کے اسی صالح جوان آدمی کے ہاں سے ملی جسے بڑی بھاری بھر کم قیمت ادا کر کے خریدا گیا۔ اور جب اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا گیا تو وہ بحکم پروردگار زندہ ہو گیا۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اس نے اپنے چچا زاد کا نام بتایا (جو اس کے خون کا مدعی بنا بیٹھا تھا) اور کہا جن کو میرے قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے وہ بے قصور ہیں چنانچہ اصلی قاتل کو قتل کر دیا گیا۔ (قمی و نور الثقلین)

ضروری وضاحت

متعدد روایات میں وارد ہے کہ جب بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو (جیسا کہ ''بقرة'' کی تنکیر سے بھی واضح ہے) اگر وہ لوگ کوئی سی گائے ذبح کر دیتے اور کٹ حجتیوں سے کام نہ لیتے تو اس سے مطلب براری ہو جاتی۔ مگر ان کے بلا جواز سوال و جواب اور ان کی کٹ حجتیوں نے ان کا قافیہ حیات تنگ کر دیا۔ اور آخر کار قرعہ فال ایک ایسی گائے پر پڑا جو ہزاروں میں ایک تھی اور جب اسکی قیمت طے کرنے کا مرحلہ پیش آیا تو اسی گائے کی کھال بھر سونا ادا کرنا پڑا جو ان کی اس غلط روش کی سزا تھی وہ تو حیلوں بہانوں سے اس حکم کو ٹالنا چاہتے تھے مگر خدا نے کافی و شافی جواب دے کر ان کو طوعاً و کرہاً تعمیل پر آمادہ کر دیا ''وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ'' (سورہ بقرہ آیت ۷۱) جب کہ وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اس میں یہ درس پوشیدہ ہے کہ آدمی کو لایعنی قیل و قال اور غلط جواب و سوال سے احتراز کرنا چاہیے اور ہر بات کو بنی اسرائیل کی گائے نہیں

بنانا چاہیے اور ایسا کر کے خواہ مخواہ اپنے لے قافیۂ حیات تنگ نہیں کرنا چاہیے واللہ الموفق۔

آیات القرآن

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ۝۷۰ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۝۷۱ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝۷۲ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۷۳ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝۷۴

ترجمۃ الآیات

وہ بولے ہماری طرف سے۔ اپنے پروردگار سے عرض کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو چونکہ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے؟ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم (اس گائے تک) صحیح راستہ پا جائیں گے (۷۰) (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا وہ (پروردگار) فرماتا ہے کہ ایسی گائے ہے جو سدھائی ہوئی نہیں ہے۔ نہ زمین کو جوتتی ہے اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے۔ وہ صحیح سالم اور بے عیب ہے (اور ایسی یک رنگی ہے کہ) اس میں کوئی داغ دھبہ نہیں ہے اس پر پکار اٹھے۔ اب آپ ٹھیک بات لائے غرض اب انہوں نے اسے ذبح کیا جبکہ وہ ایسا کرتے معلوم نہیں

ہوتے تھے (۷۱) اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔ اور پھر اسکے بارے میں باہم جھگڑنے لگے (ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے) اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے (۷۲) (اس لئے) ہم نے کہا کہ اس گائے کا کوئی ٹکڑا اس مقتول کی لاش پر مارو) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو (۷۳) (اے بنی اسرائیل) پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کے خوف وخشیت سے گر پڑتے ہیں۔ اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے غافل (بے خبر) نہیں ہے (۷۴)

تشریح الالفاظ

(۱) لَا ذَلُوْلٌ ذلول کے معنی جلد رام ہونے والی یعنی سدھائی ہوئی

(۲) ثُمَّ قَسَتْ یہ قسو اور قساوت سے مشتق ہے جس کے معنی سخت اور ٹھوس ہونے کے ہیں

تفسیر الآیات

كَذٰلِكَ يُحْيِ ......الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسب الحکم ان لوگوں نے گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا تھا اور اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام ونشان بتایا تھا خدا اسی طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے وہ قادر مطلق ویسے بھی قاتل کا نام بتا سکتا تھا اور گائے کا ٹکڑا مارے بغیر بھی مقتول کو زندہ کر سکتا تھا۔ مگر ایسا نہ کیا اور گائے ذبح کرائی اسکے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت پوشیدہ ہوتی ہے جس کا جاننا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے اور یہاں تو پھر بھی حدیثوں سے پتہ چل گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے صالح جوان کو مالی فائدہ پہنچانا مقصود تھا۔ نیز اس طرح جناب موسیٰ کی صداقت کا معجزہ دکھانا مطلوب تھا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ......الآیۃ۔

چاہیے تو یہ تھا کہ سابقہ آیات بینات' معجزات قاہرات اور خدا کی قدرت اور حضرت موسیٰ کی صداقت کی یہ نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کے دل نرم اور ایمان پختہ ہو جاتے مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ ان کے دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ انسان بھی ایک عجیب طرفہ معجون ہے جب ترقی کرنے پر آجاتا ہے تو مخدوم ملائکہ بن جاتا ہے۔

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اور جب تنزل پر بضد ہو جاتا ہے تو پھر حیوانوں سے بلکہ پتھروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ ''او'' کا لفظ جس کے معنی عموماً اردو میں ''یا'' کے کئے جاتے ہیں جب خدا کے کلام میں آجائے تو وہاں اظہار شک کیلئے نہیں ہوتا۔ بلکہ ''بلکہ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے کہ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے گویا پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یا جیسے اس آیت میں ''وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ۝١٤٧'' ۔ہم نے ان (یونس) کو ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا (سورہ صافات آیت۔ ۱۴۷)۔ جیسے ''قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى'' دو کمان بلکہ اس سے بھی کم (سورہ نجم آیت۔۹)۔ بعد ازاں خدائے حکیم نے ان کے دلوں کے پتھر سے زیادہ سخت ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ پتھر میں تکوینی طور پر اثر پذیری کی تین خصوصیات پائی جاتی ہیں

(۱) وہ پھٹ جاتا ہے پھر کبھی اس سے زیادہ پانی نکلتا ہے جس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔

(۲) کبھی اس سے تھوڑا پانی نکلتا ہے۔

(۳) پتھر جلال الٰہی سے گر پڑتے ہیں پتھر کے پہلے دو اثر تو مشاہدہ سے ثابت ہیں باقی رہ جاتی ہے۔

تیسری خاصیت کہ پتھر خوف خدا کے زیر اثر نیچے بھی آپڑتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ جمادات میں بھی اس قدر حس ہو جس کا ہمیں احساس نہیں ہے جس طرح ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے'' وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ '' (سورہ بنی اسرائیل آیت۔ ۴۴) مگر ہمیں اس کا شعور نہیں ہے مگر ان کے دل ایسے سخت ہیں کہ ان پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوتا نہ کلام خدا کا اور نہ معجزات انبیاء کا۔ پتھروں سے تو پھر بھی تھوڑا یا زیادہ لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہے مگر ان کے دل ایسے ہیں کہ نہ ان سے کسی اور کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ خود انہیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں لطف یہ ہے کہ خود بنی اسرائیل پتھروں کے بعض مناظر (جیسے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹنے کے) بچشم خود دیکھ بھی چکے تھے۔ سچ ہے۔

''وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (سورہ یونس آیت۔۱۰۱)''۔

آیات القرآن

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ
اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝۷۵ وَاِذَا لَقُوا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ۝۷۶ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۝۷۷
وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
یَظُنُّوْنَ۝۷۸ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ
هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ
اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ۝۷۹

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی گذرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اسے سمجھنے کے بعد دیدہ دانستہ اس میں تحریف (ردوبدل) کردیتا تھا (۷۵) اور (یہ منافق لوگ) جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان (مسلمانو) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے (توراۃ) میں تم پر ظاہر کی ہیں تاکہ وہ انہیں تمہارے پروردگار کے حضور تمہارے خلاف بطور حجت پیش کریں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (۷۶) کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے

جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں (۷۷) اور ان (یہود) میں کچھ ایسے ان پڑھ بھی ہیں جو بے بنیاد امیدوں اور جھوٹی آرزوؤں کے سوا کتاب (تورات) کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے) اور وہ صرف خام خیالیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ (۷۸) سو خرابی و بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے (جعلی) کتاب (تحریر) لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (دنیوی فائدہ) حاصل کریں پس خرابی ہے ان کیلئے ان کے ہاتھوں کی لکھائی پر اور بربادی ہے ان کیلئے ان کی اس کمائی پر (۷۹)

تشریح الالفاظ

(۱) لِيُحَآجُّوْكُمْ یہ حجاج اور محاجہ سے مشتق ہے جس کے معنی جھگڑا کرنے کے ہیں

(۲) اُمِّيُّوْنَ یہ امّی کی جمع ہے جس کے عام معنی تو ان پڑھ اور بے پڑھے لکھے کے ہیں مگر اس کے ایک دوسرے معنی ام القریٰ یعنی مکہ کا رہائشی بھی ہیں

(۳) اَمَانِيَّ یہ امنیہٌ کی جمع ہے جس کے معنی آرزو اور خواہش کے ہیں ٦

تفسیر الآیات

اَفَتَطْمَعُوْنَ ......الآیۃ۔

مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہ استفہام انکاری ہے کہ کیا ان حالات میں بھی تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لائیں گے۔ جبکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہو گزرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اسے سمجھنے کے بعد دیدہ دانستہ اسمیں تحریف کر دیتا تھا۔

تحریف کا مفہوم اور اس کی قسمیں

تحریف (ردوبدل) کی دو قسمیں ہیں (۱) لفظی کہ الفاظ میں اس طرح ردوبدل اور ترمیم کرنا کہ جس سے معنی و مفہوم بدل جائے (۲) معنوی کہ الفاظ کے صاف وصریح مطلب کی غلط تاویل کر کے اسے کہیں سے کہیں لے جانا۔ یہاں دونوں قسم کی تحریف مراد ہو سکتی ہے۔ اگرچہ من بعد ما عقلوہ۔ کہ لفظ معنوی تحریف

سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

''فی ھذہ الا یۃ دلا لۃ علی عظم الذنب فی تحریف الشرع وھو عام فی اظھار البدع فی الفتاوی و القضایا وجمیع امور الدین۔ اس آیت سے شریعت میں تحریف کرنے کے گناہ کی سنگینی پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے عام اس سے کہ وہ تحریف بدعتوں کا اظہار کر کے کی جائے یا غلط فتوی دے کر یا غلط فیصلہ کر کے یا باقی شرعی امور میں ردوبدل کر کے'' (مجمع البیان)

بلکہ ایسے ضال ومضل لوگوں کی غوایت وگمراہی کا اثر صرف ان کی ذات یا ان کے عہد کے لوگوں پر ہی نہیں پڑتا۔ بلکہ آنے والی نسلوں پر بھی پڑتا ہے۔ کما لا یخفی۔

منافقین یہود کی بعض کارستانیوں کا تذکرہ

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ......الآیۃ

یہاں سے یہود کے منافقین کا حال شروع ہورہا ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ قرآن مجید میں سب انبیاء سے زیادہ ذکر حضرت موسی علیہ السلام کا ہوا ہے اور تمام امتوں سے زیادہ تذکرہ ان کی امت (بنی اسرائیل) کا ہوا ہے۔ اس قوم کے حالات وواقعات اور قصص وحکایات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم تمام اقوام عالم سے زیادہ اکھڑ مزاج' تند خو' دنیوی مادی لذائذ میں منہمک اور اُخروی نعمات وبرکات سے غافل قوم تھی۔ سارا قرآن ان کی مذمت سے لبریز نظر آتا ہے آپ سابقہ بیانات میں ان کی مذمت پڑھ چکے ہیں اور اب ان آیات میں ان کی منافقانہ روش ورفتار اور دوغلی چال ڈھال ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے مادی جلب منفعت اور دنیوی فوائد کے حاصل کرنے کی خاطر کون سا پاپڑ ہے جو نہیں بیلا۔

(۱) تورات میں لفظی ومعنوی تحریف کر کے حقائق کو انہوں نے چھپایا۔

(۲) تورات کی جن آیات میں پیغمبر آخر الزمان۔ اوران کی علامات وصفات کا تذکرہ تھا ان پر پردہ ڈالا تاکہ مسلمان ان کے خلاف اتمام حجت نہ کرسکیں اوران کے مفادات پر زد نہ پڑے۔

(۳) تدلیس وتلبیس سے کام لیا۔ اپنی ذاتی تحریروں کو کلام خدا ظاہر کیا اور حقیقی کلام خدا کو جھٹلایا۔

(۴) من پسند مفروضے قائم کر کے اپنا دل بہلایا اور عامۃ الناس کو گمراہ کیا۔

(۵) دین پر سودے بازی کی یعنی دین بیچ کر دنیا کمائی وغیرہ وغیرہ۔

ذیل میں ان اجمالی امور کی تفصیل آرہی ہے۔ اس آیت میں ان کے نفاق کا تذکرہ ہورہا ہے کہ جب

وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان واخلاص کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں پیغمبر اسلام کی پیشن گوئیاں مذکور ہیں جن کو پڑھ کر ہم مسلمان ہوئے ہیں اور جب تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو دوسرے ان کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے شک مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے ان کے سامنے اسلام کا اظہار کرو۔ مگر انہیں اپنی کتابوں کی معلومات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علامات نہ بتاؤ۔ ورنہ وہ ان باتوں کو تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں گے اور تمہیں لا جواب کردیں گے۔

وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ......الآیۃ۔

یہ یہودیوں کے عوام کا ذکر ہے جو بے بنیاد اور جھوٹی آرزوؤں کے سوا تورات وغیرہ اور دین و مذہب کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں ہاں وہ اپنی من گھڑت خیالی باتوں میں مگن رہتے ہیں کہ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ اور اگر جہنم میں گئے بھی تو صرف گنتی کے چند دن کیلئے جائیں گے۔ ہم اللہ کے محبوب ہے۔ اور ہم انبیاء اللہ کی اولاد ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (جس کی تفصیل آئندہ آیات میں مذکور ہے) اگر بنظر انصاف آج کے اہل اسلام اور اہل ایمان کے عقائد کا جائزہ لیا جائے۔ تو وہ بھی ایسے ہی واہیات خیالات میں مست نظر آتے ہیں انہیں نہ اصلاح عقائد کی فکر ہے اور نہ اعمال کی بجا آوری اور درستگی کا کوئی خیال ہے۔ بس کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے امتی ہونے پر نازاں ہے تو کوئی محبت اہل بیت علیہم السلام کے دعوی پر فرحاں۔ حالانکہ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر چیز کا کوئی تقاضا ہوتا ہے تو پیغمبر اسلام کے امتی اور اہلبیت کے محب ہونے کا بھی ایک لازمی تقاضا ہے اور وہ ہے ان کی اتباع واطاعت اور پیروی کرنا جو نجات کیلئے اشد ضروری ہے۔ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ۔ (سورہ آلِ عمران آیت۔۳۱)

فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ ......الآیۃ

یہاں سے یہود کے خواص یعنی علماء کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ ہلاکت ہے ان کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر تھوڑے سے معاوضہ کی خاطر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور توریت میں تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں رہا دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں اور اسکے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خاصان خدا نے الہام خداوندی سے مشرف ہو کر اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب وتالیف

دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے حقیقی اور براہ راست کے مفہوم میں نہیں ہے پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں وہ بالفرض کسی مصلحت یا ضرورت سے ہی ہوئی ہوں۔ بہرحال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے اور بائبل کی تنقید ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے جرمن فرنچ انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں اور مقالات ومضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقاد فن انتقاد تاریخی وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں عرب کے نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے کلام کا اعجاز ہے کہ اس نے چودہ سو سال پیشتر ہی اہل کتاب کی کتاب کو (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) تمام تر محرف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا (تفسیر ماجدی)۔

آیات القرآن

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸۰
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۸۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۸۳

ترجمۃ الآیات

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں چھو بھی نہیں سکتی (اے رسول) آپ ان سے کہیے! کیا تم نے خدا سے کوئی عہد و پیمان لے لیا ہے کہ خدا کبھی اپنے عہد

کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ؟ یا اللہ کے ذمہ وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے ۔(۸۰) کیوں نہیں (چھوئے گی) جو بھی برا کام کرے گا اور اس کا گناہ (چاروں طرف سے) اسے گھیر لے گا یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔(۸۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور (اس کے ساتھ ساتھ) نیک عمل بھی کئے یہی لوگ بہشتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔(۸۲) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ۔ ماں باپ سے (خصوصاً) رشتہ داروں ' یتیموں اور مسکینوں سے (عموماً) نیک سلوک کرنا اور سب سے اچھی بات کہنا ' نماز قائم کرنا اور زکواۃ ادا کرنا ۔ مگر تم میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب اس (عہد) سے پھر گئے اور تم ہو ہی روگردانی کرنے والے (۸۳)

تشریح الالفاظ

(۱) یَکْسِبُوْنَ یہ کسب سے مشتق ہے جس کے معنی کمائی کے ہیں خواہ وہ علم ہو یا مال ہو خواہ نیکی ہو یا بدی

(۲) مِیْثَاقَ اس کے معنی عہد و میثاق کے ہیں

تفسیر الآیات

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا......الآیۃ ۔

یہودیوں کا خیال تھا کہ ہم نے حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں صرف چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی ۔ لہٰذا ہمیں صرف چالیس دن تک آتش دوزخ میں رکھ کر سزا دی جائیگی ۔ اس کے بعد کوئی یہودی چاہے جتنا بدکردار ہو وہ جہنم سے باہر آ جائے گا ۔ خدا ایسے لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا تم نے خدا سے کوئی ایسا معاہدہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ خلاف ورزی نہیں کرے گا یا محض خدا پر تم افترا پردازی کر رہے ہو؟ ۔ کیوں نہیں جو بھی برا کام کریں گے اور ان کی خطا کاری انہیں گھیر لے گی وہ دوزخی ہیں (یہ ہمارا قانون ہے) اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......الآیۃ

جو کچھ اس آیت شریفہ میں بیان کیا گیا ہے یہی پورے قران، ہادیان اسلام، بزرگان دین بالخصوص سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی تعلیم وتلقین کا خلاصہ ولب لباب ہے کہ فلاح کونین اور نجات دارین بالخصوص اخروی فوز وفلاح کیلئے دو امور لازم اور اشد ضروری ہیں۔ ایک ایمان اور دوسرا نیک کام۔ اس بات کی وضاحت بقدر ضرورت اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۵ ''وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کی تفسیر میں کی جا چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ......الآیۃ

دو آیتوں کے بعد پھر بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہو گیا ہے یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تذکرہ میں اکثر و بیشتر خطاب اور روئے سخن حضرت ختمی مرتبت کے زمانہ کے یہود کی طرف ہے۔ جبکہ اصل واقعات ان کے آباء واجداد کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے کام وکلام پر راضی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''من رضی بفعل قوم فھو منھم''۔

یعنی جو شخص کسی قوم کے فعل پر خوش ہو وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)۔

بہر حال وہ عہد و پیمان جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اس کی بڑی بڑی شقیں یہ تھیں (۱) خداوند عالم کی عبادت کریں اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کریں۔ (۲) ماں باپ کا احترام کریں (۳) رشتہ داروں سے صلہ رحمی کریں (۴) یتیموں اور مسکینوں سے احسان وبھلائی کریں (۵) لوگوں سے اچھے انداز میں گفتگو کریں (۶) نماز قائم کریں۔ (۷) زکوۃ ادا کریں (۸) ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں (۹) ایک دوسرے کو جلا وطن نہ کریں (۱۰) اگر قوم کا کوئی آدمی دشمن کے ہاتھ قید ہو جائے تو اسے فدیہ دے کر آزاد کرائیں وغیرہ وغیرہ............ یہ ضروری نہیں کہ یہ عہد و پیمان کسی علیحدہ صورت میں لیا گیا ہو۔ بلکہ انبیاء ومرسلین پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ گویا خدا سے عہد کر رہے ہیں کہ انبیاء کی تعلیمات پر عمل درآمد کریں گے جن میں یہ باتیں موجود ہیں اور یہ باتیں اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں

(1) سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں عبادت کے مفہوم اور اس کے خدا کے ساتھ مختص ہونے پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

ماں باپ سے احسان کرنے کا حکم

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا......الآیة

(2) اسلام نے ماں باپ کو عزت واحترام کا جو بلند مقام عطا کیا ہے اس کی ادیان عالم میں کہیں مثال نہیں ملتی ارشاد قدرت ہے:

''وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ' (اے رسول) آپ کے پروردگار کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ عبادت صرف اسکی بجالاؤ اور احسان و بھلائی اپنے ماں باپ سے کرو (بنی اسرائیل آیت۔ ۲۳)

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ معرفت توحید اور اس کی عبادت کے بعد دوسرا درجہ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا اور ان کے اکرام اور احترام کرنے کا ہے اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''جو شخص خدا کی عبادت تو کرے مگر والدین کے ساتھ احسان نہ کرے تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے خدا کی عبادت ہی نہیں کی'' (خصال)

ارشاد رب العزت ہے:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴

اگر تمہارے سامنے ان (والدین) میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی منزل کو پہنچ جائیں تو خبردار انہیں اف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے شریفانہ گفتگو کرو اور عاجزی کے ساتھ ان کیلئے اپنے کاندھے جھکاؤ اور ان کے حق میں دعا کرو اے پروردگار ان پر اس طرح رحمت نازل فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھ پر شفقت کی ہے (بنی اسرائیل آیت۔ ۲۳۔ ۲۴)۔

حدیث قدسی میں وارد ہے فرمایا:

''يقال للعاق اعمل ما شئت فانى لا اغفرك ابدا'' ماں باپ کے نافرمان سے کہا جاتا

ہے جو چاہے عمل کرلے میں ہرگز تیری مغفرت نہیں کرونگا(سابع عشر بحار الانوار)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:''جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی راہ تک آتی ہے مگر والدین کا نافرمان اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا''۔(اصول کافی)

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:'' ان امراك ان تخرج من اهلك وما لك فافعل فان ذالك من الايمان ''یعنی اگر تیرے والدین تجھے حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال سے باہر ہوجا اور اپنے مال سے دستبردار ہوجا تو ایسا ہی کر کہ ایسا کرنا (کمال) ایمان کی علامت ہے(اصول کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ والدین کے ساتھ احسان کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا: ہر حالت میں ان کا ادب واحترام مدنظر رکھا جائے اور ان کی ضرورت کا خود خیال رکھا جائے۔ اور اگر وہ بلا وجہ بھی ماریں تو زبان سے کلمہ اف بھی نہ کہا جائے اور ان کے حق میں دعا کی جائے ''رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا''(اصول کافی)

الغرض! جب تک وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم نہ دیں تب تک ان کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے اور نافرمانی حرام۔''وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ''۔(سورہ لقمان آیت۔۱۵)۔

منصور بن حازم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں ما افضل الا عمال ؟ سب اعمال سے افضل عمل کونسا ہے۔

فرمایا:'' الصلوة لوقتها والبر بالوالدين والجها دفى سبيل الله ''۔

(۱)نماز کو وقت فضیلت پر پڑھنا (۲)والدین سے نیکی کرنا

(۳)اور راہ خدا میں جہاد کرنا(اصول کافی)۔

وَّ ذِی الْقُرْبٰی......الآیة

ماں باپ کی طرف سے جو قرابتدار اور رشتہ دار ہوتے ہیں ان سے احسان وبھلائی کرنا' ان سے صلہ رحمی کرنا اور وہ اگر برائی بھی کریں تو ان سے اچھائی کرنا بھی شرعا واخلاقا واجب ولازم ہے۔اور قطع رحمی کرنے کی شریعت مقدسہ میں سخت ترین الفاظ میں مذمت وارد ہوئی ہے یہاں تک وارد ہے کہ قطع رحمی کرنیوالے کے ناک میں جنت کی خوشبو بھی نہیں پہنچے گی۔(الوافی)وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ ۔(سورہ نساء آیت۔۱)

وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ......الآیۃ

(3) اللہ کی سب مخلوق سے عموماً اور انسانوں سے خصوصاً اور ان میں سے بھی یتیموں اور مسکینوں سے بالاخص مہر ومحبت اور شفقت ورأفت غرضیکہ ہر طرح سے حسن سلوک کرنے پر قرآن وسنت میں بہت ہی تاکید مزید وارد ہوئی ہے یتیم اسے کہا جاتا ہے جو بچپن میں سایہ پدری سے محروم ہو جائے۔ اور یہ سلسلہ اس کی بلوغت تک برقرار رہتا ہے۔ یہاں تک حدیث میں وارد ہے کہ:

''جو شخص کسی یتیم کے سر پر شفقت و پیار سے ہاتھ پھیرے تو اس کے سر کے جس قدر بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ان کی مقدار کے مطابق خداوند عالم اس کے گناہ معاف کرے گا اور نیکیاں درج فرمائے گا'' (انوارنعمانیہ)

مسکین اسے کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گذر اوقات کیلئے نان ونفقہ نہ رکھتا ہو لہٰذا اس سے بھلائی کرنا اس کے مالی حقوق از قسم زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا اور اس سے ہمدردی کرنا شرعاً واخلاقاً لازم ہے۔ عبادت کا جزو اعظم یہ ہے کہ۔

کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انسان

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا......الآیۃ۔

(4) تمام لوگوں سے یعنی چاہے مومن ہوں یا بے ایمان۔ کافر ہوں یا مسلمان۔ اور نیکوکار ہوں یا بدکار۔ اچھی بات کرنے، اخلاق ومروت سے پیش آنے اور نرم لب ولہجہ میں گفتگو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

''وَ لا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ''۔

اہل کتاب سے بھی مجادلہ کرو تو احسن طریقہ سے کرو۔ (سورہ عنکبوت آیت۔ ۴۶)

دعوت وتبلیغ حق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ:

''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ'' یعنی اللہ کے راستہ کی طرف حکمت ودانائی اور احسن طریقہ سے لوگوں کو دعوت دو۔ (سورہ نحل آیت۔ ۱۲۵)

کئی واعظ، وعظ ونصیحت کرنے میں بڑا سخت وکرخت لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے حکیم نے جب جناب موسیٰ وہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس ارشاد انذار کے لئے بھیجا تھا تو انہیں ہدایت کی تھی کہ ''قو لا له قو لاً لیناً'' یعنی اس سے نرم لہجہ میں بات کرنا تو آج کا مبلغ جس قدر عظیم کیوں نہ ہو

وہ موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے افضل تو کجا ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہے اور آج کا مخاطب جس قدر بھی گیا گذرا ہو فرعون سے زیادہ برا تو کیا اس کے برابر بھی برا نہیں ہے تو پھر اس سخت و کرخت لہجہ کا جواز کیا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اچھی بات کہنے کا مفہوم یہ مروی ہے کہ:

''لوگوں سے وہ بات کہو جو ان سے اپنے لئے کہلوانا پسند کرتے ہو کیونکہ خداوند عالم مومنین پر لعن وطعن کرنے'ان کو گالیاں دینے' فحش گوئی کرنے والے اور جھگڑالو کو دشمن سمجھتا ہے جبکہ حلیم و بردبار اور عفیف و پرہیزگار کو دوست جانتا ہے''۔ (کافی وعیاشی)۔

وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ......الآیة

(5) نماز قائم کرنے،

(6) اور زکواۃ ادا کرنے کی فضیلت و اہمیت اسی سورہ کی ابتدا میں بیان کی جا چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا' ایک دوسرے کو اپنے وطن سے (نکال کر) بے وطن نہ کرنا۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو (۸۴) پھر تم ہی وہ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو۔ اور اپنے بھائی بندوں کے کچھ لوگوں کو ان کے وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم وزیادتی کے ساتھ سازش کرتے ہو اور جتھے بندی کرتے ہو (ان کے مخالفین کی مدد کرتے ہو) اور (پھر لطف یہ ہے کہ) اگر وہی لوگ دشمنوں کے ہاتھوں قید ہو کر تمہارے پاس آجائیں۔ تو تم ہی فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ حالانکہ ان کا وطن سے نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب (توراۃ) کے ایک حصہ (فدیہ دینے) پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ (جلاوطن کرنے کی حرمت) کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے غافل (بےخبر) نہیں ہے (۸۵) یہ وہ (بدقسمت) لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی (ابدی زندگی) کے عوض دینوی (فانی) زندگی خرید لی ہے پس نہ ہی ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائیگی اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائیگی (۸۶)

تشریح الالفاظ

(۱) تَظٰهَرُوْنَ — یہ ظہار و مظاہرہ سے مشتق ہے جس کے معنی ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے

(۲) اُسٰرٰی — یہ اسیر کی جمع ہے جس کے معنی قیدی کے ہیں

(۳) تُفٰدُوْهُمْ — یہ فداء ومفاودت سے مشتق ہے جس کے معنی فدیہ لے کر چھوڑنا یا فدیہ دے کر چھڑانے کی طلب کرنا ہیں

تفسیر الآیات

(۸۳)لَا تَسْفِكُوْنَ......الآیۃ۔

(7) ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔

(۸۴)وَ لَا تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا......الآیۃ۔

(8) ایک دوسرے کو بے گھر یعنی جلاوطن نہ کریں۔

(۸۵) تُفٰدُوْهُمْ ......الآیۃ۔

(9) قوم کا کوئی آدمی دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائے تو فدیہ دے کر اسے چھڑائیں۔ یہ احکام تورات میں مذکور تھے مگر بنی اسرائیل نے اس آخری فدیہ دے کر قیدی کو چھڑوانے والے عہد کو تو برقرار رکھا مگر ساتویں اور آٹھویں عہد کو بالکل پس پشت ڈال دیا یعنی بڑی بے دردی سے ایک دوسرے کو قتل کیا اور بے تحاشا ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر اور جلاوطن بھی کیا اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ مدینہ اور اس کے گردو نواح میں مشرکین عرب کے دو مشہور قبیلے اوس وخزرج اور یہود کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھے۔ اوس وخزرج میں پرانی دشمنی تھی قریباً ایک صدی سے ان کے درمیان جنگ وجدال کی آگ شعلہ زن تھی۔ جو رحمۃ اللعالمین نے ان کے اسلام لانے کے بعد بجھائی تھی وہ اکثر وبیشتر آپس میں لڑتے تھے۔ تو بنی قریظہ اوس اور بنی نضیر خزرج کے حلیف وہم قسم تھے۔

چنانچہ جب بھی اوس وخزرج میں جنگ چھڑتی تھی تو بنی قریظہ اوس کی اور بنی نضیر خزرج کی مدد ونصرت کو نہ صرف دوڑ کر آتے بلکہ اپنے ان حلیفوں کے ساتھ ملکر اپنی قوم کے آدمیوں کو یعنی بنی قریظہ بنی کی نضیر کے اور بنی نضیر بنی قریظہ کے آدمیوں کو قتل بھی کرتے اور گھروں کو مسمار کر کے ان کو گھروں سے بے گھر بھی کرتے۔ مگر عین حالت میں جب مغلوب فریق کے آدمی غالب فریق کے ہاتھ اسیر ہو جاتے۔ تو فریق مخالف کے یہودی فدیہ دے کر ان اسیروں کو رہائی دلوا دیتے تھے۔ اور اگر کوئی پوچھتا کہ تم اس طرح کیوں کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ قوم کے اسیر کو آزاد کرانا ہم پر تورات میں واجب قرار دیا گیا ہے خداوند عالم ان آیات میں ان کے اسی تضاد کی مذمت کر رہا ہے۔ کہ جس طرح تورات میں اسیر کو آزاد کرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں ایک دوسرے کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار

کرتے ہو؟ اس سے یہ درس ملتا ہے کہ بعض من بھاتی باتوں کا اقرار اور ناپسند باتوں کا انکار کرنا اور دوغلی روش ورفتار اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ اسی زجر وتوبیخ کا مستوجب قرار پائیگا جو یہود کیلئے کی گئی ہے کہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہوگا۔ جس طرح بنی قریظہ اور بنی نضیر ہوئے تھے کہ مسلمانوں سے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اول الذکر قتل وقید ہوئے اور ثانی الذکر ملک شام کی طرف جلاوطن کئے گئے تھے۔ اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وما الله بغا فل عما تعملون۔ ان لوگوں کی خوش فہمیاں۔ (کہ معدودے چند دنوں کے سوا نہیں دوزخ کی آگ مس بھی نہیں کرے گی) ان کی یہ آرزوئیں کچھ کام نہیں آئیں گی نہ ان کی سزا میں کوئی تخفیف کی جائیگی اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائیگی۔

اس امت کے یہود کا تذکرہ

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے خدا کے عہد و پیمان کو توڑا اور اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اس کے ولیوں کو قتل کیا بعد از اں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کے یہودی وہ لوگ ہیں جو میری طاہر ومطہر اور صاحب فضل وکمال اولاد کو قتل کریں گے۔ میری شریعت کو تبدیل کریں گے اور میرے بیٹوں حسن وحسین علیہم السلام کو شہید کریں گے۔ جس طرح یہود نے جناب زکریا۔ ویحییٰ کو شہید کیا تھا۔ خدا نے ان پر یہود کی طرح لعنت کی ہے''۔

نیز فرمایا

''قیامت سے پہلے خدائے قدیر میرے مظلوم شہید بیٹے حسین علیہ السلام کی ذریت سے ایک ہادی و مہدی کو بھیجے گا جس کے محبوں کی تلواریں ان ظالموں کی بقیہ اولاد کو واصل جہنم کریں گی'' (صافی وعاشر بحار الانوار)۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا

كَذَّبْتُمْ ۚ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝۸۷ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۝۸۸ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ۝۸۹ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝۹۰

ترجمۃ الآیات

البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا کی۔اوران کے بعد ہم نے پے در پے رسول بھیجے اورعیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا کیں اورروح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کی۔(اس کے باوجود جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفسانی کے خلاف کوئی حکم لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے تکبر کیا سو بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔(۸۷)اوروہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں (ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا) نہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے (اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے) اس لئے وہ کم ہی ایمان لائیں گے (۸۸) اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو ان کے پاس والی کتاب (تورات) کی تصدیق کرتی ہے باوجودیکہ اس کے آنے سے پہلے خود یہ لوگ کافروں کے خلاف اس کے ذریعہ سے فتح وظفر طلب کیا کرتے تھے۔مگر جب وہ (کتاب) ان کے پاس آگئی جسے وہ پہچانتے تھے تو اس کا انکار کر دیا۔ پس کافروں (منکروں) پر اللہ کی لعنت ہو۔(۸۹) سو کس قدر بری ہے وہ چیز جس کے عوض ان لوگوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا ہے کہ محض اس ضد اور سرکشی کی بنا پر اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کر دیا اس نے اپنے بندوں میں سے ایک خاص بندہ (نبی خاتمؐ) پر اپنے فضل وکرم سے کیوں (وحی

نبوت و کتاب) نازل کر دی؟ پس وہ اس روش کے نتیجہ میں (خدا کے) غضب بالائے غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب ہے(۹۰)

تشریح الالفاظ

(۱)قُلُوْبُنَا غُلْفٌ یہ اغلف کی جمع ہے قلب اغلف اس دل کو کہا جاتا ہے جس پر اس طرح غلاف چڑھا ہوا ہو کہ نہ کچھ سمجھے اور نہ یاد رکھے(۲)بغی کے معنی ظلم نافرمانی اور سرکشی کے ہیں

تفسیر الآیات

(۸۶) اَلْبَیِّنٰتِ...الآیۃ۔

بینات بینہ کی جمع ہے۔جس کے لغوی معنی حجت اور واضح دلیل کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں انبیاء و مرسلین کے معجزات کو بنیات کہا جاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے مشہور نو عدد معجزات کو بینات کہا گیا ہے اسی طرح یہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بینات کا نام دیا گیا ہے جیسے باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنا۔ اندھے کو بینا کرنا اور کوڑھی کو شفاء دینا وغیرہ۔

وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ...الآیۃ۔

روح القدس کی لفظ کا چونکہ مختلف اشیاء پر اطلاق ہوتا ہے اس لئے مفسرین میں قدرے اختلاف ہے کہ یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے اس سے جبرئیل امین علیہ السلام کو مراد لیا ہے اور علامہ طبرسیؒ نے اسے ''اقوی الاقوال'' قرار دیا ہے اور اس کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہا گیا ہے ارشاد قدرت ہے: قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (نحل۔۱۰۲)

''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ''(سورہ شعراء آیت۔۱۹۳)

مگر وارثان علم قرآن ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اخبار و آثار میں غور و فکر کرنے سے جو حقیقت واضح و آشکار ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ روح القدس نہ عام ارواح میں سے کوئی روح ہے اور نہ عام فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ۔ وہ ایک ایسا خاص فرشتہ ہے جو شان و شوکت میں جبرئیل و میکائیل علیہم السلام سے بھی زیادہ جلیل القدر ہے۔ جو سابقہ انبیاء کے بھی ہمراہ رہا ہے اور بعد ازاں سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر ہمراہ رہا ہے

اورآپ کے بعد یکے بعد دیگر ہمیشہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ان کے دورہائے امامت میں بغرض تائید و تسدید موجود رہا ہے۔ اگرچہ مصلحت ایزدی کے تحت کبھی کبھار ان سے علیحدہ بھی ہوجاتا تھا متعدد روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم انبیاء وائمہ علیہم السلام کے علاوہ بھی تائید حق کرنے والوں کی کبھی کبھار روح القدس سے تائید ونصرت کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے درباری شاعر حسان بن ثابت سے فرمایا تھا:

''یا حسان لا تزال مویدا بروح القدس ما کنت ما دحاً لنا''

اے حسان جب تک تو ہماری مدح وثناء کرتا رہے گا اس وقت تک روح القدس سے تیری تائید ہوتی رہے گی (تنقیح الرجال وغیرہ)

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام بن الحکم سے فرمایا تھا:

''لا تزال مویدا بروح القدس ما نصر تنا بلسانك''

یعنی اے ہشام! جب تک تو اپنی زبان سے ہماری نصرت کرتا رہے گا اس وقت تک روح القدس سے تیری تائید ہوتی رہے گی (اصول کافی)

یہ جو بحث وتمحیص کے وقت بعض اوقات اہل حق کی زبان وقلم پر ایسی لاجواب دلیلیں آجاتی ہیں جن سے مدمقابل کا ناطقہ بند ہوجاتا ہے۔ یہ سب کچھ روح القدس کی تائید کا کرشمہ ہوتا ہے۔ وبس یہی وہ روح القدس ہے جس سے مختلف اوقات میں خدائے قدیر نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تائید ونصرت کی تھی (بصائر الدرجات، سابع بحار الانوار، مراۃ العقول۔ الوافی وغیرھا)۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ...الآية

غلف، اغلف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ یہودی فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے آبائی مذہب پر پختہ ہیں ہم پر اسلام کے دلائل ومسائل کا کوئی اثر نہیں پڑتا خالق فرماتا ہے دراصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے اس لئے وہ کم ہی ایمان لائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ کمی باعتبار عدد بھی ہوسکتی ہے کہ تھوڑے سے لوگ ایمان لائیں گے اور بلحاظ صلاحیت بھی ہوسکتی ہے کہ ان میں ایمان لانے کی صلاحیت کم ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ کفر کے بعد بھی وہ کافر رہنے پر مجبور نہیں ہیں بلکہ ان میں ایمان لانے کی صلاحیت اب بھی موجود ہے اگرچہ کم ہے اور یہی بات ان کے فاعل مختار ہونے کے لئے کافی ہے۔

وَ كَانُوْا مِنْ...الآية

یہاں خُداوند عالم یہود کی کج روی اور ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمارہا ہے کہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے جب کبھی ان کی مشرکین عرب (جو جناب موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بھی قائل نہ تھے) اوران کے بالمقابل یہ اہل کتاب گویا اہل ایمان کی حیثیت رکھتے تھے۔ سے جنگ ہوتی تھی تو یہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اپنی فتح ونصرت کی دعائیں اورتمنائیں کرتے تھے چنانچہ ایک قول کے مطابق ہنگام جنگ میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کہتے تھے ''اللّٰھم انا نستنصرك بحق النبی الامی الا نصرتنا علیھم ''(مجمع البیان، روح المعانی، القرطبی)

اور دوسرے قول کے مطابق جب کوئی ان سے لڑائی جھگڑا کرتا تھا تو یہ اس سے کہتے تھے کہ ایک (آخری) نبی کا زمانہ قریب ہے جب وہ تشریف لائے گا تو تمہارے برخلاف ہماری نصرت کرے گا (مجمع البیان)

مگر جب وہی نبی آخرالزمان آ گیا تو کفار مدینہ (اوس وخزرج) تو ایمان لائے مگر یہود نے اپنی روایتی ہٹ دھرمی اور تعصب وعناد اور ذاتی مفاد کے تحت انکار کر دیا اور کفر پر ایکا کر لیا۔ اور جب معاذ بن جبل بشر بن ابو البراء اور داؤد بن سلمہ وغیرہ نے ان کی اس روش و رفتار پر تنقید کرتے ہوئے ان سے اسلام لانے کا مطالبہ کیا تو بنی نضیر کے سلام بن مشکم نامی شخص نے بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جس کا ہم تم سے تذکرہ کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان، درمنشور) فلعنة الله علی الكافرین ۔پس اللہ کی لعنت ہو (ایسے) کافروں پر۔

(۹۰) فَلَمَّا جَآءَ هُمْ......الآية

مختلف آثار اور یہود کے اطوار سے جو کچھ واضح وآشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا کفر وانکار کسی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں تھا۔ ''يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ''۔(سورہ بقرہ آیت۔۱۴۶) وہ اپنی کتابوں کی تعلیم کی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے گھر پیدا ہونے والے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ بلکہ ان کا یہ اباوانکار محض تعصب وعناد اور حسد ولداد اور ہوس دنیا پر مبنی تھا کہ یہ نبی اولاد اسحاق میں سے کیوں نہیں بھیجا گیا؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں سے کیوں بھیجا گیا ہے؟ اور نبوت اسرائیل کے خاندان سے باہر کیوں نکل گئی ہے۔ جس کا خداوند حکیم نے مختصر مگر جامع جواب یہ دیا ہے کہ نبوت اس کا فضل وکرم ہے اب یہ بات اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ جسے چاہے اپنے فضل وکرم سے نوازے اس پر کسی بھی

قوم وخاندان کی کوئی اجارہ داری نہیں ہے۔

قرآن کے مصدق کتب ہونے کا مفہوم

واضح رہے کہ قرآن مجید کو جو سابقہ آسمانی کتابوں توراۃ، انجیل وغیرہ کا مصدق (تصدیق کرنے والا) کہا جاتا ہے تو اس کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ وہ ان کتابوں میں بیان کردہ واقعات کی تصدیق کرتا ہے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کے بیان کردہ واقعات میں سے ایک واقعہ اور پیشین گوئی حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی ہے لہٰذا قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ اصل کتابیں منجانب اللہ نازل ہوئی ہیں اور برحق ہیں۔

آیات القرآن

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَالْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۹۱﴾وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۹۲﴾
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (قرآن) اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ تو وہ کہتے

ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم (بنی اسرائیل) پر نازل کیا گیا ہے مگر اس کے علاوہ جو کچھ (قرآن، انجیل وغیرہ ہے) اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور جو ان کے پاس موجود ہے (تورات) اس کی بھی تصدیق کرتا ہے (اے رسول) آپ ان سے کہیے کہ اگر تم (توراۃ پر) ایمان رکھتے تھے تو اس سے پہلے (اگلے زمانہ) میں اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو (۹۱) اور یقینا موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے معجزے لے کر آئے پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ ان کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد گوسالہ کو (معبود) بنا لیا (۹۲) اور (وہ وقت یاد کرو) کہ جب ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا (اور کہا تھا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور جو کچھ اسمیں ہے اسے غور سے) سنو تو (تمہارے اسلاف) نے زبان سے کہا ہم نے سن تو لیا اور دل میں کہا ہم عمل نہیں کریں گے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت بیٹھ گئی تھی۔ (اے رسول) کہیے! اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برے کاموں کا حکم دیتا ہے (یہ عجب ایمان ہے) (۹۳) نیز ان سے کہیے کہ اگر خدا کے نزدیک آخرت کا گھر (جنت) دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو پھر موت کی آرزو کرو۔ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو (تا کہ جلدی بہشت میں داخل ہو جاؤ) (۹۴)

تشریح الالفاظ

(۱) بِالْبَیِّنٰتِ — یہ بینۃ کی جمع ہے جس کے معنی دلیل اور حجت کے ہیں

(۲) عَصَیْنَا — یہ عصی ومعصیۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مخالفت کرنا، نافرمانی کرنا اور دشمنی کرنا۔

تفسیر الآیات

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ...الآیۃ۔

شتر مرغ کی طرح یہود کی حالت بھی عجیب ہے۔ کہ جب ان سے قرآن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا

جا تا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم کوئی کافر تو نہیں ہیں بلکہ ایمان رکھتے ہیں۔ مگر صرف اسی پر جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے اس عذر لنگ کے خدا نے دو جواب دیئے ہیں

ایک یہ کہ جب قرآن منجانب اللہ برحق ہے۔ اور تورات کی تصدیق کرنے والا ہے تو محض حسد و تعصب کی بنا پر اس کے انکار کرنے کا نام کفر نہیں ہے۔ تو اور کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو جو تم پر نازل ہوا تھا تو خدا فرماتا ہے کہ اگر تمہارا اس پر ایمان تھا تو پھر ان انبیاء کو قتل کیوں کیا؟ جو بنی اسرائیل میں سے تھے؟ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آیات بینات لے کر آئے تھے۔ ان کے کوہ طور پر جانے کے بعد تم نے گوسالہ کو خدا مان کر اس کی پرستش کیوں کی تھی؟ جب خدا نے کوہ طور کو تم پر بلند کر کے تم سے تورات کو مضبوطی سے تھامنے کا عہد و پیمان لیا تھا تو تم نے کیوں کہا تھا کہ ہم نے سنا اور (دل سے کہا) ہم نے عمل نہیں کرنا ہے۔ اور تمہارے دلوں میں گوسالے کی محبت بیٹھ گئی ہے یہی تمہارا اپنی وحی پر ایمان ہے؟ اگر تمہارا یہی ایمان ہے جو تمہیں اس قسم کی قبیح و شنیع برائیوں کا حکم دیتا ہے تو پھر یہ ایمان بڑا ہی عجیب و غریب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ایمان ہے تو پھر بے ایمانی کیا ہے اور اگر یہ اسلام ہے تو پھر کفر کیا ہے؟ الغرض یہ بے ایمانی اور کفر ہے اسلام و ایمان نہیں ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ......الآية

یہود کے کفر و انکار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ وہ بلا شرکت غیرے اپنے کو جنت کا اجارہ دار جانتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جنت میں وہی جائیگا جو یہودی ہوگا ’’وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا‘‘ (سورہ بقرہ آیت۔ ۱۱۱) بہشت میں وہی داخل ہوگا۔ جو یہودی ہوگا لہٰذا ان کی نجات تو ایک یقینی امر ہے۔ لہٰذا کسی اور دین کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ؟ تو اس آیت میں خداوند عالم نے ان کے اس خیال کا محال ہونا ثابت کر کے اسے ھباء منشورا کر دیا فرماتا ہے۔ کہ اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو۔ تو پھر موت کی تمنا و آرزو کرو۔ تاکہ تمہاری دنیا کے تمام دکھوں، دردوں اور اس کی تمام زحمتوں و کلفتوں سے گلوخلاصی ہو جائے۔ اور جنت کی ابدی و سرمدی لازوال اور بے مثال نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکو! مگر خدائے علیم وحکیم حتمی و یقینی پیشگوئی فرما رہا ہے کہ ’’یہ لوگ ہرگز موت کی خواہش نہیں کریں گے ان گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں سے آگے بھیج چکے ہیں۔‘‘

کس قدر عجیب بات ہے کہ وہ قرآن کے اس اعلان کے بعد بھی موت کی آرزو نہ کر سکے اور قرآن کو نہ

جھٹلا سکے۔ایک روایت میں وارد ہے کہ اگروہ موت کی تمنا کرتے تو ایک یہودی بھی زندہ نہ رہتا (مجمع البیان)

خداوند عالم ان لوگوں کو مزید ذلیل ورسوا کرنے کیلئے فرماتا ہے کہ یہ لوگ موت کی کس طرح آرزو کریں گے یہ تو اپنی سیاہ کاریوں اور تباہ کاریوں کی وجہ سے سب لوگوں سے یہاں تک کہ مشرکین اور منکرین آخرت سے بھی بڑھ کر زندگانی دنیا کے حریص ہیں۔ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال تک زندہ رہنے دیا جائے۔اس سے یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ روشن ہوجاتی ہے کہ یہ لوگ اپنے اس دعوی میں بالکل جھوٹے ہیں اوراس میں صداقت وسچائی کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔''وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۹۶''۔جو کچھ یہ کررہے ہیں خدا اسے دیکھ رہا ہے (سورہ بقرہ آیت۔۹۶)۔

درس عبرت

ہاں اے اہل عالم اگرکسی ہستی کو اس معیار پر پورا اترتا ہوا دیکھنا چاہتے ہوتو نبیؐ وعلیؑ کی سیرت وکردار اوراسلامی غزوات میں ان کی روش ورفتار ملاحظہ کرو۔وہ تمہیں موت سے نہ صرف مانوس بلکہ اس سے کھیلتے ہوئے بلکہ یہ فرماتے ہوئے نظر آئیں گے۔

''والله لا بن ابی طالب الآنس بالموت من الطفل بثدی امه''

بخدا ابوطالب کا فرزند (علیؑ) موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا کوئی طفل شیرخوار اپنی ماں کے سینہ سے مانوس ہوتا ہے (نہج البلاغہ)

اور یہی وہ علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے موت کو سامنے دیکھ کر یہ تاریخی نعرہ لگایا تھا کہ:

'' فزت برب الكعبة ''رب کعبہ کی قسم! میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

آیات القرآن

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۹۵
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۹۶ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى
وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝۹۷ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝۹۸ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۝۹۹ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۱۰۰

ترجمۃ الآیات

اور (سن لو) کہ یہ لوگ ان (اعمال بد) کی وجہ سے جوان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں کبھی بھی موت کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے (۹۵) اور (اے نبی!) تم ان کو سب لوگوں سے حتی کہ مشرکوں سے بھی بڑھکر زندگی کا حریص پاؤ گے ان میں ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ایک ہزار سال کی عمر ملے حالانکہ اس قدر عمر کامل جانا بھی اسے خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے (۹۶) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے! کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (ہوا کرے) اس نے تو وہ (قرآن) خدا کے حکم سے آپ کے دل میں اتارا ہے، جو اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور کامیابی کی بشارت ہے (۹۷) جو کوئی اللہ، اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور (خاص کر) جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے (۹۸) (اے رسولؐ) بالیقین ہم نے تمہاری طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو فاسق (نافرمان) ہیں (۹۹) اور کیا (ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی انہوں (یہود) نے کوئی عہد کیا تو انہی کے ایک گروہ نے اسے پس پشت ڈال دیا (توڑ دیا) بلکہ ان میں سے اکثر بے ایمان ہیں۔ (۱۰۰)